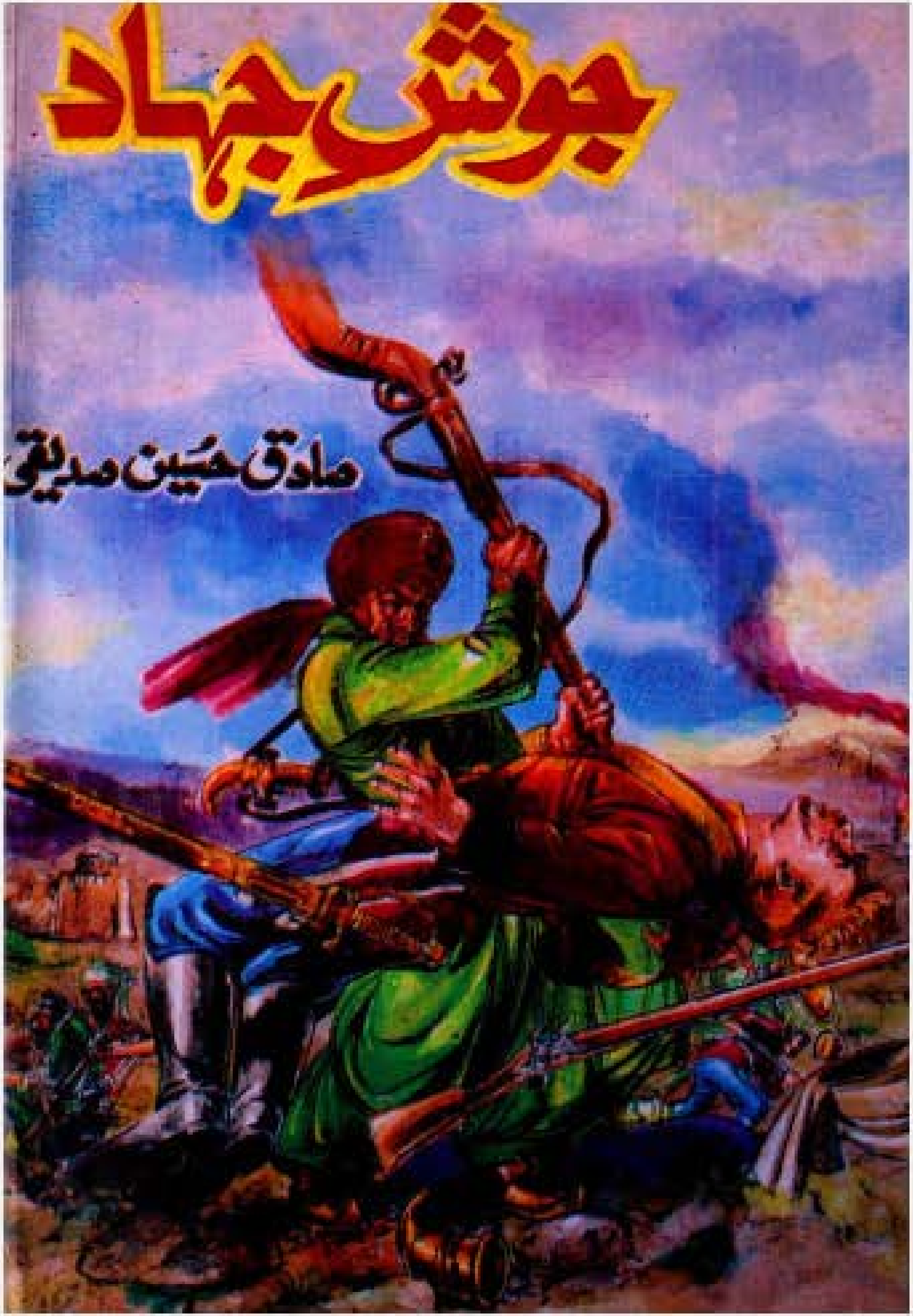
جوشِ جہاد
صادق حسین صدیقی

جوشِ جہاد

صادق حسین صدیقی

شاہد بک ڈپو
اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر : محمد علی قریشی
مطبع :
تعداد : [illegible]
سن اشاعت : [illegible]
قیمت : 75/- روپے

شاہد بک ڈپو
اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

جوش جہاد

عیسائیوں سے مسلمانوں کے سب سے پہلے خونی معرکے کے ہولناک اور خون آشام حالات' عیسائیوں کی بربریت' دو لاکھ عیسائیوں سے صرف تین ہزار مسلمانوں کی جنگ کے لرزہ خیز حالات۔ حسن و عشق کی پاکیزہ داستان کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔

پہلا باب

اسلامی قاصد

ایک اعرابی ایک تیز رفتار اونٹ پر سوار اس منزل کو طے کر رہے تھے جو سر زمین عرب کو طے کر کے ملک شام میں داخل ہوئی ہے۔

یہ اعرابی مکمل عربی لباس پہنے ہیں جوان العمر ہیں۔ داڑھی لمبی گھنی اور سیاہ ہے۔ چہرہ بارعب ہے۔ پر تلے میں تلوار لٹکائے ہاتھ میں نیزہ لئے پشت پر ڈھال ڈالے ہیں۔ ڈھال پر ترکش پڑا ہے۔ جس میں چھوٹے چھوٹے اور پتلے پتلے تیر اور' شانہ پر کمان پڑی ہے۔

شام کا وقت ہے۔ مشکل سے دو گھڑی دن باقی ہو گا۔ اگرچہ مطلع صاف ہے اور آفتاب نکلا ہوا جگمگا رہا ہے' لیکن وہ اس قدر گوشہ مغرب میں جھک چکا ہے کہ اس کی شعاعیں ترچھی ہو کر سنہری ہو گئی ہیں۔

وہ ریگ زار میدان جواب سے چند گھنٹے پہلے نمونہ دوزخ بنا ہوا تھا جس کے ذرہ ذرہ کو آفتاب کی سیدھی شعاعوں نے تپا رکھا تھا اور جس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اس وقت ٹھنڈا ہونے لگا تھا اور اس پر سپیدی کے بجائے سنہرا غازہ پھر گیا تھا۔

اعرابی بار بار آفتاب کی طرف دیکھتے جاتے تھے اور جوں جوں دن چھپنے کے قریب ہوتا جاتا تھا وہ اونٹ کی رفتار کو اور تیز کر دیتے تھے شاید ان کا ارادہ دن ہی میں اس منزل کو طے کر لینے کا تھا۔

لیکن جس طرف ان کی نگاہ جاتی تھی میدان نظر آتا تھا۔ کسی طرف آبادی کا کوئی نشان نہ تھا۔ البتہ سامنے کی جانب پہاڑ کا سلسلہ اٹھتا چلا گیا تھا اور اعرابی پہاڑ ہی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شاید یہ چاہتے تھے کہ آفتاب غروب ہونے سے قبل درہ میں

داخل ہو جائیں۔

اونٹ بھی غالباً ان کی منشا کو سمجھ گیا تھا اور اس لئے خود بھی وہ تیزی سے چلنے لگا تھا۔ آخر پہاڑ کا دامن آگیا اور کچھ ہی دور چل کر جنگل کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اعرابی اب بھی بار بار سورج کو دیکھ لیتے تھے۔ جس تیزی سے وہ رواں تھے اسی تیزی سے آفتاب بھی چل رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اعرابی کی تمنا بر آئی اور وہ درہ میں داخل ہو گئے۔ لیکن اس وقت آفتاب افق کے درمیان پہنچ گیا تھا اور وہ عنقریب مغرب میں ڈوبنے والا تھا۔

اب اعرابی درہ سے نکل کر اس پگڈنڈی پر چل رہے تھے جو سانپ کی طرح پیچ و خم کھاتی ہوئی بتدریج اوپر چڑھ گئی تھی۔

چونکہ اب چڑھائی شروع ہو گئی تھی اس لئے اونٹ کی رفتار میں بڑی حد تک کمی آ گئی تھی۔ تقریباً ایک میل چل کر اعرابی کے چاروں طرف چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔

چونکہ اب دن چھپ گیا تھا اس لئے انہوں نے اونٹ کو بٹھایا اور اس کے اوپر سے جست لگا کر نیچے اترے چھاگل جو اونٹ کے ایک طرف بندھی تھی کھولی۔ وضو کیا اور ایک پتھر پر چادر بچھا کر اس پر کھڑے ہوئے اور نہایت خوش الحانی سے اذان دینے لگے۔

غالباً یہ پہلا موقعہ تھا کہ خدائے واحد و بزرگ کا نام اس کی شان عظمت و جلال کے ساتھ اس پہاڑ پر پکارا گیا۔

اذان دے کر انہوں نے مغرب کی نماز شروع کر دی۔ اس زمانہ کے مسلمان نماز نہ پڑھنے میں اپنی شان سمجھتے ہیں لیکن قرون اولیٰ کے مسلمان اس میں اپنی اور اسلام کی شان سمجھتے تھے۔ جب اور جس جگہ نماز کا وقت ہو جاتا نہایت عاجزی اور فروتنی سے خدا کے دربار میں کھڑے ہو جاتے اور جب تک نماز پڑھ نہ لیتے ان کے دل کو قرار نہ آتا۔ وہ خدا کو یاد کرتے تھے۔ خدا انہیں یاد رکھتا تھا ان کی حفاظت کرتا تھا انہیں نوازتا تھا۔ ان کی مدد کرتا تھا۔ اسی سے ان کی ہر آرزو پوری ہوتی تھی جس کام کو شروع کرتے اسے پورا کر کے چھوڑتے!

اعرابی نے نماز پڑھی اور اونٹ پر سوار ہو کر پھر چل پڑے اب تاریکی بڑھنے لگی تھی۔ خاموشی طاری ہوتی جاتی تھی۔ وہ برابر پہاڑ کو طے کر رہے تھے!

چاند کی تاریخوں کا پہلا عشرہ تھا۔ چاند نکل آیا تھا اور دودھیا چاندنی درختوں جھاڑیوں اور چٹانوں پر پھیل گئی تھی۔ چاند کی روشنی میں کافی دور تک کی چیزیں صاف نظر آنے لگی تھیں اس وقت خنکی آگئی اور فرحت بخش ہو گیا تھا۔

اعرابی بڑھے چلے جا رہے تھے کہ انہیں پگڈنڈی کے داہنی طرف ایک سرسبز قطعہ میں چند خیمے نظر آئے۔ خیموں کی شان کہہ رہی تھی کہ وہ عربوں کے ہیں۔ لیکن ابھی فاصلہ زیادہ تھا۔ انہوں نے اونٹ کو خیموں کی طرف بڑھا دیا۔

خیمے نشیب میں واقع تھے۔ اور راستہ کئی اونچی چٹانوں کے پیچھے سے ہو کر گزرتا تھا۔ چنانچہ جب وہ ان درمیانی چٹانوں کو طے کر رہے تھے تو انہیں ایک چٹان کے قریب چند اشخاص سائے نظر آئے مگر انہوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ کاش اگر وہ دیکھ لیتے تو چند معصوم ہستیاں مبتلائے مصیبت نہ ہوتیں مگر انسان قضا و قدر سے مجبور ہے۔

اعرابی بڑھ کر خیموں کے قریب پہنچے انہیں خیموں کے سامنے سبزہ زار پر کئی مرد بیٹھے نظر آئے۔ وہ ان اعرابی کو دیکھتے ہی خوش ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اعرابی اونٹ سے اتر کر ان کی طرف بڑھے اور بلند آواز سے بولے۔

"سلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ" یعنی تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔ اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔"

استقبال کرنے والوں میں سے ایک نے جواب دیا۔ وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ برکاتہ" یعنی اور تم پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔ اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔

یہ تھا قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے سلام اور سلام کے جواب کا طریقہ اور یہ طریقہ وہی تھا جسے فخر رسل خاتم الانبیاء محبوب خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری فرمایا تھا۔ ہم مسلمان شومئی قسمت سے سلام کے اس طریقہ کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور اس کے بجائے آداب عرض، یہ تسلیمات عرض کرتا ہوں یا اور اس قسم کے لایعنی الفاظ کہنے لگے ہیں ہمارے لئے یہ کس قدر افسوسناک اور قابل شرم بات ہے کہ

ہم نے اپنے ہادی اور خدا کے محترم رسول کے بتائے ہوئے طریق اسلام کو چھوڑ کر نہایت ہی نامناسب طریقہ سلام کا اختیار کر لیا ہے۔ کاش مسلمان سمجھیں کہ سنت رسول اللہ کا ترک کرنا گناہ ہے اور ہر گناہ سے خدا ناخوش ہو جاتا ہے ہماری پستی کی یہی دلیل ہے۔

اعرابی سے خیمہ نشینوں نے مصافحہ کیا اور اسی جگہ بیٹھ گئے۔ جہاں وہ پہلے بیٹھے تھے! خیمہ نشین بھی عرب تھے۔ ان میں سے ایک ادھیڑ عمر کے شخص تھے ان کا نام مرۃ تھا۔ وہی اس قافلہ کا امیر تھا جو اس وقت پہاڑی پر فروکش تھا مرۃ نے اعرابی سے پوچھا۔ حارث! تعجب ہے تم اس طرف کہاں۔

ان اعرابی کا نام حارثؓ تھا۔ وہ عمیر ازدی کے بیٹے تھے۔ انہوں نے کہا۔ میں بصرے جا رہا ہوں۔

مرۃ: لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ عیسائی ہم مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔

حارثؓ: ہم نے سنا ہے کہ عیسائیوں کو ہم سے خدائی بیر ہو گیا ہے۔

مرۃ: پھر تم تنہا کیوں بصرے جا رہے ہو؟۔

حارثؓ: اس لئے کہ آنحضور صلعم نے بعض سلاطین کے نام تبلیغی خطوط ارسال کئے ہیں۔ اور مجھے بصرے کے بادشاہ کے پاس بھیجا ہے۔

مرۃ: حضور نے کس کس بادشاہ کے پاس کسے کسے روانہ کیا ہے۔

حارث (!) سلط کو ہوذہ راہ یمامہ کی طرف علاؤ بن الحضرمی کو منذر والی بحرین کے پاس عمروؓ بن العاص کو جیفر والی عمان کی جانب حاطب کو مقوقش والی اسکندریہ کی طرف دحیہؓ کو ہرقل اعظم قیصر روم کی طرف شجاع کو حرث والی دمشق کی طرف عمروؓ بن امیہ کو نجاشی شاہ حبش کی طرف اور مجھے والی بصرہ کی جانب روانہ کیا ہے۔

مرۃ: یہ خوب ہوا۔ کیونکہ مدینہ کے منافق مکہ کے مشرک اور خیبر کے یہودی یمن یمامہ اور بحرین کے فرمانرواؤں اور ایران و روم کے شہنشاہوں کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کر کے انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دے رہے تھے ان اسلامی قاصدوں کے ان درباروں میں پہنچنے سے انہیں خیال ہو جائے گا کہ اب

مسلمانوں کی قوت بھی بڑھ گئی ہے اس لئے ممکن ہے وہ مرعوب ہو جائیں۔

حارثؓ: تمام مسلمانوں کا یہی خیال ہے۔

مرۃ: لیکن یہ مناسب نہ ہوا کہ قاصد تنہا روانہ کئے گئے۔ کم سے کم پانچ پانچ آدمی بھیجے جاتے تو کسی کو ان کی طرف دیکھنے کی جرات نہ ہوتی۔

حارثؓ: مگر قاصدوں کو تو کسی ملک اور کسی قوم میں کوئی اندیشہ ہی نہیں ہوتا۔

مرۃ: یہ ٹھیک ہے لیکن آپ کو معلوم نہیں ہے کہ مسلمانوں کے متعلق اقوام کے کیا کیا خیالات ہیں اور وہ کس درجہ اسلام کے دشمن اور مسلمانوں کے مخالف ہو رہے ہیں۔ دوسرے ممالک کی بابت تو میں کہہ نہیں سکتا۔ لیکن رومی عیسائیوں میں میں ہو کر آ رہا ہوں وہ لوگ انتہا درجہ دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔

حارثؓ: مگر وہ دشمنی کر کے ہمارا کیا بنا لیں گے۔ کفار مکہ اور یہودان خیبر نے ہم سے دشمنی کی۔ خدا نے ہمیں مدد دی اور زیر ہو کر رہ گئے میرا یہ ایمان ہے کہ خدا ہمیں دشمنوں پر فتح دے گا۔

ہر مسلمان کا یہی ایمان ہے سچ پوچھو تو ہم کیا اور ہماری قوت کیا ہماری فتوحات میں خدا کا ہاتھ ہے۔

ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہو گا — فائدہ کیا فکر بیش و کم سے ہو گا
جو کچھ ہو گا اس کے کرم سے ہو گا — جو کچھ ہوا' ہوا کرم سے اس کے

حارثؓ: یہی بات ہے آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟۔

مرۃ: میں حلب سے آ رہا ہوں۔ وہاں سے دمشق ہوتا ہوا آیا ہوں۔ ہر خطے میں مسلمانوں کا ہی تذکرہ سنا ہے۔

حارثؓ: ضرور سنا ہو گا کفار مکہ ہمارے خلاف گمراہ کن اور اشتعال انگیز تبلیغ کرتے پھر رہے ہیں۔

مرۃ: جی ہاں۔ عیسائی تو یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان انہیں اور ان کی سلطنتوں کو ہضم کر جائیں گے اور جب سے انہوں نے یہ سنا ہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے وہ سخت چراغ پا ہو گئے ہیں۔ قیصر روم ہرقل اعظم سے حجاز پر لشکر

کشی کرنے کی وہ خواہش کرنے لگے ہیں۔

حارثؓ: تب تو عیسائیوں میں بڑا جوش پھیلا ہوا ہوگا۔

عروہؓ: بہت زیادہ لوگ ہم سے تجارت کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔

حارثؓ: تب ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کریں۔

عروہؓ: میرا بھی خیال ہے۔

اس وقت ایک نوجوان نے آکر عروہؓ سے کہا۔ ابا کھانا تیار ہو گیا ہے۔ یہ نوجوان نہایت خوش شکل خوبرو اور دیدہ رو تھے۔ ان کے قویٰ نہایت مضبوط جسم گٹھیلا اور سینہ چوڑا تھا۔ ان کا نام ایاس تھا۔ وہ عروہ کے بیٹے تھے۔"

عروہ نے کہا بیٹا ایاس! تمہارے عم حارث آئے ہیں۔ یہ بھی ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ چلو ہم دونوں خیمہ میں ہی آتے ہیں۔

ایاس چلے گئے۔ کچھ وقفہ کے بعد عروہ حارث کو لے کر ساتھ اٹھے اور اپنے خیمہ میں داخل ہوئے۔

خیمہ کے اندر کمبل کا فرش تھا اور ایک حق عماری تھی۔ حارث نے جب خیمہ کا جائزہ لیا تو انہوں نے ایاس کے علاوہ دو عورتوں کو بیٹھے دیکھا چونکہ ان کی طرف ان کی پشت تھی اس لئے وہ ان کی صورتیں نہ دیکھ سکے۔

یہ دونوں بیٹھ گئے۔ ایاسؓ نے کھانا سامنے لا کر رکھا اور خود بھی ان کے پاس بیٹھ گئے۔ تینوں نے کھانا شروع کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد عروہ نے کہا بیٹی صبیحہ تھوڑا سا پانی لاؤ۔ فوراً ہی ایک ماہ وش مست شباب پیکر حسن کانچ کے پیالے میں پانی لے کر آگئی۔

حارثؓ اس ماہرو کو دیکھ کر دیکھتے ہی رہ گئے۔ اس کے گلگوں چہرہ میں غضب کی ملاحت اور آنکھوں میں حسن کی بجلیاں بھری ہوئی تھیں۔ انہیں ایسا معلوم ہوا جیسے خیمہ میں چاند داخل ہو گیا ہو۔

اس مست ناز نے چست قبا پہن رکھی تھی۔ گیسوئے دراز کی وہ لٹیں جو پہلے مینڈھیوں میں گندھی ہوئی کمر اور سینہ کے دونوں طرف وہ کالے سانپوں کی طرح لٹک رہی تھیں۔ اور اس قدر لمبی تھیں کہ جب وہ پانی دینے کے لئے ذرا جھکی تو زلفیں

زمین پر لٹک کر اس طرح ڈھیر ہونے لگیں۔ جس طرح سانپ کنڈل مار کر بیٹھ جاتا ہے۔

گوری پیشانی پر سیاہ رومال اس طرح بندھا تھا کہ اس سے پیشانی کا کچھ حصہ ڈھک گیا تھا۔ نارنجی رنگ کا دوپٹہ اوڑھے حد درجہ حسین معلوم ہو رہی تھی جب عروہؓ نے پیالہ خالی کر کے اسے دیا اور اس نے لے کر کھڑے ہوتے ہوئے حارث پر نظر ڈالی تو انہیں اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھ کر شرما گئی۔

ابھی یہ لوگ کھانا کھا ہی رہے تھے کہ باہر کچھ شور و غل ہوا۔ عروہؓ اور حارث دونوں نے چونک کر کان کھڑے کئے۔

شور دم بدم بڑھتا جاتا تھا۔ عروہؓ نے ایاسؓ سے کہا۔ بیٹا ذرا جا کر خبر تو لاؤ یہ کیسا شور ہے۔

ایاس اٹھ کر باہر نکلے اور فوراً ہی واپس آکر بولے۔ ابا ظالم عیسائیوں نے ہمارا محاصرہ کر لیا ہے۔

عروہؓ نے جلدی سے کہا۔ خدا خیر کرے بیٹا میرے ہتھیار لاؤ۔ اور تم بھی مسلح ہو کر جلد آجاؤ۔

ایاس نے ہتھیار لا کر عروہؓ کو دیئے وہ ایک ہاتھ میں نیزہ دوسرے میں ڈھال لے کر اور کمر میں تلوار باندھ کر باہر نکلے۔ حارث بھی تلوار لے کر تیزی کے ساتھ ان کی طرف اترتے آ رہے تھے۔

حارثؓ اور عروہؓ کے چلے جانے کے بعد ایاس نے بھی تلوار پر تلہ میں ڈالی خنجر نیام میں رکھا ڈھال پشت پر لٹکائی اور نیزہ ہاتھ میں لے کر چلے۔

صبیحہ اس وقت کچھ متفکر اور پریشان معلوم ہونے لگی تھی اس نے کہا بھائی جان! ایاس اب تک ہتھیار لگانے میں مشغول تھے انہوں نے صبیحہ کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا تھا۔ لیکن اس کی آواز سنتے ہی وہ اس کی طرف گھومے اور اس کے منور چہرہ کو دیکھتے ہوئے بولے۔ کیا ہے صبیحہ ___ اور تم غمگین کیوں ہو گئیں۔

صبیحہ محشر خرامی سے ان کی طرف بڑھی اور ان کے پاس کھڑی ہو کر بولی! رات میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ بھائی جان۔

ایاس نے مسکرا کر کہا۔ خواب دیکھا تھا۔ مگر اس وقت اس کے ذکر سے کیا فائدہ۔

صبیحہ نے سنجیدگی سے کہا۔ مجھے خوف ہے کہ اس کی تعبیر کا وقت آ گیا ہے۔

ایاس: اچھا بتاؤ تم نے کیا خواب دیکھا تھا۔

صبیحہ: میں نے دیکھا کہ ہمارا قافلہ ایک ایسے بیابان میں ٹھہرا ہوا ہے جہاں شیر اور چیتے گھوم رہے ہیں۔ وہ ہمارے پاس آتے اور چلے جاتے تھے۔ نہ ہم انہیں کچھ کہتے تھے نہ وہ ہمیں ستاتے تھے۔ مگر دفعتہ وہ جمع ہو کر ہم پر آ ٹوٹے۔ ابا جان تم اور دوسرے لوگ انہیں ڈرانے اور بھگانے لگے۔ مگر وہ نہ بھاگے ایک شیر تمہیں اٹھا کر لے گیا۔ دوسرا مجھ پر حملہ آور ہوا۔ میں فرط خوف سے بے ہوش ہو گئی۔۔۔۔

بھائی جان یہ عیسائی ہیں آخر شیر اور چیتے تو نہیں۔۔۔۔

ایاس نے دلدہی کے لہجے میں کہا۔ صبیحہ خوف نہ کرو۔ خدا پر نظر رکھو دیکھو شور بڑھ گیا ہے۔ شاید لڑائی شروع ہو گئی ہے۔ تم امی جان کے ساتھ خیمہ ہی میں رہنا۔ میں جا کر دیکھتا ہوں۔

یہ کہتے ہی وہ خیمہ سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ تمام مسلمان ایک قطار میں کھڑے ہو گئے ہیں۔ اس قافلہ میں کچھ زیادہ آدمی نہ تھے مروہؓ اور ان کے بیٹے کے علاوہ صرف چھ اور اعرابی تھے۔ عورتوں میں صرف مروہؓ کی بیوی اور بیٹی تھیں!

عیسائی چٹانوں سے اتر کر مسلمانوں کے سامنے آ گئے تھے۔ وہ ڈھائی سو کے قریب تھے۔ ان میں سے ایک شاہی لباس پہنے اور سونے کا مرصع بہ جواہر تاج اوڑھے تھا۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔ مسلمانوں میں تم سے ایک بات دریافت کرنے آیا ہوں۔

یہ فقرہ اس نے رومی زبان میں کہا۔ مروہؓ اس زبان کو سمجھتے تھے انہوں نے کہا۔ پوچھئے ہم جواب دیں گے۔

اس وقت ایاس بھی اپنے باپ کے پاس آ کھڑے ہوئے اور ایک طرف حارث بھی کھڑے تھے۔ عیسائی تاجدار نے کہا۔ تمہارے قافلہ میں ایک عربی دوشیزہ ہے۔ مروہؓ

نے جواب دیا جی ہاں وہ میری بیٹی ہے۔

یہ تاجدار پینتالیس سال کے سن کا تھا۔ اس نے کہا۔ آج دوپہر کے بعد وہ چشمہ پر پانی لینے گئی تھی اور اس نے ایک عیسائی دوشیزہ سے گفتگو کی تھی اسی وقت سے وہ عیسائی لڑکی غائب ہے۔

مروہؓ: مگر میری صبیحہ رومی زبان بالکل نہیں جانتی۔

تاجدار: یہ ہو سکتا ہے لیکن عیسائی لڑکی عربی سے بخوبی واقف تھی۔

مروہؓ: تو اس لڑکی کے گم ہو جانے سے آپ کا کیا خیال ہوا ہے۔

تاجدار: خیال ہی نہیں بلکہ مجھے یقین ہے کہ تمہاری لڑکی اسے ورغلا کر لائی ہے

مروہؓ: یہ بالکل جھوٹ ہے۔

تاجدار: سنو یا شیخ نہ میں معمولی انسان ہوں نہ جھوٹ بولا کرتا ہوں! مروہؓ نے قطع کلام کر کے کہا۔ آپ کے خیال میں اعلیٰ درجے کے آدمی جھوٹ بولا کرتے ہیں۔

تاجدار: میرا یہی خیال ہے۔

مروہؓ: مگر میرا تجربہ یہ ہے کہ جھوٹ بڑے آدمی بولتے ہیں۔

تاجدار نے بگڑ کر کہا۔ جانتے ہو تم اس وقت کس عظیم المرتبہ شخص سے گفتگو کر رہے ہو۔

مروہؓ: آپ کا لباس اور تاج بتا رہا ہے کہ آپ کسی شہر کے فرمانروا ہیں۔

تاجدار: کسی شہر کا نہیں میں اس نواح کا صوبہ دار ہوں۔ یہ علاقہ قیصر روم کی قلمرو میں ہے۔ میرا نام شرجیل ہے۔ سنا تم نے۔

مروہؓ: سن لیا مگر صوبہ دار صاحب میں اطمینان دلاتا ہوں کہ ہمارے قافلہ میں کوئی عیسائی لڑکی نہیں ہے۔

شرجیل: مگر تمہاری بات کا اعتبار کیا ہے۔ تم بدو (گنوار) عرب ہو۔

مروہؓ کو جوش آ گیا۔ ایاس بھی پر غضب نگاہوں سے شرجیل کو دیکھنے لگے اور تمام مسلمان بھی غضب ناک ہو گئے۔ مروہؓ نے کہا۔ شرجیل! تم جانتے ہو کس سے گفتگو کر رہے ہو۔

شرجیل کے سامنے اس بیباکی سے کوئی بھی گفتگو نہ کر سکتا تھا۔ وہ ہرقل اعظم کے مقربوں سے تھا۔ صوبہ موتہ کا صوبہ دار تھا۔ اس کی بڑی قدر و منزلت تھی اسے مرہؓ کا اس طرح مخاطب کرنا سخت ناگوار گذرا اس نے ترشروئی کے لہجہ میں کہا۔ کون ہو تم؟

مرہؓ: میں مسلمان ہوں اور مسلمان جھوٹ نہیں بولا کرتے۔

شرجیل نے قہقہہ لگا کر کہا۔ مسلمان.... ایک نئے مذہب کے پرستار میں خوب جانتا ہوں تم لوگ کس قدر سچ بولتے ہو۔

حارث نے کہا شرجیل! تمہیں ہمارے مذہب سے کچھ بھی واقفیت نہیں ہے ورنہ.....

شرجیل نے غصہ میں بھر کر کہا۔ مجھے واقفیت نہیں ہے خوب کہی۔ میں صوبہ دار ہوں۔ دنیا بھر کی خبریں مجھے معلوم رہتی ہیں۔

حارثؓ: لیکن آپ کے خوشامدی اطلاع دہندہ خبریں بھی دے سکتے ہیں۔

شرجیل: تم کون ہو؟

حارثؓ: میں پیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔

شرجیل: کیا تم عربی رسول (صلعم) کے قاصد ہو؟

حارثؓ: جی ہاں۔

شرجیل: مگر تم ان کے پاس کیسے آ گئے؟

حارثؓ: میں بصرے جا رہا تھا آج اتفاق سے یہ مل گئے ان کے پاس ٹھہر گیا۔

شرجیل: لیکن تم بصرے کیوں جا رہے ہو؟

حارثؓ: ہمارے محترم رسول اللہ صلعم نے بادشاہوں اور شہنشاہوں کے پاس اسلام کے دعوت نامے بھیجے ہیں۔ میں شاہ بصریٰ کے پاس دعوت نامہ لے کر جا رہا ہوں۔

شرجیل نے نہایت گستاخانہ طور پر ہنس کر کہا۔ اچھا اب رسول عربی کا دماغ اتنا بڑھ گیا ہے۔ شاید اسے یہ معلوم نہیں کہ عیسائی اس کا اور اس کے پیروؤں کا خاتمہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

تمام مسلمان جوش و غضب سے کانپنے لگے۔ ایاس نے کہا۔ منحوس حکیم غسان رسول اللہ کی شان میں ادب سے گفتگو کرو ورنہ تیرا سر منحوس ٹھوکریں کھاتا پھرے گا۔

شرجیل کا غصہ کچھ ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس نے کہا۔ نوجوان تمہارا کیا نام ہے۔

ایاسؓ: میرا نام ایاس ہے۔

شرجیل: اور شاید تم اس عربی دوشیزہ کے بھائی ہو جو آج چشمہ پر گئی تھی۔

ایاسؓ: ہاں۔

اب گفتگو عربی میں ہونے لگی تھی۔ شرجیل عربی خوب جانتا تھا۔ دراصل وہ قبیلہ غسان کا ایک عرب ہی تھا۔ مگر اس کا خاندان کئی پشتوں سے عیسائی ہو گیا تھا۔ اس کی عربی خو تو جاتی رہی تھی اور عیسائی خصلتیں آ گئی تھیں۔

عیسائی ایک زمانہ سے مصروف عیش و عشرت رہے تھے اور جو لوگ عیش و عشرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں انہیں مذہب و ملت سے کچھ سروکار نہیں رہتا۔ ان کی عورتیں آزاد تھیں اور مرد ان کی آزادی سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

شرجیل میں بھی وہ تمام عیوب پیدا ہو گئے تھے جو اس وقت کے اوباش اور عشرت پسند عیسائیوں میں تھے۔ اس نے کہا۔ ایاس تم اس عیسائی دوشیزہ کو ضرور جانتے ہو گے جسے تمہاری بہن بھگا کر لائی ہے۔

ایاسؓ: نہیں تمہیں غلط خبر ملی ہے۔ میری بہن نے کسی لڑکی کا اغوا نہیں کیا ہے۔

شرجیل: ہو سکتا ہے مجھے غلط اطلاع ملی ہو مگر میں اپنا اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔

مرہؓ: اور تم اطمینان کس طرح کرنا چاہتے ہو۔

شرجیل: تمہارے خیموں کی تلاشی لے کر۔

مرہؓ: مگر یہ تو بڑی ہتک کی بات ہے۔

شرجیل: رفع شر کے لئے یہ ضروری ہے۔ سنو عزیز بہادرو! تم دیکھ رہے ہو کہ میرے ساتھ اس وقت ڈھائی سو جوان ہیں اور تم سب ملا کر مٹھی بھر ہی تو ہو۔ اگر میرا کہنا نہ مانا اور لڑائی شروع کر دی تو سب مارے جاؤ گے اس لئے مناسب یہی ہے کہ تم ہمیں تلاشی لینے دو۔

مروحہ: مگر تم اس بات کو نہیں جانتے کہ مسلمان موت کی پرواہ نہیں کیا کرتے ہیں۔

شرجیل: جانتا ہوں تم لوگ مذہبی لڑائی میں جسے تم جہاد کہتے ہو جانیں لڑا دیتے ہو۔ مگر یہ لڑائی مذہبی نہیں ہے۔ پھر ہم تو آپ سے کچھ تعرض بھی نہیں کرتے۔ محض اپنی ایک لڑکی کو تلاش کرنے آئے ہیں جس کو واقعی تم نے لڑکی کو چھپا رکھا ہے۔

مروحہ نے ہوش میں آکر کہا۔ یہ بالکل غلط ہے۔

شرجیل: تب ہمیں تلاش کر لینے دیجئے۔ ہم اپنا اطمینان کرکے واپس چلے جائیں گے۔

مروحہ: میں ہرگز آپ کو اجازت نہ دیتا۔ لیکن اس خیال سے کہ سننے والے یہ نہ کہیں کہ پہلے تو کسی عیسائی لڑکی کو چھپا لیا۔ پھر لڑائی شروع کر دی۔ اجازت دیتا ہوں۔

شرجیل: ایک انصاف پسند آدمی کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ آئیے آپ سب میرے ساتھ چلیے۔

یہ کہتے ہی شرجیل بڑھا۔ تمام مسلمان اس کے ساتھ ہو لئے۔

مروحہ کا خیمہ چند ہی قدم کے فاصلہ پر تھا۔

چلتے چلتے شرجیل نے اپنے ساتھیوں کو ہاتھ سے کوئی اشارہ کیا۔

مسلمانوں نے نہیں دیکھا۔ جب وہ خیمہ سے دو تین ہی قدم کے فاصلے پر رہ گئے۔ تب دفعتاً عیسائی مسلمانوں پر آپڑے اور ایک ایک مسلمان کو آٹھ دس دس عیسائی لپٹ گئے۔

مسلمان اس آفت ناگہانی سے بالکل بے خبر تھے۔ انہیں مطلق یہ خیال نہ تھا کہ عیسائی ان کے ساتھ دغا بازی کریں گے۔ وہ ان کی گرفت سے نکلنے کے لئے جدوجہد کرنے لگے۔

مگر عیسائیوں نے انہیں اس طرح مضبوط پکڑا۔ اور اس طرح جلدی جلدی ریشم کی ڈوروں سے جکڑ لیا کہ ان میں سے ایک بھی رہائی نہ پا سکا۔ سب گرفتار ہو گئے۔

مروحہ نے کہا۔ دغا بازو۔ تم نے کیا کیا۔

شرجیل نے کہا۔ یہ دغا بازی نہیں بلکہ ہوشیاری ہے۔ میں نے خون کا ایک

قطرہ بہائے بغیر اپنی دانشمندی سے تمہیں گرفتار کر لیا ہے۔

سنو مروحہ میں نے تمہاری پری چہرہ لڑکی کو آج چشمہ پر پانی بھرتے دیکھا تھا۔ اس وقت میں تنہا تھا اور تم سب چشمہ کے قریب تھے۔ اگر میں اسے اس وقت پکڑنے کی کوشش کرتا تو وہ شور کر دیتی اور تم مجھے پکڑ کر مار ڈالتے۔ میں سوتہ واپس گیا اور وہاں سے ایک دستہ لے کر آیا۔ اب میں نے تم سب کو قابو میں کر لیا ہے۔ صرف اس حور طلعت دوشیزہ کو گرفتار کرنا باقی ہے۔

حارث نے جو سائے دیکھے تھے وہ ان عیسائی سپاہیوں کے تھے۔ اس وقت انہوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اب وہ پچھتانے لگے۔

مروحہ نے کہا۔ بدمعاش! خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہے۔

شرجیل نے بے حیائی سے ہنس کر کہا مجھے اس بت کا احسان کرنا ہے۔

اب وہ چند سپاہیوں کو لے کر مروحہ کے خیمہ میں گھسا۔ لیکن جب اس نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو خیمہ خالی تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ عربی حور کہیں کھسک گئی ہے وہ جلدی سے باہر نکلا اور سپاہیوں کو اسے تلاش کرنے کا حکم دیا۔ سپاہی دوڑ پڑے اور اس کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔

جس وقت ایاس خیمہ سے باہر نکل آئے تھے تو صبیحہ اور اس کی والدہ رقیہ دونوں خیمہ کے دروازہ پر آکھڑی ہوئی تھیں۔ وہ نہایت غور سے سامنے کی طرف دیکھ رہی تھیں اور بڑی توجہ سے اس گفتگو کو سن رہی تھیں جو شرجیل اور مسلمانوں میں ہو رہی تھیں۔

جب تک یہ گفتگو رومی زبان میں ہوتی رہی۔ اس وقت ان دونوں کی سمجھ میں اس کا ایک لفظ بھی نہ آیا۔ مگر جب عربی میں بات چیت شروع ہوئی تو وہ سب سمجھنے لگیں۔

دوران گفتگو میں جب کسی عیسائی دوشیزہ سے صبیحہ کے باتیں کرنے کا ذکر آیا تو رقیہ نے صبیحہ سے پوچھا کیا کسی عیسائی لڑکی سے آج تو نے باتیں کی تھیں صبیحہ۔

صبیحہ نے جواب دیا۔ نہیں مجھے کوئی عیسائی لڑکی نہیں ملی۔

رقیہ: مگر یہ شرجیل کیوں کہہ رہا ہے۔

صبیحہ: یا تو اسے دھوکا ہوا ہے یا جھوٹ بول رہا ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہوا تھا کہ جب میں پانی بھر رہی تھی اس وقت میں نے اسے ایک چٹان پر بیٹھے دیکھا تھا۔ اور یہ غور سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ میں جلدی سے پانی بھر کر چلی آئی راستہ میں میں نے ایک عیسائی لڑکی کو گھوڑے پر سوار جاتے بھی دیکھا تھا۔ مگر وہ مجھ سے اتنی دور تھی کہ میں اسے اچھی طرح دیکھ بھی نہ سکی۔

رقیہ: لیکن تو نے یہ ذکر اسی وقت مجھ سے کیوں نہ کیا۔

صبیحہ: میں اسے معمولی بات سمجھی تھی۔

رقیہ: مجھے یہ شخص دغاباز معلوم ہوتا ہے۔

صبیحہ: اور بدمعاش بھی۔

رقیہ: اس لئے میں تیرے ابا کے ساتھ تجھے لے کر نہ آنا چاہتی تھی میں نے ان عیسائیوں کی بہت سی بری بری باتیں سنی تھیں۔

صبیحہ: امی جان میں بڑھ کر خود ہی اسے کیوں نہ بتا دوں کہ میں نے کسی عیسائی لڑکی سے بات نہیں کی تھی۔

رقیہ: میری معصوم اور بھولی بھالی بچی تو نہیں جانتی کہ وہ کیوں آیا ہے۔

صبیحہ: نے معصوم نظروں سے رقیہ کو دیکھ کر کہا۔ کیوں آیا ہے۔

رقیہ: میں کیسے تجھے بتاؤں صبیحہ۔

اگرچہ صبیحہ عالم شباب میں قدم رکھ چکی تھی لیکن اس قدر بھولی تھی کہ کچھ بھی نہ جانتی تھی۔ اس نے اس ماحول میں پرورش پائی تھی۔ جس میں فریب اور برائی کا نام بھی نہیں تھا۔ وہ اپنے عالم افروز حسن کی سحر خیزی سے بھی ناواقف تھی جیسی خود بھولی اور سیدھی تھی ایسا ہی دنیا کو سمجھتی تھی۔ جیسا اس کا روئے منور آئینہ کی طرح شفاف تھا۔ ایسا ہی اس کا دل بھی صاف تھا۔

رقیہ شرجیل کی گفتگو سے سمجھ گئی تھی کہ وہ کس لئے آیا ہے مگر وہ اپنی بچی کو اس لئے بتاتے ہچکچاتی تھی کہ یہ باتیں صبیحہ اب تک نہ جانتی تھی اسے وہ بتانی پڑتیں۔

صبیحہ نے کہا بتاؤ امی مجھے یہ کیوں لینے آیا ہے۔

رقیہ: ابھی ٹھہر جا شاید تجھے خود ہی معلوم ہو جائے۔ یا ممکن ہے میرا خیال ہی غلط ہو۔

صبیحہ نے اپنی والدہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ مگر ایسی کیا بات ہے جو تم مجھے بتانا نہیں چاہتی ہو۔

رقیہ: بیٹی! تجھے معلوم نہیں ہے کہ ہر قوم کی ننگ و ناموس عورتیں ہوتی ہیں۔

صبیحہ: یہ بات میں نے سنی ہے۔

رقیہ: عورتوں کی آبرو ان کی عصمت ہوتی ہے۔

صبیحہ: یہ بھی میں جانتی ہوں۔

رقیہ: اور عصمت کی حفاظت جان کے ساتھ کی جاتی ہے۔

صبیحہ: کیا آپ مجھے نصیحت کر رہی ہیں۔

رقیہ: نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ ہاں میں تجھے نصیحت کر رہی ہوں۔

صبیحہ: مگر اس وقت۔

رقیہ: جیسی یہ گھڑی ہم پر نازک آئی ہے ایسی کبھی پہلے نہ آئی تھی صبیحہ مگر آپ غمگین کیوں ہو گئیں امی جان۔

رقیہ: صبیحہ میں نے وہ تیرا خواب سنا ہے جو تو نے ابھی ایاس سے بیان کیا تھا۔

صبیحہ: مگر اس خواب کے ذکر کی کیا ضرورت ہے۔

رقیہ: صبیحہ! تو ایاس کو جس خیال سے روکنا چاہتی تھی وہی اس وقت میرا خیال ہوا ہے۔ یہ عیسائی انسان نہیں خونخوار درندے ہیں ان کی آمد تباہی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ میری معصوم بچی! میرا دل ہول کھانے لگا ہے۔ مجھے ایاس کا اور تیرا فکر ہو گیا ہے۔

صبیحہ: فکر نہ کرو امی جان۔ خدا ہمارا محافظ و معاون ہے۔

رقیہ: ہاں وہی مدد کرے گا۔ مگر صبیحہ

صبیحہ: نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ کہو امی جان۔

رقیہ: میری بچی تو اپنے ننگ و ناموس کی حفاظت کرے گی۔

صبیحہ: یقیناً کیا میرے جسم میں عربی خون نہیں ہے کیا میں مسلمان نہیں ہوں۔

رقیہ: بے شک تو مسلمان ہے تیرے جسم میں عربی خون ہے۔ لیکن ابھی کمسن ہے ناتجربہ کار ہے۔ تو نہیں جانتی کہ ہوس پرست کس کس قسم کا جال بچھاتے ہیں۔

صبیحہ: مگر تم تو موجود ہو گی امی جان۔

رقیہ: اس بات کو کون کہہ سکتا ہے۔ لیکن میری بیٹی جان دے دینا مگر عصمت پر داغ نہ آنے دینا۔

صبیحہ: ایسا ہی ہو گا امی جان۔

رقیہ: میری بچی بدکار لوگ بھولی بھالی لڑکیوں کو پھسلانے کے لئے لالچ دیا کرتے ہیں۔ اور جب اس طرح ان کا مطلب حاصل نہیں ہوتا تو دھمکاتے ہیں۔ طرح طرح کی اذیتیں دیتے ہیں۔

صبیحہ: آپ اطمینان رکھیں میں نہ دھمکی میں آؤں گی نہ لالچ میں۔

رقیہ: خدا اور فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے ہیں جو اپنی عصمت کھو دیتی ہیں۔ قیامت کے روز نماز کے بعد عصمت کا سوال ہو گا۔ میری بچی نہ کبھی نماز سے غفلت کرنا اور نہ عصمت پر دھبہ آنے دینا۔ دیکھا اب شیطان اس طرف آ رہے ہیں۔

یہ وہ وقت تھا۔ جب شرجیل عروہ کو سمجھا کر تلاشی لینے کے لئے چل پڑا تھا۔ مگر چند ہی قدم چل کر جب عیسائیوں نے مسلمانوں کو پکڑ لیا تو صبیحہ کو جوش آ گیا۔ وہ ایک دم جھپٹی رقیہ نے جلدی سے اس کا بازو پکڑ کر کہا۔ کہاں چلی صبیحہ۔

صبیحہ کا چہرہ اس وقت تیز گلابی ہو گیا تھا۔ آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ اس نے کہا۔ چھوڑ دو امی چھوڑ۔ میں ان دغاباز عیسائیوں کو......

رقیہ نے جلدی سے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ صبیحہ کیا کرتی ہے خیمہ میں چل کر میری ایک بات سن لو۔

صبیحہ: نہیں نہیں۔ یہیں کہئے۔

رقیہ: تو نے یہ سنا کہ عیسائی تاجدار کس لئے آیا ہے۔

صبیحہ: مجھے گرفتار کرنے کے لئے۔

رقیہ: ہاں۔

صبیحہ: مگر کیوں..... میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے۔

رقیہ: تجھے کیسے بتاؤں صبیحہ۔

صبیحہ: آخر کیوں نہیں بتاتی ہو تم۔

رقیہ: اس لئے کہ تم ان باتوں کو نہیں جانتی۔

صبیحہ: نہیں جانتی تو آپ بتا دیجئے۔

رقیہ: بیٹی یہ عیسائی تاجدار بدمعاش قسم کا آدمی ہے۔

صبیحہ: ہو مگر میں نے اس کا کیا نقصان کیا ہے۔

رقیہ: بعض لوگ حسن کے ڈاکو ہوتے ہیں۔

صبیحہ: نے متعجب ہو کر رقیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ حسن کے ڈاکو....

رقیہ: ہاں خوبصورتی کے رہزن بھی تو۔

صبیحہ: نے بھولے پن سے کہا۔ بالکل نہیں بھی حسن کو کیسے چرایا جا سکتا ہے۔

رقیہ: وہ حسین اور خوبصورت عورتوں کو لے جاتے ہیں۔

صبیحہ: اور لے جا کر کیا کرتے ہیں۔

رقیہ: ان کی آبرو اتار لیتے ہیں۔

صبیحہ: تو یہ کیوں نہیں کہتیں کہ یہ آبرو کے ڈاکو ہیں عصمت کے رہزن ہیں۔

رقیہ: یہی بات ہے۔ صبیحہ ایسے ہی ڈاکوؤں سے بچنے کی میں تجھے تلقین کر رہی ہوں۔

صبیحہ: اوہ امی جان ان دغابازوں نے تو سب کو گرفتار کر لیا۔ ابا کو بھی اور بھائی جان کو بھی۔

رقیہ: ہاں اور تو اور ہمارے مہمان کو بھی۔

صبیحہ: جب دنیا اس بات کو سنے گی تو کیا کہے گی۔

رقیہ: اس سے ہماری رسوائی ہو گی۔ دیکھو صبیحہ اب وہ تجھے گرفتار کرنے آ رہے ہیں۔

صبیحہ: اور کیا کرنا چاہتے ہیں۔

رقیہ: آؤ ہم یہاں سے بھاگ چلیں۔

صبیحہ: کہاں۔

رقیہ: جہاں خدا لے جائے۔

صبیحہ: کیا ابا اور بھائی جان کو چھوڑ کر۔

رقیہ: انہیں خدا کے حوالہ کر دو۔ جلدی چلو

صبیحہ: ایک لمحہ ٹھہرو ابھی۔

یہ کہتے ہی وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ خیمہ کے اندر گھس گئی اور ایک ہی لمحہ میں دو آبدار خنجر لے کر آ گئی۔ ایک خنجر اس نے رقیہ کو دے کر کہا۔ لو اسے اپنے پاس رکھو۔ اگر کسی نے ہم پر حملہ کیا تو ہم ان خنجروں سے اپنی حفاظت کریں گے۔

رقیہ: یہ خوب کیا تم نے میری بہادر بہن۔

اب یہ دونوں آہستہ آہستہ خیمہ کے پیچھے چلی گئیں۔ اور خیمہ کی آڑ میں ہوتے ہی نہایت تیزی سے اونچی اونچی چٹانوں کی طرف بھاگ گئیں۔

جب وہ بھاگ رہی تھیں اس وقت شرجیل خیمہ کے اندر داخل ہوا تھا مگر اب وہاں کیا رکھا تھا۔ سونے کی وہ چڑیا اڑ گئی تھی۔ حسن کا وہ مرقع جس کی اسے تلاش تھی۔ غائب ہو چکا تھا۔

رقیہ خوب جانتی تھی کہ شرجیل ان کی تلاش میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھے گا اس لئے وہ صبیحہ کو ساتھ لے بھاگی چلی گئی اور دونوں چٹانوں کے پاس پہنچ کر درختوں، جھاڑیوں اور پتھروں کے پیچھے غائب ہو گئیں۔

شرجیل نے ان کی جستجو میں بڑی تگ و دو کی مگر ان کا سراغ نہ چلا۔ یہاں تک کہ آدھی رات ہو گئی۔ حارث، مرہ اور ایاس کو بھی تعجب تھا کہ وہ دونوں کہاں چلی گئیں۔ آخر شرجیل نے مسلمانوں کو گرفتار کر کے اور خیمے اکھڑوا کر تمام سامان بار کر کے اپنے ہمراہ لے گیا۔

(1) از تاریخ ابن خلدون جلد سوئم صفحہ ۸۰ ہرقل اعظم کے متعلق حوالہ تفصیل سے ملاحظہ کیجیے۔

باب نمبر ۲

ایک اور حور اوا

شرجیل پہاڑ کے اوپر ہی ایک مسطح قطعہ کوہ پر فروکش تھا اس جگہ خیموں کی چھوٹی سی بستی آباد تھی۔ ایک نہایت وسیع خیمہ شرجیل کے لئے تھا جس کے آگے نہایت خوشنما سائبان کھینچا ہوا تھا۔ خیمہ کے اندر اور سائبان کے نیچے قالینوں کا فرش ہو رہا تھا۔ اور رنگین کپڑے سے منڈھے ہوئے صوفے پڑے تھے۔

چونکہ شرجیل تھک گیا تھا اس لئے ایک صوفہ پر جا پڑا۔ اس کے پڑتے ہی ادھر ادھر کے خیموں میں سے چند نوخیز اور خوبرو لڑکیاں دوڑتی ہوئی اس کے گرد آ کھڑی ہوئیں۔

ایک تو چاند کی روشنی تھی۔ دوسرے خیمہ اور سائبان میں موم بتیاں جل رہی تھیں۔ اس لئے کافی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

مہ جمال لڑکیوں نے نہایت دیدہ زیب پوشاک اور سونے کے مرصع بہ جواہر زیورات پہن رکھے تھے ان زیورات کے ضو سے ان کے سرخ و سفید چہرے چمک رہے تھے۔

شرجیل نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔ تم سب خالی ہاتھ آئی ہو، شراب لاؤ شراب عیسائی اس ام الخبائث یعنی شراب کو عام طور پر شیر مادر کی طرح پیتے ہیں۔ حالانکہ عیسائیوں کے مذہب میں بھی شراب جائز نہیں ہے۔

مگر مذہب کو تو انہوں نے کسی وقت بھی مذہب نہیں سمجھا۔

اس وقت یہی حالت ہم مسلمانوں کی ہے ہم نام کے مسلمان ہیں ہمارے افعال کو اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ نماز نہ پڑھنا روزے نہ رکھنا جھوٹ بولنا۔ غیبت کرنا۔ کیا یہی اسلام ہے، کیا اسی سے ہم مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں۔ خدا

سے روگرداں ہو کر اس کے لطف و کرم کی امید رکھنا جہالت و نادانی نہیں تو کیا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ خدا کی نافرمانی تو مسلمانوں سے زیادہ دوسری قومیں بھی کرتی ہیں۔ ان پر خدا کا غضب کیوں نازل نہیں ہوتا۔ وہ کیوں ترقی کر رہی ہیں۔ ان کے پاس دولت' عزت' حشمت اور حکومت کیوں ہے۔ اس کا جواب خود خدا نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ غیر مسلموں کو دنیا اور اس کی عشرت دے کر عقبیٰ کی جنت اور اس کے حظ و لذائذ سے محروم کر دیا گیا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جس آقا کی جس خادم پر نظر عنایت ہوتی ہے۔ وہ اسے اس وقت تک نوازتا ہے جب تک وہ خدمت کرتا ہے اور جب خدمت سے جی چرانے لگتا ہے تو آقا بھی کھینچ جاتا ہے۔

اس کے علاوہ کون ایسا مسلمان ہے جو خدائے پاک کے اس کلام کو نہیں جانتا۔ "قل متاع الدنیا قلیل و آخرۃ خیر و ابقے" (یعنی) دنیا کی عشرت انگیز زندگی چند روزہ ہے۔ آخرت کی زندگی ہمیشگی کی اور اچھی ہے۔ ہر مسلمان یہی چاہتا ہے کہ وہ جنت میں داخل ہو اور جنت اسے ملے گی جو خدا کی فرمانبرداری کرے۔ خدا کا فرمانبردار نہ دنیا میں ذلیل ہوگا نہ عقبیٰ میں۔

غرض سیم تن لڑکیاں دوڑ گئیں اور شراب کے کنٹر اور پیالے لے آئیں انہوں نے شراب پلانا اور شرجیل نے شراب پینا شروع کر دیا۔

ابھی شراب کا دور جاری ہی تھا کہ ایک ماہوش سامنے سے آئی یہ لڑکی نہایت حسین و مہ جبیں تھی۔ اس کی صورت روشنی میں چاند کی طرح چمک رہی تھی۔ اس کی موٹی اور رسیلی آنکھیں بڑی دلکش تھیں۔ قد موزوں تھا۔ پیکر شباب تھا۔ نہایت عمدہ لباس اور نہایت چمکدار جواہرات کے زیورات پہنے تھی۔ اس سے اور بھی رشک حور معلوم ہو رہی تھی۔

اس جمال و شباب کی تصویر کو دیکھ کر تمام سیم تن لڑکیاں سمٹ کر ادب سے کھڑی ہو گئیں۔ شرجیل اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ او ہو بی بی ایزبل! تم ابھی تک نہیں سوئیں۔

ایزبل اس کے پاس ہی صوفہ پر بیٹھ گئی۔ یہ سیم تن شرجیل کی پھپی زاد بچی

تھی۔ اس کے حسن و جمال کی تعریف نہ صرف صوبہ موتہ ہی میں تھی بلکہ ہرقل اعظم کے دارالسلطنت انطاکیہ اور قسطنطنیہ تک پہنچی ہوئی تھی اکثر امرا اور شہزادے اسے دیکھنے کے لئے دور دراز کے سفر کر کے آتے تھے۔ اور جب اس حور طلعت کو دیکھتے تو ہزار جان سے شیفتہ و مفتون ہو جاتے تھے۔

ایزبل نے کہا۔ آج ابھی تک نیند ہی نہیں آئی مگر آپ کہاں چلے گئے تھے

شرجیل میں شکار کھیلنے گیا تھا۔

ایزبل: رات کے وقت۔

شرجیل: رات کو بڑا لطف آتا ہے۔ ایزبل۔

ایزبل: تب مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔

شرجیل: کچھ خیال نہ رہا۔ ہاں اچھا ہوا تھا تو نہ گئی ایزبل۔

ایزبل: کیوں؟

شرجیل: مجھے چند وحشی عرب مل گئے تھے۔

ایزبل: کہاں؟

شرجیل: قریب ہی اسی پہاڑی پر۔

ایزبل: مگر یہاں کہاں سے آ گئے ہیں۔

شرجیل: وہ کسی تاک میں تھے۔ شاید غارت گری کرنے آئے ہوں ایزبل کیا تمام عرب ڈاکو ہی ہوتے ہیں ابا؟

شرجیل: اور ان کا ذریعہ معاش ہی کیا ہے۔

ایزبل: تب تو بہت برے لوگ ہیں یہ عرب۔

شرجیل: نہایت خونخوار' بڑے وحشی' نہ عورتوں کی عزت کرنا جانتے ہیں نہ کسی قوم کے بڑے لوگوں کی تعظیم کرتے ہیں۔

ایزبل: مگر سنا ہے اب تو ان کی سلطنت بھی قائم ہو گئی ہے۔

شرجیل: حکومتیں تو ان کی پہلے سے بھی قائم ہیں۔ لیکن اب ان میں ایک نبی بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ اور انہوں نے انہیں متحد کر دیا ہے۔

ایزبل: نے استہزا کے طور پر کہا۔ نبی پیدا ہوئے ہیں۔ وحشیوں میں اور نبی۔

شرجیل: میں نے پہلے بھی یہ بات سنی تھی لیکن یقین نہیں کیا تھا۔

ایرجیل: یقین آنے والی بات ہی نہیں ہے۔

شرجیل: لیکن ایرجیل آج ایک بات سن کر نہایت تعجب ہوا۔

ایرجیل: کس بات پر؟

شرجیل: ایک عرب نے مجھے بتایا کہ وہ عربی رسول (صلعم) کا قاصد ہے اور شاہ بصریٰ کے پاس اسلام کا دعوت نامہ لے کر جا رہا ہے۔

ایرجیل: یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

شرجیل: اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ سفیر یہ بھی کہتا تھا کہ رسول عربی (صلعم) نے شاہان عالم کے نام اسلام کے دعوت نامے بھیجے ہیں۔ میں نہیں جانتا اس میں کہاں تک صداقت ہے۔

ایرجیل: کہیں تمام عربوں نے نبی کی اطاعت تو نہیں کر لی۔

شرجیل: میں نے سنا تھا کہ عربوں میں خانہ جنگی ہو رہی ہے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کی قوم اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ بہت سے ان عربوں سے بھی میری گفتگو ہوئی ہے جو تجارت کی غرض سے اس نواح میں آئے تھے وہ کہتے تھے کہ تمام ملک میں فتنہ و فساد کی آگ پھیلی ہوئی ہے جو لوگ رسول عربی (صلعم) کی تقلید کرنے لگے ہیں وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔

ایرجیل: مسلمان آج ہی یہ نام سنا ہے میں نے۔

شرجیل: میں کئی مرتبہ پہلے بھی سن چکا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول عربی (صلعم) کے پیرو اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ تمام عرب پر ان کا تسلط ہو گیا ہے اور اب عربوں کی خانہ جنگی ختم ہو چکی ہے۔ اسی لئے انہیں یہ جرات ہوئی ہے کہ وہ دنیا کے بادشاہوں اور شہنشاہوں کو اسلام کے دعوت نامہ لکھیں۔

ایرجیل: تو کیا دنیا کے تاجدار اس نئے مذہب کو قبول کر لیں گے!

شرجیل: ہرگز نہیں۔

ایرجیل: تب یہ مسلمان کیا کریں گے۔

شرجیل: انہیں پوچھتا ہی کون ہے۔ ان کی وقعت و حیثیت ہی کیا ہے دراصل

عرب ریگستان ہے۔ ریت، لو، باد صرصر کے تیز و تند جھونکوں سے بے آب و گیاہ سرزمین جسموں کو جھلسا دینے والی دھوپ کے سوا وہاں رکھا کیا ہے نہ زرخیز ہے نہ موسم خیز اسی لئے کسی بادشاہ نے اس ملک پر چڑھائی نہیں کی۔ ورنہ اس ملک پر بھی عیسائیوں کا قبضہ ہو جاتا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے ہرقل اعظم نے تیاری کی ہے۔

جس وقت عیسائیوں کا لشکر سرزمین عرب میں داخل ہو گا اسی وقت عرب ہمارے حلقہ بگوش ہو جائیں گے۔

ایرجیل: میں نے چند عربوں کو دیکھا ہے۔ ابا ان کے چہروں سے وحشیانہ پن کی جھلک بھی نظر نہیں آئی۔ بلکہ حلم و مروت کے آثار دکھائی دیئے خونخواری کی علامتیں بھی نہیں دیکھیں۔

شرجیل: تو نے سچ کہا ایرجیل ان کی صورتوں سے خونخواری اور وحشیانہ پن نہیں ٹپکتا بلکہ بھولے اور سیدھے معلوم ہوتے ہیں لیکن ہیں اجڈ۔

ایرجیل: ان کی عورتیں کیسی ہوتی ہیں ابا میں نے کسی عربن کو نہیں دیکھا

شرجیل: ان کی عورتوں کا رنگ گندم گوں ہوتا ہے بعض نہایت حسین ہوتی ہیں۔ عام طور پر ان کے سر کے بال لمبے، سیاہ اور باریک ہوتے ہیں۔ وہ گیسوؤں کی دو لٹیں گوندھ کر سینہ کے دونوں طرف لٹکا لیتی ہیں آنکھیں سیاہ اور ہرنیوں جیسی ہوتی ہیں۔ کیا بتاؤں میں ایک لڑکی کو گرفتار کرنے گیا تھا مگر وہ بھاگ گئی ورنہ تو دیکھتی کہ وہ کس قدر خوبصورت تھی۔

ایرجیل: کاش تم اسے پکڑ لاتے ابا۔

شرجیل: میں نے اس کے باپ بھائی اور دوسرے عربوں کو گرفتار کر لیا ہے یقین ہے کہ وہ بھی پکڑی جائے گی۔

ایرجیل: اس کا بھائی بھی خوبصورت ہو گا۔ ابا۔

شرجیل: نہایت خوبرو ہے۔ اگر وہ عیسائی ہو گیا تو میں اسے اپنی فوج میں کوئی عہدہ دے دوں گا۔

اب شرجیل نے سیم تن لڑکیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اے تم چپ چاپ

کیوں کھڑی ہو گئیں مجھے شراب کے جام دو۔

چنانچہ مہ وش لڑکیوں نے شراب کے جام پیش کئے اور اس نے پینا شروع کر دیا۔ ایزبل نے کہا ان کا مذہب کیا ہے ابا؟

شرجیل: صحیح طور پر کسی کو معلوم نہیں ہے میں نے مسلمانوں کے اس قاصد کو بھی گرفتار کر لیا ہے جو شاہ بصریٰ کے پاس جا رہا ہے۔ صبح اس سے گفتگو ہو گی' اس وقت تو بھی آ جانا۔ میں مقدس پاپا کو بھی بلا لوں گا۔

ایزبل: ہاں مجھے مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کا شوق سا پیدا ہو گیا ہے۔ اب رات زیادہ آ گئی ہے۔ میں اجازت چاہتی ہوں۔

شرجیل: جاؤ نور چشمی۔

ایزبل نے کھڑے ہو کر شب بخیر کہا۔ اور چلی گئی۔ شرجیل بھی کچھ دیر شراب پی کر خیمہ میں بستر پر جا پڑا اور سونے کی تیاری کرنے لگا۔

جب شرجیل بیدار ہوا تو چار گھڑی دن چڑھ گیا تھا شراب کا خاصہ ہے کہ جب اس کا سرور دور ہو جاتا ہے تو بدن ایسا چور ہو جاتا ہے جیسے کسی نے ٹھونوں سے مارا ہو۔ شرابی کی حالت اس وقت نہایت خراب ہوتی ہے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا کاہلی اور سستی گھیرے رہتی ہے۔ طبیعت بے مزہ رہتی ہے سر بھاری' دماغ بیکار اور دل مردہ رہتا ہے۔

مگر ان تکالیف اور بے کیفی پر بھی شراب پینے والے اس تکلیف دہ چیز کو نہیں چھوڑتے۔ حقیقت یہ ہے کہ شرابی آہستہ آہستہ اپنے ہاتھوں سے اپنی صحت کھو دیتا ہے۔ شراب پھیپھڑوں کو گلا دیتی ہے اور انسان قبل از وقت نحیف و زار ہو کر زندگی سے اکتا جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ جو مسلمان شراب پیتا ہے وہ خدا کی نافرمانی تو کرتا ہی ہے لیکن اس کے علاوہ اپنی صحت اور زندگی کے ساتھ دشمنی بھی کرتا ہے اور قیامت کے روز جبکہ پیاس کی شدت سے حلق خشک ہو جائیں گے زبان منہ سے باہر نکل آئے گی۔ اس وقت ہر مسلمان حوض کوثر کا شیریں اور سرد پانی پی کر سیراب ہو گا لیکن جس نے دنیا میں شراب پی ہو گی وہ اس پانی سے محروم رہے گا۔

شرابی پیاسے رہ کر دیکھیں کہ کیا وہ پیاس کی شدت برداشت کر سکتے ہیں اگر نہیں کر سکتے تو پھر انہیں توبہ کر کے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

غرض شرجیل اٹھا۔ ضروریات سے فارغ ہو کر اس نے دو چار جام شراب کے پئے۔ اور پاپائے اعظم کو بلایا۔

پاپائے اعظم ایک ضعیف العمر شخص تھا۔ نحیف الجثہ تھا۔ سفید ریشم کا لباس پہنے تھا۔ سرخ ریشم کی ڈور سے کمر کسے تھا اور سینہ پر سرخ رنگ کی صلیب لٹکائے تھا۔

ہر ملک میں پادری ہوتے تھے انہیں پاپا کہا جاتا تھا اور جس پاپا کا تعلق شاہی گرجہ سے ہوتا تھا۔ اسے پاپائے اعظم کہتے تھے۔

پاپائے اعظم کے آتے ہی شرجیل نے اس کی عبا کے دامن کو بوسہ دے کر کہا۔

محترم بزرگ! کیا آپ مسلمانوں کے مذہب سے کچھ واقف ہیں۔

پاپا نے جواب دیا۔ اسلام ایسا مذہب ہی نہیں جس سے واقفیت حاصل کی جائے۔ لیکن اس سے آپ کا کیا منشاء ہے۔

شرجیل: میں نے چند مسلمانوں کو گرفتار کیا ہے۔ چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے ان سے ان کے مذہب کے متعلق کچھ دریافت کروں۔

پاپائے اعظم: نہایت مناسب خیال ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ یہ مسلمان جادوگر ہوتے ہیں۔

ایک شیریں آواز آئی جادوگر ہوتے ہیں..... جب تو وہ نہایت ہی خطرناک آدمی ہیں۔

شرجیل اور پاپائے اعظم نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ سامنے سے پری چہرہ ایزبل چلی آ رہی تھی۔ اس کے آئینہ تمثال چہرہ پر آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی تھیں جن سے اس کی صورت اس قدر جگمگانے لگی تھی جیسے اس میں بجلیاں بھر دی گئی ہیں۔

مست شباب ایزبل خوش خرامی کرتی سائبان میں داخل ہوئی۔

شرجیل نے کہا۔ تو بیٹی اب تم مسلمانوں کو دیکھنا اور ان کے مذہب کے متعلق سننا۔

ایزبیل پاپائے اعظم کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے آتشیں ناک رخسارے اس وقت سرخ ہو رہے تھے سفیدی میں سرخ جھلک نہایت دیدہ زیب تھی وہ آہو چشم تھی۔ جب رسیلی آنکھیں اٹھا کر کسی کی طرف دیکھتی تو اس کی نشیلی انکھڑیوں کو دیکھ کر اس سے آنکھیں چار کرنے والا بے پئے ہی مست ہو کر لڑکھڑا جاتا۔ اس نے کہا مگر جب وہ جادوگر ہیں تو ہم سب پر اپنا اثر نہ ڈال دیں گے۔

پاپائے اعظم: مگر میں مقدس انجیل کی آیتیں پڑھ کر جادو کے اثر کو باطل کر دوں گا۔

شرجیل: سنا میں نے بھی ہے کہ وہ جادوگر ہیں۔

پاپائے اعظم: مجھے ایک قریشی شخص ملا تھا۔ وہ تجارت کے سلسلہ میں ملک شام جا رہا تھا۔ اس کا نام ..... ہاں یاد آ گیا۔ ابو سفیان تھا وہ مسلمانوں سے لڑ بھی چکا تھا۔ کہتا تھا کہ ہر مسلمان کو جادو آتا ہے۔ جو شخص ان میں سے کسی سے باتیں کر لیتا ہے اس کا گرویدہ ہو کر ان کے رسول کا کلمہ پڑھ لیتا ہے۔

شرجیل: تعجب ہے۔

پاپائے اعظم: اس سے بھی بڑھ کر تعجب خیز بات یہ ہے کہ جب کوئی ایک مرتبہ مسلمان ہو جاتا ہے تو کسی تکلیف اور کسی لالچ سے متاثر ہو کر اسلام نہیں چھوڑتا ابو سفیان ہی کہتا تھا کہ چند غلام مسلمان ہو گئے تھے۔ انہیں ہر چند ڈرایا۔ دھمکایا لالچ دیا۔ آخر ان پر طرح طرح کی سختیاں کیں۔ اس قدر تکلیفیں دیں کہ ان کی جان کے لالے پڑ گئے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی اسلام نہ چھوڑا۔

شرجیل: یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ دولت کا لالچ موت کا خوف سب کچھ کرا دیتا ہے۔

پاپائے اعظم: لیکن میں نے سنا ہے کہ کوئی مسلمان ان باتوں سے متاثر نہیں ہوتا۔ بلکہ مجھے تو یہ معلوم ہوا ہے کہ دنیا حسن کے سامنے بے بس ہو جاتی ہے لیکن وہ حسن و جمال کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔

شرجیل: یہ ممکن ہے کہ وہ حسینوں کی قدر نہ جانتے ہوں کیونکہ وہ وحشی ہیں

پاپائے اعظم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ گرم ملک کے رہنے والے ہیں ان

میں محبت و عشق کا مادہ بہت زیادہ ہوتا ہے ان کے افسانہ محبت کچھ سننے میں آئے ہیں۔

ایزبیل: لیکن وہ عورتوں کی عزت تو کرتے ہی نہیں۔

پاپائے اعظم: ان کے مرد بڑے مغرور ہیں سنا ہے کہ ان کے یہاں پردہ کی رسم شروع ہو گئی ہے۔

ایزبیل: پردہ کیا؟

پاپائے اعظم: عورتیں گھروں میں بند رہتی ہیں۔

ایزبیل: تعجب ہے کیا ان کا دل نہ گھبراتا ہو گا۔

پاپائے اعظم: کیوں نہ گھبراتا ہو گا لیکن وہ عورتوں کو جانور سمجھتے ہیں جانور۔

ایزبیل: بڑے سخت لوگ ہیں۔ بیچاری عورتیں کیا کہتی ہوں گی۔

پاپا: تعجب یہ ہے کہ باوجود گھر کی چار دیواری میں قید رہنے کے وہ ان کا ساتھ نہیں چھوڑتیں۔

ایزبیل: اچھا تو انہیں قید کر دیا جاتا ہے۔

پاپا: قید تو نہیں کیا جاتا۔ مگر باہر بھی نہیں نکلنے دیتے۔

ایزبیل: میں تو ایسے لوگوں میں ایک لمحہ بھی نہ رہوں۔

شرجیل: بیٹی وہ اس قابل ہی کب ہیں کہ کوئی شریف مرد یا عورت ان کے پاس رہے۔

ایزبیل: مگر ایسے وحشیوں میں عورتیں چلی ہی کیوں جاتی ہیں۔

شرجیل: جس ملک میں مرد ہیں وہاں عورتیں بھی ہیں مگر عرب کی عورتوں کی یہ بدقسمتی ہے کہ وہ اس غیر مہذب ملک میں پیدا ہو گئیں۔ جہاں کے باشندے وحشی جاہل اور خونخوار ہیں۔

پاپا: خونخوار تو اس درجہ ہیں کہ بات بات پر تلوار کھینچ لیتے ہیں مگر ایک بات اور بھی عجیب ہے۔

شرجیل: وہ کیا؟

پاپا: سنا ہے مسلمانوں نے شراب پینا چھوڑ دیا ہے۔

شرجیل: نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔ ارے شراب پینا چھوڑ دیا ہے۔

پھر وہ زندہ کیسے رہتے ہیں۔

پاپائے اعظم: یہ مجھے بھی حیرت ہے۔ پہلے وہ خوب شراب پیتے تھے لیکن جب سے مسلمان ہو گئے ہیں اسے ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔

شرجیل: دیکھے میں مسلمانوں سے یہ سب باتیں دریافت کروں۔

پاپائے اعظم: ہاں بلوایئے انہیں ذرا لطف ہی رہے گا۔ لیکن آج یہ آپ کی ساقیاں روش کہاں گئیں۔

شرجیل: ابھی آتی ہیں۔

شرجیل: نے دستک دی۔ ایک غلام حاضر ہوا۔ شرجیل نے کہا۔

شراب پلانے والیوں کو بھیج دو۔

غلام چلا گیا۔ پاپائے اعظم نے کہا۔ مگر آپ نے مسلمانوں کو تو بلایا ہی نہیں۔

شرجیل: ہاں ابھی بلواتا ہوں۔

اس نے پھر دستک دی۔ دوسرا غلام حاضر ہوا۔ شرجیل نے کہا۔ دیکھو توذر سے کہو کہ وہ مسلمانوں کو لے کر حاضر ہو۔

توذر شرجیل کا سپہ سالار تھا۔ نہایت بدطینت' مغرور ظالم اور جابر تھا۔ غلام چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی سیم تن لڑکیاں۔ دلفریب لباس پہنے تھرکتی ہوئی شراب کے کنٹر اور جام لئے آئیں۔ پہلے جھک کر شرجیل کو سلام کیا۔ اور پھر پاپائے اعظم کی طرف اشارہ کیا۔ وہ مسکراتی ہوئی بڑھی پاپائے اعظم نے اس کے دست نگارین سے بلوری جام لے کر اپنے حلق میں انڈیل لیا اور رومال سے منہ صاف کرتے ہوئے بولا۔ اچھی شراب ہے بیٹی ایزبل تو بھی ایک جام پی کر دیکھ۔

ایزبل: نے شرماتے ہوئے کہا۔ معاف کیجئے میں نے آج تک کبھی شراب نہیں پی ہے۔

پاپائے اعظم: ہنستے ہوئے کہا۔ کیا تو بھی مسلمان ہو گئی ہے۔

ایزبل: نے حیا پرور لہجہ میں کہا میں کیوں مسلمان ہو جاتی۔

شرجیل: محترم بزرگ واقعی ایزبل نے کبھی شراب نہیں پی۔

اس وقت توذر مسلمان قیدیوں کو لے کر حاضر ہوا۔ سیم تن لڑکیاں سمٹ کر ان صوفوں کے پیچھے جا کھڑی ہوئیں جن پر شرجیل اور پاپائے اعظم بیٹھے تھے۔

شرجیل' پاپا' ایزبل اور تمام لڑکیاں مسلمانوں کو دیکھنے لگیں۔

باب نمبر۳

مسلمانوں کے ہاتھ ریشم کی مضبوط ڈوروں سے جکڑے ہوئے تھے ان کے چہروں سے استقلال اور جلال ظاہر تھا وہ نہایت بے خوفی سے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔

نوذر نے ان سے کہا۔ وحشی مسلمانوں ہمارے تاجدار کو سلام کرو۔

اس وقت شرجیل شراب کا جام پی رہا تھا۔ حارث نے کہا۔ تم اس بادشاہ کو سلام کرنے کو کہتے ہو جو شراب کو جائز سمجھتا ہے۔

نوذر نے کچھ کہنا چاہا کہ اسے شرجیل نے ہاتھ کے اشارہ سے روک کر کہا۔

کیا تم شراب نہیں پیتے۔

حارث نے جواب دیا۔ نہیں یہ حرام کر دی گئی ہے۔

شرجیل: کس نے حرام کر دی۔ کیا تمہارے نبی (صلعم) نے

حارث: نہیں خود خدا نے حرام کیا ہے۔ ہمارے محترم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے دریافت کیا تھا کہ جوا کھیلنا اور شراب پینا کیسا ہے خداوند عالم نے اپنے پاک کلام قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے۔

ترجمہ: یعنی ہمارے نبی تم سے جوئے اور شراب کے متعلق سوال کرتے ہیں کہہ دو ان دونوں میں گناہ ہے۔ فائدے کم ہیں اور گناہ زیادہ ہیں۔

شرجیل: لیکن آخر شراب کی ممانعت کیوں کر دی گئی یہ تو بڑی اچھی چیز ہے۔

حارث: کیا آپ نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ خدا نے فرما دیا کہ اس کے فائدوں سے گناہ زیادہ ہیں۔ لیکن اگر آپ برائیاں سننا چاہتے ہیں تو سنئے۔ شراب پی کر انسان عقل و خرد سے بیگانہ ہو جاتا ہے وہ نہیں جانتا کہ کیا کر رہا ہے اور اسے کیا کرنا چاہئے۔ نیک بد اور اچھے برے کی تمیز نہیں رہتی۔ حیا کوسوں دور بھاگ جاتی ہے۔ نشہ کی حالت میں ماں' بہن' بیوی اور غیر عورت میں تمیز نہیں کر سکتا اور جب نشہ

اترتا ہے تو بدن میں درد' طبیعت میں اضمحلال اور دماغ میں بھاری پن ہو جاتا ہے کثرت مے نوشی سے پھیپھڑے خراب ہو کر شرابی موت کے کنارے پہنچ جاتا ہے پھر شراب ایسی ایسی چیزوں کو سڑا کر تیار کی جاتی ہے کہ کوئی بھلا آدمی کھانا تو کیا دیکھنا بھی گوارا نہیں کر سکتا گویا شراب خراب اور سڑی ہوئی چیزوں کا عرق ہو جاتا ہے۔

پاپائے اعظم: اجی اس بحث کو چھوڑو جس لذت سے یہ واقف نہیں اس کے متعلق ان سے گفتگو کرنا بھی عبث ہے۔ ہاں یہ بتاؤ تم یہاں کیسے آئے ہو۔

حارث: میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا سفیر ہوں شاہ ہرقل کے پاس اسلام کا دعوت نامہ لے کر جا رہا ہوں۔

پاپائے اعظم: کیا تمہارے نبی (صلعم) نے سلاطین عالم کو اسلام کی دعوت دی ہے۔

حارث: سب کو نہیں صرف چند بادشاہوں اور شہنشاہوں کو

پاپائے اعظم اور تمہارے نبی نے مذہب کون سا جاری کیا ہے؟

حارث: ہمارا مذہب اسلام ہے۔ اور یہ وہ مذہب ہے جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا تھا۔

پاپائے اعظم: اس مذہب کا منشاء کیا ہے؟

حارث: صرف ایک خدا کی پرستش کرنا۔ برائیوں اور بے حیائیوں سے بچنا۔

پاپائے اعظم: یہ تو ہم بھی کرتے ہیں۔

حارث: معاف کرنا آپ نے ایک خدا کے تین ٹکڑے کر دیئے یا تین ہستیوں کو خدا کا درجہ دے دیا ہے۔

پاپائے اعظم: یہ تمہاری غلط فہمی ہے ہم خدا صرف ایک ہی کو مانتے ہیں حارث۔ لیکن آپ خدا کا بیٹا بھی بتاتے ہیں۔

پاپائے اعظم: بے شک حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے تھے۔

حارث: اور خدا کے بیٹے ہیں تو تمام صفات ہونا ضروری ہیں جو خدا میں ہیں

پاپائے اعظم یہ ضروری نہیں اکثر باپ اور بیٹے کے عادات و اطوار میں فرق ہوتا ہے۔

حارث: مگر جنس میں۔

پاپائے اعظم: کوئی فرق نہیں ہوتا۔

حارث: تو آپ کے قول کے بموجب حضرت مسیح خدا کے ہم جنس ہوئے۔

پاپائے اعظم نے داڑھی کھجاتے ہوئے کہا۔ یہ تم نے کیسی بحث شروع کر دی ارے بھائی ہم تو صرف اتنا مانتے ہیں کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔

حارث: یہی تو میں بھی کہلوا رہا ہوں۔ آپ سے۔

پاپائے اعظم: تم تو الٹی سیدھی باتیں کرنے لگے۔

حارث: اچھا اب یہ فرمایئے کہ حضرت مریم پاپائے اعظم نے جلدی سے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ نہ نہ ان کے متعلق کچھ نہ کہنا۔ وہ مقدس کنواری اور عصمت مآب تھیں۔

حارث: تب آپ کیسے سمجھیں گے کہ حضرت مسیح کون تھے۔

پاپائے اعظم: یہ تو ہم سمجھے ہوئے ہی ہیں۔

حارث: اچھا جب آپ سمجھے ہوئے ہیں تو ایک تو خدا اور ایک خدا کا بیٹا اور تیسرا روح القدس۔

پاپائے اعظم: جی

حارث: فرمایئے یہ تینوں ہستیاں کیا ہوئیں۔

شرجیل: ہم تم سے پوچھتے ہیں تم حضرت مسیح کو کیا کہتے ہو۔

حارث: وہی جو خدا نے حکم دیا ہے۔ یعنی وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

پاپائے اعظم: توبہ توبہ کیسا لغو خیال ہے تمہارا۔ اچھا تو پاک کنواری ماں حضرت مریم کے متعلق تمہارا کیا عقیدہ ہے؟

حارث: وہ نیک پارسا اور صدیقہ تھیں۔

پاپائے اعظم: ٹھیک ہے۔ انہیں کسی انسان نے تو نہیں چھوا تھا۔

حارث: نہیں۔

پاپائے اعظم: اب آئے راستی پر ان کے بطن سے جو حضرت مسیح پیدا ہوئے وہ خدا کے بیٹے ہوئے یا نہیں۔

حارث: یہی غلط فہمی یا ہٹ دھرمی ہے۔ خداوند عالم نے اپنے کلام پاک میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

ترجمہ۔ یعنی حضرت جبریل نے کہا مت خوف کھاؤ میں خدا کا بھیجا ہوا اس لئے آیا ہوں کہ تجھے ایک فرزند بخش جاؤں حضرت مریم نے کہا یہ کیسے ممکن ہے جبکہ مجھے کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔ حضرت جبریل نے کہا۔ کہ پروردگار کا یہی حکم ہے اور اس کے لئے یہ آسان ہے۔ چنانچہ حضرت جبرئیل نے ان کے قبا میں پھونک ماری اور حکم خدا سے وہ حاملہ ہو گئیں۔ یہ ہے حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا تذکرہ۔ تم بہک گئے اور انہیں خدا کا بیٹا بنا دیا۔

شرجیل: میں سنا کرتا تھا کہ مسلمان جادوگر ہیں لیکن آج خود دیکھ رہا ہوں جو عبارت تم نے پڑھی ہے وہ دل میں اترتی چلی گئی ہے۔

حارث: یہ خدائے واحد کا کلام ہے دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔

شرجیل: یہ جو کچھ بھی ہے تم اسے پڑھنا بند کر دو۔

حارث: میں تو ان سوالوں کا جواب دے رہا ہوں جو مجھ سے پوچھے گئے ہیں۔

شرجیل: اب تم سے کوئی سوال نہ کیا جائے گا۔

پاپائے اعظم: یہ خوش بیان شخص ہے۔ اگر یہ عیسائی ہو جائے تو نہایت اچھا ہو۔

شرجیل: آپ نے ٹھیک فرمایا۔ ہاں سفیر! تم عیسائی ہو جاؤ میں تمہیں اپنے پاس ملازم رکھ لوں گا۔

حارث: آپ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھوکے فاقہ مست اور خانہ بدوش ہیں اور اس لئے آپ مجھے ملازمت کا لالچ دے رہے ہیں۔

شرجیل: ہاں تم مفلس' آوارہ' وحشی اور غیر مہذب ہو۔ میں تمہیں انسان بنانے کے لئے اپنے مذہب کی دعوت دے رہا ہوں۔

حارث: لیکن آپ اس بات کو نہیں جانتے کہ ایک مسلمان ہرگز اپنا مذہب نہیں بدل سکتا۔

شرجیل: تصفیہ کرنے میں جلدی نہ کرو۔ دیکھو ان سیم تن اور خوبرو لڑکیوں کی

طرف دیکھو۔

اس نے مہ پارہ لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا۔ حارثؓ نے ان پر ایک نگاہ ڈالی۔

شرجیل نے کہنا شروع کیا۔ ان میں سے جس لڑکی کو تم پسند کرو گے اس کے ساتھ تمہارا عقد کر دیا جائے گا۔

حارثؓ: معاف کیجئے میں اس پیش کش کے قبول کرنے سے معذور ہوں شرجیل تم نہیں جانتے ہو کہ عیسائی ہونے سے تمہاری کس قدر قدرو منزلت ہو جائے گی۔

حارثؓ: آپ واقف نہیں ہیں کہ اسلام چھوڑنے سے میں دین اور دنیا میں روسیاہ ہو جاؤں گا۔

شرجیل: اگر تم نے ہمارا مذہب قبول نہ کیا تو ہم تمہیں قتل کر ڈالیں گے۔

حارثؓ: اس کا مجھے خوف نہیں ہے۔

شرجیل: شاید تم یہ سمجھ رہے ہو کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا اس لئے تمہیں بھی قتل نہ کیا جائے گا۔

حارثؓ: نہیں میں یہ نہیں سمجھ رہا۔ بلکہ جانتا ہوں کہ عیسائی کسی قاعدہ اور قانون کے پابند نہیں ہوتے۔

شرجیل: تب کیوں اپنی جان دیتے ہو۔

حارثؓ: اس لئے کہ مجھے زندگی سے زیادہ عزیز میرا مذہب ہے۔

شرجیل: نے ایک سپاہی کو اشارہ کیا وہ تلوار سونت کر حارثؓ کے قریب آگیا۔

شرجیل نے کہا۔ دیکھو تمہارے سر پر تلوار لٹک رہی ہے اب بھی عیسائی ہو جاؤ۔

حارث نے مردانہ وار کہا۔ یہ کبھی نہ ہو گا۔

شرجیل نے سپاہی کو پھر اشارہ کیا۔ اس نے تلوار کا ہاتھ مارا حارثؓ (!) کا سر کٹ کر دور جا گرا۔ مسلمان یہ خونی منظر دیکھ کر جوش و غضب سے تھرا اٹھے۔

مرۃ نے غضبناک لہجہ میں کہا ظالم اور بے رحم انسان یہ تم نے کیا کیا۔ وحشی اور خونخوار لوگ بھی سفیروں کو قتل نہیں کیا کرتے مگر تم نے..... ہاں تم نے ایک بے گناہ مسلمان کو قتل کر ڈالا۔ سفاک تاجدار تمہاری اس نازیبا حرکت نے عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان عداوت اور بے اطمینانی کی بنیاد ڈال دی ہے۔ ہم اور تم پڑوسی تھے۔ ہم میں اب تک کوئی دشمنی نہ تھی۔ لیکن اب ہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔ اور جب تک ہم دونوں میں سے کوئی ایک قوم مٹ نہ جائے گی۔ اس وقت تک یہ دشمنی برابر قائم رہے گی۔

شرجیل کو ان کی گفتگو سن سن کر جوش و طیش آ رہا تھا۔ اس نے کہا او فرومایہ عرب تو غیظ و غضب میں آ کر اپنی عقل بھی کھو بیٹھا ہے نہیں جانتا میں کون ہوں۔ اگر تیری آنکھوں پر پٹی بندھی ہے اور تو مجھے نہیں جانتا ہے تو کان کھول کر سن لے میں اس زر خیز صوبہ موتہ کا صوبہ دار ہوں۔ میری ہیبت سے گرد و نواح کے لوگ لرزتے ہیں اور میں اس عظیم الشان سلطنت سے تعلق رکھتا ہوں جس سے سلاطین عالم کانپتے ہیں۔ کیا تو نے ہرقل اعظم کا نام نہیں سنا۔ وہ ہرقل اعظم جو روم و شام کا شہنشاہ ہے جس کی حکومت ربع مسکوں پر چھائی ہوئی ہے تم بھوکے ننگے بے سرو سامان عرب ہمارے عظیم المرتبہ قیصر اور ہماری پر جلال و باسطوت سلطنت کا کیا مقابلہ کر سکو گے۔ جب بھی ذرا گردن کشی کرو گے تمہارے سروں کو کچل دیا جائے گا۔ سمجھے۔

مرۃ: خوب سمجھ گیا تمہیں اپنی شان و شوکت اپنی دولت و حکومت اپنے لشکروں کی کثرت اپنی عظیم الشان سلطنت پر فخر و غرور ہے۔ اور ہمیں خدا کی حمایت اور اس کے لطف و کرم پر اعتماد ہے۔ تم نہیں جانتے کہ ایک مسلمان کا خون کس قدر قیمتی ہوتا ہے۔ تم اہل کتاب ہو۔ خدا اور اس کے فرشتوں کے قائل ہو مسلمان کا خون فرشتوں کو بے چین کر دیتا ہے۔ اور خدا کی رحمت اور اس کے غصہ کو جوش میں لے آتا ہے۔ اب تم اپنی اس سفاکی کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے اور.....؟

ہم وہ کریں گے جسے سن کر ہی دنیا حیران رہ جائے گی۔ آج تم نے اپنی وحشیانہ اور بربرانہ حرکت سے مسلمانوں کو اعلان جنگ دے دیا ہے اس جنگ کی آگ اسی وقت سرد ہو گی جب یا تو تمہاری عظیم الشان سلطنت تباہ اور پارہ پارہ ہو جائے گی یا عرب تمہارے حلقہ بگوش ہو جائیں گے۔

شرجیل: ہم عربوں کو اپنا غلام بنا کر چھوڑیں گے۔

مرۃ: اور یا عرب تمہیں اپنا غلام بنا کر دم لیں گے۔

شرجیل: فرط غیظ و غضب سے کانپنے لگا۔ اس نے پر غضب لہجہ میں کہا۔ زبان

دراز عرب! کیوں اپنی زندگی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے۔

مرۃ: مسلمان موت سے نہیں ڈرا کرتے۔ پروردگار عالم نے ہر ذی روح کی موت کا وقت اور طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ اس میں ایک لمحہ کی بھی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ مضبوط سے مضبوط قلعوں' تہہ خانوں اور برجوں میں بند ہونے سے بھی موت نہیں رک سکتی ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے اپنے کلام پاک قرآن شریف میں فرمایا ہے۔

ترجمہ:۔ یعنی تم جہاں کہیں ہو گے موت تمہیں لے لے گی۔ خواہ تم مضبوط و مستحکم برجوں ہی میں کیوں نہ بیٹھے ہو۔

شرجیل: تب میں تمہارے قتل کا بھی حکم دیتا ہوں۔

مرۃ: ضرور دے بربرانہ مظالم اور وحشیانہ سفاکی میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔ ہم حق گو ہیں موت کے خوف سے ہماری زبان نہیں رک سکتی۔

شرجیل: نے اسی سپاہی کو کچھ اشارہ کیا جس نے ابھی حارثؓ کو شہید کیا تھا۔

ایاس نے دیکھ لیا۔ وہ بے چین ہو گئے۔ انہوں نے کہا۔ اے مغرور صوبہ دار تم نے ابھی ہمارے ایک بے گناہ ساتھی کا خون بہا دیا۔ اب دوسرے پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہو۔ کیا یہ تمہاری وہ تہذیب ہے جس پر تمہیں ناز ہے اگر تم بہادر ہو اور بہادروں کی اولاد ہو تو ہمیں آزاد کر دو ہم گنتی کے چند آدمی ہیں۔ اپنے تمام لشکر سے کہو کہ وہ ہم پر حملہ کرے۔ اس سے ایک تو تمہیں ہماری بہادری کا تجربہ ہو جائے گا۔ دوسرے تم پر بے رحمی اور سفاکی کا الزام نہ آئے گا۔

شرجیل نے ایاس کو دیکھا۔ ان کے چہرہ سے جوش و جلال ظاہر تھا۔ حور پیکر ایرینل بھی انہیں دیکھ رہی تھی۔ شرجیل نے کہا۔ اوہو تجھے بھی جوش آگیا ہے۔ کیوں نہ اس اعرابی سے پہلے تیری زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

وہ سپاہی کو کچھ حکم دینے ہی والا تھا کہ ایرینل نے نہایت شیریں لہجہ میں کہا۔۔۔۔۔

شرجیل نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کیا کہتی ہے بیٹی۔

ایرینل: کیا آپ بھول گئے کہ میں بھی یہاں موجود ہوں اور میرا دل ان خونی

مناظر کے دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتا۔

شرجیل: بے شک میں اس بات کو نظر انداز کر گیا تھا۔ نور چشمی تم اس وقت یہاں سے چلی جاؤ۔

ایرینل: مگر میرے جانے سے کیا ہو گا۔ یہاں تو اور کئی لڑکیاں بھی موجود ہیں۔

شرجیل: میں انہیں بھی ہٹا دوں گا۔

ایرینل: لیکن میری استدعا ہے کہ آپ ابھی ان عربوں کو قتل نہ کریں شرجیل تو کیا ان کی زبانوں سے اپنی اور اپنے عظیم المرتبت شہنشاہ کی اہانت سنوں۔

ایرینل: آپ ہی تو کہتے تھے کہ عرب وحشی ہوتے ہیں۔

شرجیل: یہ تو میں اب بھی کہتا ہوں۔

ایرینل: وحشی اور غیر مہذب لوگوں کی باتوں کا برا نہ مانیئے غالباً پاپائے اعظم بھی میری تائید کریں گے۔

پاپائے اعظم نے شیریں اور ایرینل کی طرف دیکھ کر کہا۔ جی تو نہیں چاہتا کہ ان عربوں پر رحم کیا جائے۔ لیکن ایرینل کی درخواست کو رد کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔ اس لئے یہی بہتر ہے کہ ابھی ان عربوں کو قید رکھا جائے۔

اس وقت ایک عجیب الخلقت شخص نمودار ہوا۔ وہ چیتے کی کھال کا تہ بند باندھے اور گلے میں ہڈیوں کی مالا پہنے تھا۔ اس کے ہاتھ میں انسان کی پنڈلی کی ہڈی تھی۔ اس کے سر کے بال لمبے لمبے اور الجھے ہوئے چہرہ وحشیوں جیسا تھا اور آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ تیزی سے قدم بڑھائے چلا آ رہا تھا۔

اسے دیکھتے ہی حور وش ایرینل اور مہ پارہ لڑکیاں سہم گئیں۔

پاپائے اعظم بھی خوفزدہ ہو گیا۔ شرجیل بھی حیران رہ گیا۔

نووارد وحشی اس جگہ آ کر رکا۔ جہاں حارث کی لاش پڑی تھی اس نے غور سے لاش کو دیکھا کچھ زیر لب بڑبڑایا۔ اور سر کو جو فاصلہ پر پڑا تھا اٹھا کر دھڑ کے ساتھ لگا دیا۔

اب وہ دو زانو ہو کر لاش پر جھک گیا اور اس لمبی ہڈی کو جو اس کے ہاتھ میں تھی لاش کی پیشانی پر رکھ کر کچھ پڑھنے لگا۔

اس وقت وہاں جتنے لوگ بھی موجود تھے سب حیرت بھری نگاہوں سے اس کی حرکتیں دیکھ رہے تھے۔ تمام لوگ اس کی شخصیت سے کچھ مرعوب نظر آنے لگے تھے کسی کو اس کے کام میں مداخلت کرنے یا اس سے کچھ کہنے کی جرات نہ ہوئی۔

چند لمحوں کے بعد وہ اٹھا۔ اور شرجیل سے مخاطب ہو کر بولا۔ میں عراف(۲) ہوں۔ اور کاہن(۳) بھی۔ میرا نام سطیح ہے ایرش کا مشہور شاگرد ہوں میرے علم نے مجھے کبھی دھوکا نہیں دیا۔ میں لوگوں کی قسمتوں کا حال بتا دیتا ہوں آج اتفاق سے یہاں نکل آیا۔ یہ اعرابی جو قتل کیا گیا ہے کسی برگزیدہ ہستی کا قاصد تھا اس کی موت نے دو قوموں کے درمیان بغض و عناد کی وہ بنیاد ڈال دی ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہے گی۔ ایسے بہت ہی کم واقعات ہوئے ہیں کہ کسی ایک شخص کے قتل سے کوئی ایسی دشمنی قائم ہو گئی ہو جو سلطنتوں اور ملکوں کو تباہ کر دے۔ قوموں اور انسانوں کو مٹا دے لیکن اس شخص کا قتل نہایت قیمتی جانوں کی قربانی لے گا۔ اور ایک دن اس عظیم الشان سلطنت کے قصر کو گرا دے گا جس کے افراد نے اسے قتل کیا ہے۔ کاش میں تھوڑی دیر پہلے آ جاتا۔ اسے کس نے قتل کیا ہے۔

مرۃ نے شرجیل کی طرف اشارہ کر کے کہا اس وحشی نے۔

سطیح نے شرجیل کی طرف گھورتی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔ کچھ وقفہ کے بعد بولا۔ اس نے قتل نہیں۔ البتہ اس کے حکم سے قتل کیا گیا ہے اس نے نہ صرف اپنے خاندان بلکہ اپنی قوم کو تباہ کر ڈالا۔ اب اس سرزمین میں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ اس کا شہنشاہ' دولت لشکر' حکومت اور تخت و تاج چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔ مجھے یہ قدرت ہے کہ میں وہ ہولناک انجام دکھا دوں جو پیش آنے والا ہے۔ لیکن مجھے ایک ضروری کام ہے دو معصوم ہستیوں کی مدد کرنے جاتا ہے اس لئے مجبور ہوں یہ زمین آگ اگلنے لگی ہے۔ اس پہاڑی کے پتھر الٹ دیے جائیں گے۔ انسانوں کا خون ہی اس تپش کو سرد کرے گا۔ بھاگ جاؤ۔ یہاں سے بھاگ جاؤ۔

یہ کہتے ہی وہ تیزی سے بھاگا۔ جیسے اس پر کوئی حملہ کر رہا ہو۔ شرجیل پاپائے اعظم اور دوسرے لوگ حیرت و استعجاب سے دیکھتے رہ گئے ان پر خوف طاری ہو گیا۔ وہ دیکھ رہے تھے۔ سطیح کو بھاگتا ہوا اس کے الجھے ہوئے بال اور چیتے کی کھال کا

بند لہرا رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اونچی چٹانوں کے پیچھے جا کر غائب ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد ان لوگوں کے حواس درست ہوئے۔ شرجیل نے پری جمال ایزبیل کی طرف دیکھا اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ آنکھیں بند ہوئی جاتی تھیں اس نے جلدی سے اٹھ کر اسے سنبھالا مگر اس وقت وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ پاپائے اعظم اٹھ کر اس کے پاس آیا اور دعائیں دم کرنے لگا سیم تن لڑکیاں جھپٹ کر آئیں اور اسے ہوا دینے لگیں۔ شرجیل نے کہا ان عربوں کو لے جاؤ۔

نوزر اپنے سپاہیوں کی حراست میں عربوں کو لے کر چلا گیا۔ شرجیل اور پاپائے اعظم ماہوش ایزبیل کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔

(۱) از تاریخ ابن خلدون جلد سوم صفحہ نمبر ۱۵۳

(۲) عراف۔ اسے کہتے ہیں جو اسرار کے جاننے اور غیب کی خبروں پر اطلاع رکھنے کے مدعی ہو

(۳) کاہن وہ کہلاتا ہے جو غیب دان ہوتا ہے اور گذشتہ خبریں دیتا ہے۔

باب نمبر۴

رات کا خوفناک سفر

رقیہ اور صبیحہ دونوں دوڑی چلی گئیں وہ اپنی قوت سے زیادہ دوڑ رہی تھیں۔ صبیحہ تو نوخیز و نو عمر تھی لیکن رقیہ کی عمر ڈھل چکی تھی۔ مگر پھر بھی وہ صبیحہ کے ساتھ ہی ساتھ بھاگ رہی تھی۔

زیادہ دور بھاگنے سے دونوں کی سانس پھول گئیں۔ لیکن گرفتاری کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ اس لئے گرتی پڑتی دوڑی چلی جا رہی تھیں۔

جب وہ پتھر اور درختوں کے جھنڈ میں پہنچ گئیں تو رقیہ اس قدر تھک چکی تھی کہ اس سے چلنا تو کجا کھڑا رہنا بھی دشوار ہو گیا۔ وہ ایک پتھر پر بیٹھ کر ہانپنے لگی۔

صبیحہ اس کے پاس کھڑی ہو گئی وہ بھی زور زور سے سانس لے رہی تھی۔

کچھ وقفہ کے بعد صبیحہ نے کہا۔ امی! اب ہم کیا کریں گے۔

رقیہ کی سانس قدرے درست ہو چکی تھی۔ اس نے کہا۔ گھبراؤ نہیں بیٹی خدا ہماری مدد کرے گا۔

صبیحہ: لیکن ابا بھائی اور دوسرے ان مسلمانوں کا کیا حشر ہو گا جنہیں وحشی عیسائیوں نے گرفتار کر لیا ہے۔

رقیہ: خدا ان کی بھی حفاظت کرے گا بیٹی۔

صبیحہ: کس قدر درندے ہیں یہ عیسائی۔

رقیہ: ان کا تاجدار بد قماش اور اوباش ہے۔

صبیحہ: میں دیکھوں امی کہ عیسائی کیا کر رہے ہیں۔

رقیہ: وہ ضرور ہماری تلاش کریں گے لیکن ہمیں دیکھنا ضرور چاہئے دونوں اٹھ کر چھوٹے چھوٹے درختوں کے پیچھے چھپ کر اس طرف جھانکنے لگیں۔ جس طرف

ان کے خیمے اور عیسائی تھے۔

دودھیا چاندنی بکھری ہوئی تھی۔ دور تک کی چیزیں صاف نظر آ رہی تھیں۔

انہوں نے دیکھا کہ عیسائی ان کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

رقیہ نے کہا صبیحہ اب یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں چلو اگر ممکن ہو تو کسی طرف نکل چلیں۔

صبیحہ: چلئے دیکھئے چند عیسائی اسی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ دونوں کمین گاہ سے نکل کر چلیں اور ایک ناہموار راستہ پر ہو لیں۔

رات کا وقت تھا اور خطرناک پہاڑی مقام' قدم قدم پر طرح طرح کے خطرے تھے۔ ایسے وقت میں اچھے خاصے مضبوط دل مرد کو بھی خوف لاحق ہو جاتا لیکن یہ دونوں ماں بیٹی جو صنف نازک تھیں بڑھی چلی جا رہی تھیں چونکہ تعاقب اور گرفتاری کا خوف تھا اس لئے کسی خوف یا خطرہ کو خاطر میں نہ لائی تھیں۔ اس فکر میں تھیں کہ جس قدر بھی ممکن ہو اس مقام سے دور نکل جائیں۔

سنگریزے' درختوں کے جھنڈ' اور چٹانیں ان کے سد راہ ہوتی تھیں مگر وہ ان سے بچتی ہوئی تیز قدمی سے چلی جا رہی تھیں۔ چاند گویا ان کے پیچھے لگا ہوا تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہو گا کہ وہ مشعل راہ بنا ہوا تھا۔ عرصہ تک دونوں چلتی رہیں۔ کئی مرتبہ تو کسی غار میں گرتے گرتے سنبھلیں رقیہ نے صبیحہ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک سطح چٹان پر جا نکلیں چونکہ تھک گئی تھیں اس لئے وہاں دم لینے کے لئے بیٹھ گئیں۔ کچھ وقفہ کے بعد صبیحہ نے کہا امی اس غیر ملک اور غیر لوگوں میں ہم کب تک اس طرح بھٹکتی رہیں گی۔

رقیہ: جب تک ہمارے پیروں میں طاقت باقی ہے۔

صبیحہ: مجھے رہ رہ کر ان مسلمانوں کا خیال آ رہا ہے۔ جنہیں عیسائیوں نے گرفتار کر لیا ہے۔ کیسے انہیں رہائی ملے گی۔

رقیہ: اگر کسی طرح ہم اپنے وطن پہنچ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جائیں تو ان بے گناہوں کی خلاصی کی کوئی تدبیر نکل سکے۔

صبیحہ: لیکن امی ہم ان راستوں سے ناواقف ہیں۔ صحرائے شام کو کیسے عبور کر

سکیں گے۔

رقیہ: ہمیں خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ وہی رہنمائی اور مدد کرے گا صبیحہ کاش ابا جان یہاں نہ ٹھہرتے۔

رقیہ: یہ کسے معلوم تھا بہن کہ عیسائی اچانک دشمنی پر آمادہ ہو جائیں گے۔ ورنہ مسلمان ان کے ملک میں تجارت کرنے آتے ہی کیوں۔

صبیحہ: نہ معلوم اس وقت کتنی رات جا چکی ہے۔

رقیہ: خدا ہی کو خبر ہے لیکن اس وقت جو سکون چھایا ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ثلث رات گذر گئی ہے۔

صبیحہ: تو کیا بہن رات اسی چٹان پر بسر کرنے کا ارادہ ہے۔

رقیہ: نہیں ابھی ہم خطرہ سے باہر نہیں نکلے ہیں۔ آؤ اور آگے چلیں دونوں پھر چل پڑیں۔ کچھ دور چل کر درختوں کی قطاریں شروع ہو گئیں۔ انہوں نے جب نگاہ کی تو تاریک جنگل نظر آیا۔ درخت ادھر ادھر دور دور تک پھیلے چلے گئے تھے۔

نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ان درختوں کے جھنڈوں میں کتنے درندے اور گزندے چھپے ہوئے تھے مگر انہوں نے کسی خوف کو دل میں جگہ نہ دی اور نہایت دلیری سے درختوں کی شاخیں ہٹا کر اندر گھس گئیں۔

ان درختوں کی قطاروں میں گھستے ہی وہ ایسے اندھیرے میں پہنچ گئیں جہاں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر بھی کچھ نظر نہ آتا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور قدم قدم چلنے لگیں۔

صبیحہ نے کہا کس غضب کا اندھیرا ہے امی جان۔

رقیہ نے جواب دیا ہاں قبر کی سی تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔

صبیحہ: اف قبر کی سی تاریکی کیا قبر میں ایسا اندھیرا دیکھ کر طبیعت نہ گھبرائے گی۔

رقیہ: میری بچی کیا تو نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا۔ نمازی کی قبر میں روشنی رہے گی جو لوگ خدا اور اس کے رسول صلعم کی اطاعت کرتے رہیں گے۔ نماز پڑھیں گے۔ روزے رکھیں گے۔ زکواۃ دیں گے حج کریں گے

اور کلام اللہ شریف کی تلاوت کرتے رہیں گے ان کی قبریں منور ہوں گی اور اس قدر کشادہ ہو جائیں گی کہ انہیں وہاں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو گی لیکن جو گناہ کریں گے نماز نہ پڑھیں گے جوا کھیلیں گے۔ شراب پئیں گے۔ زنا کریں گے جھوٹ بولیں گے۔ غرض جو خدا کی نافرمانی کریں گے۔ ان کی قبریں تاریک ہوں گی اور اس قدر تنگ ہو جائیں گی کہ ہڈیاں اور پسلیاں چرچرانے لگیں گی۔ صبیحہ خدا کی پناہ۔

رقیہ: ایک روز میں نے آنحضورؐ سے سنا تھا۔ حضور فرما رہے تھے کہ جو مسلمان دنیا میں شراب پئے گا وہ حوض کوثر کے پانی سے محروم رہے گا۔ جو نماز نہ پڑھے گا اس کی قبر تاریک اور تنگ ہو جائے گی اور حشر کے روز آفتاب کی تمازت سے اسے بہت زیادہ تکلیف پہنچے گی جو زکواۃ نہ دے گا اس کا مال و زر سانپ اور بچھو بن کر دوزخ میں اس سے لپٹیں گے اور جو دنیا میں اہل ثروت ہوتے ہوئے مسکینوں غریبوں اور یتیموں پر رحم نہ کرے گا قیامت کے روز خدا اس پر رحم نہ کرے گا۔

صبیحہ: لیکن مسلمان خدا کی نافرمانی کریں گے ہی کیوں۔

رقیہ: بے شک جو مسلمان ہو گا وہ کبھی اس کی نافرمانی نہ کرے گا۔

اسی وقت رقیہ کی زبان سے چیخ نکل گئی۔ اور وہ کسی کھڈ یا غار میں گرنے لگی۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ صبیحہ نے اس کا ہاتھ مضبوط پکڑ رکھا تھا اس نے اسے سنبھالا۔ رقیہ نے بھی جلدی سے دوسرے ہاتھ سے درختوں کی شاخیں پکڑ لیں۔ اس کے پیروں کے نیچے سے ایک بڑا پتھر کھسک کر پھسل گیا اور بڑی مشکل سے صبیحہ کے کھینچنے سے غار میں گرنے سے بچی۔

اندھیرے میں یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ غار کس قدر گہرا تھا لیکن پتھر کے لڑھکنے کی آواز دیر تک آتی رہی۔ رقیہ کانپ گئی اس نے کہا خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے بچا لیا۔

اب دونوں ذرا احتیاط سے سامنے کی طرف دیکھتی ہوئی چلیں کچھ دور چل کر درختوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور وہ پھر ایک مرتبہ پہاڑوں کے کھلے ہوئے حصہ میں نکل آئیں۔ یہاں چاندنی پھیلی ہوئی تھی اور ہر چیز سفید چاندنی میں جگمگا رہی تھی۔

اس وقت یہ دونوں بہت زیادہ تھک گئی تھیں۔ مگر اب بھی انہیں تعاقب کا

خوف اور گرفتاری کا اندیشہ تھا۔ اس لئے تھکنے پر بھی بڑھی جا رہی تھیں کچھ دور چل کر انھیں پھر درختوں کی ایک قطار نظر آئی وہ اس میں گھس گئیں چند ہی قدم چلی تھیں کہ ذرا فاصلہ پر ایک چراغ ٹمٹماتا نظر آیا۔ صبیحہ نے کہا امی جان! نہ معلوم یہ چراغ کہاں جل رہا ہے۔

رقیہ نہیں کہا جا سکتا مگر اس پہاڑی پر اور آدھی رات کے وقت چراغ کا جلنا بھی تعجب خیز بات ہے۔

صبیحہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ کپڑوں کی سرسراہٹ کی آواز آئی۔ رقیہ نے جلدی سے ہاتھ کا اشارہ کر کے اسے چپ رہنے کی ہدایت کی دونوں دم بخود ہو گئیں اور ان کے نازک دل دھڑکنے لگے۔

انھوں نے ایک آہ کی آواز سنی نہایت دردناک آواز تھی دونوں کچھ بے چین ہو گئیں۔ فوراً ہی کسی شیر خوار بچے کی آواز نے بلند ہو کر خاموش فضا کو درہم برہم کر دیا۔

صبیحہ نے سرگوشی کے لہجہ میں کہا۔ کوئی بے کس عورت معلوم ہوتی ہے! رقیہ نے آہستہ سے جواب دیا ہاں۔

اب کسی کی آواز بلند ہوئی۔ آخر تم کیوں مجھے اپنی خانقاہ میں نہیں رکھ لیتے ہو۔

اس آواز کا لہجہ زنانہ تھا کسی مرد نے کہا۔ اس لئے کہ تمہارے بچہ پیدا ہو چکا ہے۔ لوگ تمہیں اور تمہارے بچے کو دیکھ کر مجھ پر شک کریں گے اس سے میرے تقدس میں فرق آ جائے گا۔

عورت: آخر پھر میں کیا کروں۔

مرد: میں تمہیں گذارہ کے لئے روپیہ دیتا ہی رہتا ہوں اور [redacted] کیا چاہیے۔

عورت: مگر مجھ سے [redacted] لوگ اس بچے کے متعلق [redacted] ہیں انھیں کیا جواب دوں۔

مرد: میں کیا بتاؤں۔

عورت: کیا تم بیوفائی پر آمادہ ہو۔ کیا تم نے مجھے اپنے پاس اپنی خانقاہ میں رکھنے

کا وعدہ نہ کیا تھا۔

مرد: سچ تو یہ ہے کہ اس وقت میں اندھا ہو گیا تھا۔ اس وعدہ کو بھول جاؤ۔

عورت نے غصہ میں آ کر کہا۔ خود غرض اور دغا باز انسان۔

مرد نے روکھے پن سے کہا اب جوش اور غصہ سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔

عورت: میں اس بچے کو غار میں پھینک دوں گی۔

مرد: ضرور پھینک دو۔ یہ ننھی سی جان ہی ہمارے اور تمہارے گناہوں کی یادگار اور ہم دونوں کی رسوائی کا باعث ہے۔ اسے ضائع کر دو۔

عورت: مگر میں تم جیسی سنگدل نہیں بن سکتی۔

مرد: تب مجھ سے دور رہو۔ اور خانقاہ میں آنے کا کبھی ارادہ نہ کرنا یہ کہتے ہی مرد چلا گیا۔ عورت سسکیاں بھرنے لگی۔ صبیحہ اس قدر بھولی اور نا سمجھ تھی کہ وہ ان دونوں کی گفتگو کا مفہوم ہی نہ سمجھ سکی۔ لیکن رقیہ سب کچھ سمجھ گئی۔ اس نے آہستہ سے کہا چلو یہاں سے بیٹی۔

دونوں پھر چل پڑیں۔ چونکہ اب رات زیادہ آ گئی تھی کچھ تو تکان کی وجہ سے کچھ رات زیادہ آ جانے سے دونوں پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور دونوں ایک صاف سی چٹان پر پڑ کر سو گئیں جب اٹھیں تو دن چڑھ آیا تھا۔

دھوپ پہاڑ پر پھیل گئی تھی اور ان کے سامنے ایک پادری کھڑا انھیں غور سے دیکھ رہا تھا خصوصاً اس کی نگاہ صبیحہ کے دلفریب چہرہ پر جمی ہوئی تھی۔

دونوں اس پادری کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئیں اور جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

باب نمبر ۵

بت طناز

بڑی دیر میں جوروش ایرینل کو ہوش آیا۔ اس نے اپنی دلفریب آنکھیں کھول دیں اور ہوشربا نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔

پاپائے اعظم نے تسلی دہ لہجہ میں کہا۔ بیٹی گھبراؤ نہیں۔ تمہیں نظر لگ گئی ہے شاید اس وحشی کی جو اپنے آپ کو عراف اور کاہن کہتا تھا۔ میں اسی وقت کھٹکا تھا جب وہ گھور گھور کر تیری طرف دیکھ رہا تھا۔

ایرینل کی نگاہیں سہمی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی چیز سے خوفزدہ ہے۔ شرجیل نے کہا۔ ایرینل ایرینل! تو اتنا کیوں ڈر رہی ہے کس کا خوف تیرے دل پر بیٹھ گیا ہے۔

ایرینل نے اپنی قوت رفتہ کو جمع کر کے نحیف آواز میں کہا۔

مسلمان کہاں گئے۔

پاپائے اعظم نے جلدی سے کہا۔ اوہ میرا خیال غلط نکلا اس پر کسی مسلمان نے جادو کر دیا ہے۔

شرجیل بیٹی میں انہیں حراست میں رکھے جانے کا حکم دے دیا ہے کیا بلواؤں؟

ایرینل نہیں

پاپائے اعظم: نہ نہ انہیں نہ بلوایئے گا۔

شرجیل: بیٹی اگر کہو تو میں تمہیں تمہارے خیمہ میں پہنچا دوں۔

ایرینل نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ میں خود چلی جاؤں گی۔

پاپائے اعظم نے اس کے نرم و گداز سینہ پر ہاتھ رکھ کر لیٹے رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ابھی اٹھو مت ایرینل تم کمزور ہو۔ پڑی رہو دیکھو تمہارا چہرہ سفید ہو رہا

ہے تھوڑی سی شراب......

ایرینل نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ میں شراب نہیں پیتی۔

پاپائے اعظم نے شرجیل کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ تب طبیب کو بلوایئے۔

شرجیل: اوہ یہ تو میں بھول ہی گیا تھا (لڑکیوں سے مخاطب ہو کر) دیکھو جلد طبیب کو بلواؤ۔

فوراً دو لڑکیاں دوڑ گئیں اور بہت جلد طبیب کو اپنے ساتھ لے کر حاضر ہوئیں۔ طبیب نے ایرینل کو اچھی طرح دیکھا۔ اور کچھ وقفہ کے بعد کہا۔ کوئی خاص مرض نہیں ہے۔ کسی بات کا دل پر اثر ہوا ہے جس سے دل کمزور ہو گیا ہے میں دوا دیتا ہوں۔ بہت جلد طبیعت شگفتہ ہو جائے گی۔

وہ اپنے ساتھ ایک چھوٹا سا چاندی کا بکس لایا تھا۔ اس نے اسے کھولا اور ایک چاندی کی پیالی میں دوا لے کر ایرینل کو پلائی۔

دوا پینے کے چند ہی لمحے بعد اس کی طبیعت سنبھلنے لگی۔ سفید چہرہ پر سرخی دوڑ گئی۔ ہوشربا آنکھوں میں سحر خیز چمک پیدا ہو گئی۔ لبوں کی پھیکی رنگت تیز ہو گئی۔

اب وہ اٹھ بیٹھی۔ شرجیل اور پاپائے اعظم صوفوں پر بیٹھ گئے اور ایرینل کی طرف سے اطمینان ہو جانے پر دونوں نے ایک ایک جام شراب کا پی ڈالا۔

شرجیل کا ارادہ تھا کہ آج ہی موتہ واپس لوٹ جائے لیکن ایک تو ایرینل کی طبیعت خراب ہو جانے کی وجہ سے دوسرے صہیبہ کو تلاش کرنے کی غرض سے وہ رک گیا۔ اور اس نے دس دس سپاہیوں کے دس دستے صہیبہ اور رقیہ کی تلاش میں روانہ کر دیئے۔

جب ایرینل کی طبیعت بالکل درست ہو گئی تو اس نے شرجیل سے پوچھا اب آپ عرب قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

شرجیل نے جواب دیا تو یہ کیوں پوچھتی ہے ایرینل۔

ایرینل: آپ نے وحشی عراف کی پیشن گوئی سنی ہے۔

شرجیل: سنی ہے مگر اس نے قیدی عربوں کے متعلق کچھ نہیں کہا۔

ایرینل: اس سے پوچھا نہیں گیا ورنہ وہ بتا دیتا۔

یلیائے اعظم: مگر اس کی بات کا کیا اعتبار کیا جائے ایزبل۔

ایزبل: میرا دل گواہی دیتا ہے وہ ضرور آئندہ کی خبریں جانتا ہے۔ شرجیل تجھے معلوم نہیں یہ عرب بڑے مغرور اور سرکش ہوتے ہیں۔ خصوصاً جب سے وہ مسلمان ہو گئے ہیں اس وقت سے اور بھی بیباک اور نڈر بن گئے۔ میں چاہتا ہوں کہ جس قدر عرب میرے ہاتھ میں آ جائیں میں انہیں قتل کر دوں تاکہ دوسرے عربوں پر میرا رعب و خوف چھا جائے۔

ایزبل: نہیں نہیں آپ کے اس فعل سے عربوں کے دلوں میں آپ کی طرف سے نفرت و عداوت کے جذبات پیدا ہو جائیں گے۔

شرجیل نے ہنستے ہوئے کہا۔ ہونے دو۔ کیا ان سے ہمیں ڈر جانا چاہئے ایزبل لیکن بلا وجہ دشمنی مول لینے سے فائدہ۔

شرجیل: یہ بلا وجہ نہیں ہے۔ ان پر رعب بٹھانا ہے۔

ایزبل: خاموش ہو گئی اور کچھ دیر کے بعد اٹھ کر اپنے خیمہ میں چلی گئی۔

شرجیل: یا تو شراب کے دور اڑاتا رہا یا کھانے پینے میں مصروف رہا شام کے وقت اس کے وہ سپاہی جو صبیحہ اور رقیہ کو تلاش کرنے گئے تھے بے نیل و مرام واپس آئے۔ اور ہر وحنا نے اپنی تلاش و تجسس کی داستان سنا دی۔

رات کو کیمپ میں روشنی کر دی گئی ایک تو چاندنی رات تھی دوسرے روشنی کافی کی گئی اس لئے تمام کیمپ چمک اٹھا۔

لوزر نے صبح کے وقت تو مسلمان قیدیوں کو نہ کھانا کھلایا نہ پانی دیا البتہ شام کو تھوڑا سا کھانا اور پانی دے دیا گیا اور چار گھڑی رات گئے انہیں علیحدہ علیحدہ چھولداریوں میں بند کر دیا گیا۔ اور ان کے ہاتھ پیر اس طرح مضبوطی سے باندھ دیئے گئے کہ وہ بھاگنا تو کیا حرکت بھی نہ کر سکیں اس پر بھی مزید احتیاط کے طور پر چھولداری کے سامنے پہرہ بھی مقرر کر دیا۔

ایاس کو کافی رات ہو جانے پر بھی نیند نہ آئی۔ انہیں رہ رہ کر حارث کے بیگناہ قتل کئے جانے کا خیال آ آ کر ستا رہا تھا۔

وہ خود قید تھے اور صبیحہ ان کی بہن اور رقیہ ان کی والدہ رات سے لاپتہ ہو گئی

تھیں۔ ان دونوں کا بھی انہیں خیال ستا رہا تھا۔

انہیں غم و افکار میں ہچکولے کھاتے ہوئے تقریباً نصف رات آ گئی کیمپ کے تمام سپاہی اس وقت سو گئے کائنات خاموش ہو گئی رات کا قدرتی سکوت ہر طرف چھا گیا۔

چھولداری میں اندھیرا تھا اور وہ اندھیرے میں پڑے جاگ رہے تھے چاہتے کہ نیند آ جائے لیکن نہ آتی تھی۔

نیند آنے کے لئے بھی سکون قلب کی ضرورت ہے جب انسان کو انتشار و اضطراب ہوتا ہے تو نیند نہیں آیا کرتی۔

چنانچہ جب بھی انہیں نیند کا جھونکا آتا کسی نہ کسی خیال سے دل پر چوٹ لگتا اور وہ بے چین ہو کر آنکھیں کھول دیتے۔ وہ اس کشمکش میں مبتلا تھے کہ چھولداری کے باہر کچھ کھٹکا ہوا۔

مگر انہوں نے اس کھٹکے پر اس وجہ سے توجہ نہ کی کہ انہیں معلوم تھا کہ قیدیوں کی نگرانی پر کچھ سپاہی مامور ہیں۔ انہوں نے سمجھا کوئی سپاہی کسی طرف جا رہا ہے۔

انہوں نے پھر سونے کی کوشش کی اور اس مرتبہ کسی قدر اپنی سعی میں کامیاب بھی ہو گئے تھے کہ پھر کھٹکا ہوا۔ اور پھر ان کی آنکھ کھل گئی۔

انہیں ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی دبے قدموں آ رہا ہو انہوں نے خیال کیا کہ شاید شرجیل نے کسی کو ان کے قتل پر مامور کیا ہے اور قاتل آہستگی سے اس لئے آ رہا ہے تاکہ سوتے میں میرا کام تمام کر دے۔

وہ بندھے ہوئے تھے اور اس بری طرح سے کہ حرکت بھی نہ کر سکتے تھے انہوں نے دعا مانگی کہ پروردگار عالم مجھے اس وقت تک کے لئے زندہ رکھ جب تک میں ان وحشی عیسائیوں سے ایک بے گناہ مسلمان کے خون کا انتقام نہ لے لوں۔

ابھی وہ دعا مانگ ہی رہے تھے کہ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے خنجر سے چھولداری کا کپڑا چاک کیا ہو۔ اس سے انہیں تعجب ہوا کیونکہ قتل کرنے والا چھولداری کے دروازہ سے آتا اور دروازہ کی ڈوریں کسی ہوئی تھیں جنہیں وہ آسانی سے کھول سکتا تھا۔ کپڑا چاک کرنے کی کیا ضرورت تھی ابھی وہ اسی سوچ و پیچ میں تھے

کہ پشت کی طرف سے روشنی نمودار ہوئی وہ متعجب ہو کر اس طرف دیکھنے لگے۔ ان کا خیال صحیح تھا۔ کسی نے پشت کی طرف سے چھولداری کا دبیز پردہ چاک کیا اور روشنی لئے آ رہا تھا۔

اب انہیں خیال ہوا کہ شاید کوئی مسلمان کسی طرح سے رہا ہو گیا ہے اور وہ انہیں رہائی دلانے کے لئے آیا ہے۔ اس سے ان کے دل میں شعاعِ امید چمکی لیکن وہ فوراً ہی اس خیال سے ہٹ گئی کہ مسلمان کے پاس روشنی کہاں سے آئی۔

روشنی چاک شدہ جگہ سے آ آ کر اندر پڑ رہی تھی۔ یہ روشنی چاند کی نہ تھی بلکہ کسی شمع کی تھی۔

وہ ٹکٹکی لگا کر اس طرف دیکھنے لگے ان کے دیکھتے ہی دیکھتے کپڑا ہٹا اور کوئی روشنی لے کر چھولداری میں داخل ہوا۔ ایاس نے غور سے آنے والے کو دیکھا۔ انہوں نے اسے پہچان لیا۔ وہ ایجنل تھی۔ وہی ایجنل جس نے ان کے سامنے عربوں کی جان بخشی کی اپنے باپ سے سفارش کی تھی۔

قریب تھا کہ وہ کوئی کلمہ حیرت زبان سے نکالیں کہ ایجنل نے انگشت شہادت اپنے لبوں پر رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور وہ چپ ہو کر اس بت طناز کو دیکھنے لگے۔

باب نمبر ۶

رہائی

ایجنل آہستہ آہستہ ان کے قریب آئی اور روشن بتی ایک طرف رکھ کر اس نے اپنے کپڑوں میں سے خنجر نکالا۔ اور اس سے ایاس کی بندشیں کاٹ دیں۔

ایاس اس کی حرکتیں بڑی حیرت سے دیکھ رہے تھے جب وہ کچھ بولنا چاہتے فوراً ہی حور جمال ایجنل اپنے نازک لبوں پر اپنی انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کر دیتی اور وہ چپ رہ جاتے۔

مگر اس نازنین کے لئے جو جذبہ تشکر ان کے دل میں پیدا ہو گیا تھا وہ ان کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا۔

کبھی کبھی ایجنل ان کی آنکھوں کی طرف دیکھ کر تبسم کے پھول برسانے لگتی تھی۔

وہ ایاس کے اوپر اس قدر جھکی ہوئی تھی کہ اس کے عطر آگیں لباس کی خوشبو اور اس کے سانس کی مہک ان کی ناک میں پہنچ رہی تھی۔

تھوڑی دیر میں ایجنل نے ان کے بند کاٹ دیئے اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئے چونکہ وہ اس کے بہت زیادہ شکر گزار تھے اس لئے اب اظہار تشکر کئے بغیر نہ رہ سکے انہوں نے آہستگی سے کہا۔ حور وش شاہزادی میں تمہاری اس بے پایاں عنایت کا بے حد مشکور ہوں۔

ایجنل نے نہایت آہستگی مگر شیریں لہجہ میں کہا۔ بالکل خاموش رہئے ساتھ ہی وہ اٹھی۔ بتی کو گل کر کے ہاتھ میں لیا اور ایاس کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے چل پڑی۔

ایاس بھی چپ چاپ اس کے پیچھے ہو لئے۔ دونوں نہایت آہستگی سے

چھولداری کے باہر نکلے اور بڑی احتیاط سے اس مستقر کو طے کرنے لگے جس کے دونوں طرف چھولداریاں اور خیمے نصب تھے۔

اس وقت چاند نصف الکل پر تھا۔ نکھری ہوئی چاندنی ہر طرف پھیل رہی تھی جس قطعہ لشکر گاہ کو یہ دونوں عبور کر رہے تھے وہ بارہ یا چودہ فٹ چوڑا تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے اس طرف ان کی پشتیں تھیں کسی کا دروازہ نہ تھا اس لئے اس جانب کوئی سپاہی نہ تھا۔

ان دونوں نے نہایت خاموشی اور احتیاط سے اس لمبی سنتر کو طے کیا اور اب وہ ایک اونچی چٹان کے نیچے پہنچ کر رک گئے۔

چونکہ اب وہ لشکر سے باہر نکل آئے تھے اس لئے قدرے بے خوف ہو گئے تھے یہاں پہنچ کر ایاس نے ایزبل کی طرف دیکھا وہ سفید چاندنی میں نہا رہی تھی اس وقت اس نے سفید ہی لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ سفید فام حور معلوم ہو رہی تھی۔

ایاس نے اس کے رخ روشن پر نظر ڈال کر کہنا شروع کیا۔ میں تمہارا اس درجہ مشکور ہوں کہ۔

ایزبل نے قطع کلام کر کے کہا میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا نام کیا ہے نوجوان اعرابی۔

ایاس کو اس کا موسیقی نواز لہجہ سن کر ایسا معلوم ہوا جیسے فضا میں کسی نغمہ کا ترنم بکھر گیا۔ اس نے کہا۔ میرا نام ایاس ہے۔

ایزبل: ایاس! تم اس وقت آزاد ہو گئے ہو.....

ایاس نے قطع کلام کر کے مشکورانہ نظروں سے اس بت طناز کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اور یہ آزادی مجھے تمہاری بدولت نصیب ہوئی ہے میں جس قدر بھی تمہارا شکریہ۔

ایزبل: شرمیلی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ تم بار بار میرا شکریہ کیوں ادا کرتے ہو۔

ایاس: اس لئے کہ تم نے ایک مجبور و بے کس پر ترس کھایا ہے۔ ایزبل نے افسردگی لہجہ میں کہا ترس..... ہاں ایاس مجھے تم سے ہمدردی ہو گئی تھی۔

ایاس: کیا میں اپنی محسنہ کا نام دریافت کر سکتا ہوں۔

ایزبل: میرا نام دریافت کر کے کیا کرو گے۔

ایاس میں تمہیں یاد رکھوں گا۔

ایزبل کے چہرہ پر سرخی بکھر گئی۔ آنکھوں سے نہایت تیز چمک خارج ہوئی اس نے مسرت بھرے لہجہ میں دریافت کیا۔ تم مجھے یاد رکھو گے؟ ایاس ہاں میں تمہارا نام لے کر بتاؤں گا کہ کس نے مجھ پر مہربانی کی تھی۔

ایزبل: اوہ اس طرح تو تم مجھے بدنام کر دو گے۔

ایاس: بدنام نہیں تمہارا نام ہو جائے گا۔ ہر مسلمان تم سے ہمدردی کرے گا اور جب مقتول حارث کی شہادت کا انتقام لینے کے لئے مسلمانوں کے لشکر اس ملک میں آئیں گے تو ہر سپاہی کو تمہاری اس لئے تلاش و جستجو ہو گی کہ ایام جنگ میں تمہیں کسی قسم کا گزند نہ پہنچ جائے۔

ایزبل: کیا مسلمان اس قاصد کا انتقام لینے کے لئے ہمارے ملک پر حملہ کریں گے۔

ایاس: یقیناً مسلمان اپنے بے گناہ مسلمان بھائی کا انتقام لینے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کر دیں گے۔

ایزبل: لیکن تم نہیں جانتے کہ ہرقل اعظم کی سلطنت کس قدر وسیع اور عظیم الشان ہے۔ اس کے کوہ پیکر لشکروں کی ایک ہی ٹکر تمہاری جمعیت کو پارہ پارہ کر دے گی۔

ایاس: بہت جلد دنیا کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ حجاز پامال ہوتا ہے یا رومی (عیسائی) حکومت کا تختہ الٹا جاتا ہے۔

ایزبل: اچھا ہوتا کہ یہ جنگ نہ ہوتی۔

ایاس: لیکن میرے اور تمہارے بس میں یہ بات نہیں ہے کہ اس ہولناک جنگ کو روک دیں۔ یہ شاید تم جانتی ہو گی کہ آج تک کسی وحشی سے وحشی قوم نے بھی قاصد کو قتل نہیں کیا مگر رومی حکومت نے یہ مذموم حرکت کر کے عربوں اور عیسائیوں میں ایک ایسا فتنہ کھڑا کر دیا اور بغض و عناد کی ایسی چنگاری ڈال دی ہے جس

کی آگ اس وقت تک بھڑکتی رہے گی جب تک دونوں میں سے ایک قوم بالکل برباد نہ ہو جائے۔

ایرنیل: اچھا اب تم کیا کرو گے ایاس۔

ایاس: میں اپنی قوم میں واپس جا کر اس غم ربا واقعہ کی اطلاع دوں گا اور مجھے یقین ہے کہ مسلمان اس واقعہ ہائلہ کو سنتے ہی پیکر انتقام بن کر اس ملک میں آ دھمکیں گے۔

ایرنیل: تو کیا وحشی عراف کی پیشین گوئی پوری ہو گی۔

ایاس: مسلمان ان باتوں کو نہیں مانتے غیب کا حال سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ لیکن قیاس یہی کہتا ہے کہ اس سرزمین میں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔

ایرنیل: کیا مسلمانوں کو سمجھا کر خونریزی سے باز نہیں رکھ سکتے! ایاس معاف کیجئے یہ معاملہ ایک بے گناہ مسلمان کے خون کا انتقام اور میری قوم کے وقار کا ہے۔

ایرنیل: تب تم بڑے سنگدل ہو ایاس۔

ایاس: مسلمانوں سے زیادہ نرم دل رحیم طبیعت کرم گستر اور درگذر کرنے والا تم کسی دوسری قوم کو نہ پاؤ گی۔ لیکن جب کسی مسلمان کو ستایا جاتا ہے تو تمام مسلمانوں کے دلوں میں جوش و غضب کا طوفان امنڈ آتا ہے۔

ایرنیل اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں ہمدردی اخوت اور محبت بہت زیادہ ہے۔

ایاس: بے شک ہمیں یہ فخر ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ کسی قوم میں بھی اخوت و محبت نہیں ہے اور یہ اس لئے ہے کہ خدا کے محبوب رسول صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کل مومن اخوۃ۔ یعنی سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ حضورؐ کے اس ارشاد نے مسلمانوں میں بھائیوں سے زیادہ محبت اور اخوت پیدا کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی ایک مسلمان کے کانٹا چبھ جاتا ہے تو ساری قوم بے چین ہو جاتی ہے۔

ایرنیل: اچھا درس دیا ہے تمہارے نبی نے تمہاری قوم کو۔

ایاس: ہاں مہربانی کر کے مجھے اپنا نام تو بتا دیجئے۔

ایرنیل نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ کیا تم میرا نام یاد رکھو گے۔

ایاس اسی لئے تو پوچھ رہا ہوں۔

ایرنیل: میرا نام ایرنیل ہے۔

ایاس: اور تم شرجیل کی بیٹی ہو۔

ایرنیل: ہاں۔

ایاس: تعجب ہے کہ ایک سنگدل کی بیٹی اور اس قدر رحمدل۔ ایسی مہربان اور ایسی با اخلاق۔

ایرنیل: ایاس! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم یہیں رہ جاؤ۔

ایاس: یہ کیسے ممکن ہے تمہارے والد میرے اور میری قوم کے دشمن ہیں۔

ایرنیل: اگر تم عیسائی ہو جاؤ......

ایاس: نے قطع کلام کر کے کہا ایرنیل ایک مسلمان سے یہ توقع ہرگز نہ رکھنا کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دے گا۔

ایرنیل نے عاجزی کے لہجہ میں کہا مگر میں التجا کرتی ہوں۔

ایاس نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا۔ ایرنیل یہ مذہب کا معاملہ ہے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں اس بات کو منظور نہیں کر سکتا۔

ایرنیل: میں تمہیں کسی ایسے محکمہ میں ملازم کروا دوں گی جس سے تمہیں خاطر خواہ دولت مل جائے۔

ایاس: مسلمان دولت' عزت اور حکومت کے بھوکے نہیں ہیں۔ ہماری ضروریات بہت محدود ہیں اور خدا ان ضروریات کو پورا کر دیتا ہے۔

ایرنیل نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ تب تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا ہونا چاہتے ہو۔ ایاس نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ نہیں ایرنیل میں پھر تمہارے پاس آؤں گا۔ اور ممکن ہے اس وقت تمہارے اس احسان کا کچھ صلہ دے سکوں۔

ایرنیل: مگر میں نے کسی صلہ کے خیال سے یہ احسان نہیں کیا ہے۔

ایاس: یہ میں سمجھتا ہوں۔

ایرنتل: میں تو یہ چاہتی ہوں ایاس کہ تم یہاں سے نہ جاؤ۔

ایاس: تب تم پھر مجھے اسی چھولداری میں لے جا کر قید کر دو جہاں سے آزاد کرا کر لائی ہو۔

ایرنتل: یہ میں کس دل سے گوارہ کر سکتی ہوں۔

ایاس: بس تو مجھے جانے دو۔

ایرنتل: میں جانتی ہوں کہ تم قید رہو گے تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔

اس لئے۔۔۔۔ اچھا اب تم جاؤ ایاس۔

ایاس: کیا تم ناخوش ہو گئیں ایرنتل؟

ایرنتل: نہیں میں تم سے ناخوش نہیں ہو سکتی۔ مگر اب تم چلے جاؤ خوف ہے کہیں کوئی پہرہ والا راؤنڈ کرتا ہوا اس طرف نہ آ نکلے۔

ایاس: مگر ایرنتل ابھی میرے والد اور چند اور مسلمان قید ہیں کیا تم ان کی آزادی کے لئے کوشش نہیں کر سکتیں؟

ایرنتل: یہ بات میری طاقت سے باہر ہے۔

ایاس: اگر میں کوشش کروں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہ ہو گا۔

ایرنتل: نہیں مگر کہیں تم پھر گرفتار نہ کر لئے جاؤ۔

ایاس: خدا میری مدد کرے گا۔ اچھا تم یہ خنجر مجھے دے دو۔

ایرنتل نے خنجر انہیں دے کر کہا۔ لیکن ایاس ہوشیاری سے کام کرنا۔ ایاس۔ تم اطمینان رکھو میں پوری احتیاط کروں گا۔

ایرنتل: اچھا ایاس خدا حافظ۔

ایاس: خدا حافظ ایرنتل۔

ایرنتل آہستہ آہستہ چلی گئی۔ جب وہ خیموں کے پیچھے غائب ہو گئی تب ایاس ان چھولداریوں کی طرف چلے۔ جن میں دوسرے مسلمان قید تھے۔

باب نمبر ۷

صبیحہ اور رقیہ دونوں کے بال رات بھر سوتے رہنے کی وجہ سے منتشر ہو گئے تھے۔ دوپٹہ بھی سر اور سینہ کی طرف سے ڈھلک گیا تھا ان دونوں نے اٹھتے ہی پہلے اپنے بالوں کو درست کیا۔ اور پھر دوپٹوں کو ٹھیک کر کے پادری کی طرف دیکھنے لگیں۔۔۔

پادری بھی ان دونوں کو حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا اس نرمی سے عربی زبان میں دریافت کیا تم دونوں کون ہو؟

رقیہ نے جواب دیا ہم مصیبت زدہ ہیں۔

پادری: کہاں سے آئی ہو؟

رقیہ: انطاکیہ ہوتے ہوئے طب سے۔

پادری: کیا تم دونوں تنہا ہی سفر کر رہی ہو؟

رقیہ: نہیں ہمارے ساتھ مرد بھی تھے۔

پادری: وہ کہاں گئے۔

رقیہ: ایک حادثہ کا شکار ہو گئے۔

پادری: تم کیسے بچیں۔

رقیہ: خدا نے بچایا۔

پادری: حادثہ کہاں پیش آیا۔

رقیہ: اس مقام کا نام ہم نہیں جانتے۔

پادری: معلوم ہوتا ہے تم رات بھر چلتی رہی ہو۔

رقیہ: جی ہاں۔

پادری: غالباً یہ لڑکی تمہاری بیٹی ہے۔

رقیہ: جی ہاں یہ میری بیٹی ہے۔

پادری: اب تمہارا کہاں جانے کا قصد ہے۔

رقیہ: جہاں خدا لے جائے۔

پادری: پھر بھی ارادہ کیا ہے؟

رقیہ: اپنے وطن حجاز جانے کا۔

پادری: کس شہر کی رہنے والی ہو تم؟

رقیہ: مدینہ منورہ کی۔

پادری: مگر تم پاپیادہ صحرائے شام کو کس طرح عبور کر سکو گی؟

رقیہ: خدا کوئی نہ کوئی صورت کر ہی دے گا۔

پادری: شاید تمہیں معلوم نہیں ہے اس نواح میں ڈاکو منڈلاتے رہتے ہیں۔

رقیہ: ہمارے پاس رکھا ہی کیا ہے جو وہ ہم سے چھین لیں گے۔

پادری: وہ عورتوں کو بھی گرفتار کر لیتے ہیں۔

رقیہ: اب جو قسمت میں ہے وہ پیش آئے گا۔

پادری: دیکھو میں سامنے والی خانقاہ میں رہتا ہوں۔ اگر تم میرے ساتھ وہاں چلو تو میں تمہاری مدد اور خدمت کرنے کو تیار ہوں۔

رقیہ: آپ کا شکریہ خانقاہ میں اور کتنے لوگ رہتے ہیں۔

پادری: چند پادری اور ننس ہیں۔

رقیہ: ممکن ہے انہیں وہاں ہمارا جانا ناگوار گذرے۔

پادری: تم کیسی باتیں کرتی ہو۔ ہم مذہبی لوگ ہیں۔ اپنے ابنائے جنس کی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے۔ انہیں ناگوار نہیں ہو گا بلکہ وہ خوش ہوں گے۔

رقیہ نے صبیحہ کی طرف استفہامیہ نگاہیں ڈالیں۔

صبیحہ نے کہا امی جان جیسی آپ کی مرضی ہو کیجئے۔

پادری: تم بے خوف میرے ساتھ چلی آؤ۔

رقیہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ چلئے اور کچھ نہ سہی تو دن بھر خانقاہ میں آرام تو کر ہی لیں گے۔

پادری: نہیں بلکہ جب تک تمہاری مرضی ہو رہنا۔ اگر کوئی قافلہ عربوں کا اس

طرف سے گذرا تو اس کے ساتھ چلی جانا۔

اب صبیحہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور یہ دونوں پادری کے ساتھ روانہ ہوئیں۔

پادری انہیں لے کر ایک چٹان کی طرف چل پڑا۔ چونکہ راستہ میں نشیب و فراز تھے اس لئے کبھی وہ کسی ٹیلہ پر چڑھ جاتی تھیں اور کبھی کسی درہ یا نشیب میں اتر جاتی تھیں۔

جس چٹان کی طرف پادری بڑھ رہا تھا اس کے سامنے درختوں کی قطاریں تھیں اور درخت بھی کچھ ایسے گنجان تھے کہ ان کی دوسری طرف کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔

رقیہ اور صبیحہ دونوں چلی جا رہی تھیں لیکن انہیں خانقاہ اب تک بھی نظر نہ آئی تھی۔ وہ دونوں اور پادری سب خاموش چلے جا رہے تھے۔ آخر وہ درختوں کی قطار میں گھس گئے۔ اب انہیں خانقاہ نظر آئی یہ ایک چھوٹی سی پختہ عمارت تھی۔ چبوترہ کو چن کر بنائی گئی تھی۔

جب وہ خانقاہ کے پاس پہنچے تو چند ننس سفید اور ڈھیلا لباس پہنے ہوئے چبوتروں پر بیٹھی نظر آئیں۔ چند پادری بھی ادھر ادھر چل پھر رہے تھے۔

رقیہ اور صبیحہ کو دیکھتے ہی پادری اور ننس سب ان کے پاس دوڑ کر آ کھڑی ہوئیں۔ ایک جوان العمر نن نے قدرے آواز سے کہا پاپا کیا یہ وہی لڑکی ہے۔۔۔۔

جو پادری ان دونوں کو ساتھ لایا تھا۔ اس نے گھور کر جوان نن کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارہ کیا۔ نن خاموش ہو گئی۔

رقیہ نے اس کا ناتمام فقرہ سن لیا۔ اور پادری کا اشارہ بھی دیکھ لیا وہ کچھ پریشان ہو گئی۔ اس کے چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ صبیحہ نے کچھ بھی نہ سمجھا۔ اسے کوئی فکر نہ ہوا۔ وہ ننوں کو اور ان کے ڈھیلے ڈھالے لباس کو دیکھ رہی تھی۔

پادری انہیں لے کر خانقاہ کے چبوترہ پر چڑھ گیا اور وہاں ایک چٹائی پر جا بیٹھا۔ چبوترہ پر بہت سی چھوٹی چھوٹی چٹائیاں پڑی ہوئی تھیں پادری اور ننس بھی آ آ کر چٹائیوں پر بیٹھ گئے۔ ایک چٹائی پر رقیہ اور صبیحہ بھی بیٹھ گئیں۔

اب اس پادری نے جو ان دونوں کو اپنے ساتھ لے کر آیا تھا کہا یہ دونوں

مصیبت زدہ بہنیں ہیں۔ ان کے مرد کسی حادثے کے شکار ہو گئے یہ ہماری خانقاہ میں پناہ لینے آئی ہیں۔

اس نوجوان نن نے جو کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی کہا۔ بڑی خوشی کی بات ہے ہم سب ان کی خدمت کریں گے۔

پادری نے رقیہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ تم دونوں ضروریات سے فراغت کر لو۔ پھر کھانا کھانا۔

رقیہ اور صبیحہ دونوں اٹھیں۔ پادری نے ننوں کو اشارہ کیا کہ نن ان کے ساتھ چلی پڑیں۔ رقیہ نے محسوس کیا کہ نن ان کی نگرانی کے لئے ساتھ کی گئی ہیں۔ گویا وہ اسیری کی حالت میں ہیں۔ ان کا یہ مقصد ہے کہ ہم کہیں بھاگ نہ سکیں۔

جب رقیہ اور صبیحہ چلی گئیں تب پادری نے کہا۔ تم نے اس آہو چشم اور خوبصورت عربی دوشیزہ کو دیکھا ہے۔

سب پادریوں نے کہا۔ جی ہاں دیکھا ہے۔ نہایت حسین ہے بہار شباب پورے جوبن پر ہے۔ کیا اسے نن بنانے کا ارادہ ہے؟

پادری: بے وقوفو! اب بھی نہیں سمجھے تم۔ یہ وہی ماہرو ہے جس کی تلاش رات کو سپاہی کرتے رہے تھے۔

دوسرا پادری: اوہو میں اب سمجھا تب کیا آپ شرجیل کے حوالہ کریں گے! پہلا پادری ہاں ہمیں اس سے بہت کچھ دولت اس صلہ میں مل جائے گی۔ تیسرا پادری لیکن اگر آپ اسے نن بنالیں تو......

پہلا پادری: ایک تو اس صلہ سے محروم رہ جائیں گے جو ہم کو ملنے والا ہے دوسرے اگر شرجیل کو معلوم ہو جائے گا تو وہ ہماری اس خانقاہ ہی کو جڑ و بنیاد سے اکھڑوا کر پھنکوا دے گا۔

دوسرا پادری: اور ہم سب کو بھی قتل کرا دے گا۔ خاموش رہو دیکھو وہ آ رہی ہیں ان کے سامنے کوئی ایسی گفتگو نہ کرنا جس سے انہیں کچھ شک ہو جائے۔

سب خاموش ہو گئے۔ رقیہ اور صبیحہ آ کر بیٹھ گئیں وہ رات سے بھوکی تھیں کیونکہ جب مرۃ اور حارث وغیرہ کھانے کھا رہے تھے وہ اسی انتظار میں بیٹھی تھیں کہ

ان کے بعد کھائیں گی مگر ابھی مرۃ ہی کھانے سے فارغ ہوئے تھے کہ شرجیل نے حملہ بول دیا اور وہ بھوکی پیاسی ہی وہاں سے بھاگ پڑیں۔

اس وقت دونوں کو بھوک معلوم ہو رہی تھی غالباً پادری نے اس بات کو سمجھ لیا۔ اس نے ننوں کو کچھ اشارہ کیا اور وہ کچھ پھل لے کر آ گئیں دونوں خواتین نے پھل کھانا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں جب وہ فارغ ہو گئیں۔ تو پادری نے ان سے کہا اب تم اس سامنے والے حجرے میں جا کر آرام کرو۔

چونکہ انہیں یہ اندیشہ نہیں تھا کہ پادری لوگ انہیں کسی قسم کا دھوکا دیں گے یا نقصان پہنچائیں گے اس لئے وہ حجرہ میں داخل ہو گئیں، اور وہاں پر چٹائی بچھی ہوئی تھی اس پر بیٹھ گئیں۔

اس حجرہ پر لوہے کے کواڑ چڑھے ہوئے تھے پادری نے آہستہ سے جا کر کواڑ بند کر دیئے۔ رقیہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی اس نے کہا۔

محترم بزرگ ہمیں قید نہ کرو۔

پادری نے اطمینان کے لہجہ میں کہا تمہاری بہن کی شرجیل کو تلاش ہے اب تم دونوں اس وقت یہاں بند رہو گی۔ جب تک میں اسے اطلاع کروں اور وہاں سے کوئی تمہیں لینے کے لئے آئے۔

رقیہ اور صبیحہ دونوں ہی کو یہ سن کر کمال رنج ہوا۔ رقیہ نے لرزاں آواز میں کہا ایسا ظلم نہ کرو ہم بے وطن بے بس اور مصیبت زدہ ہیں ہم پر رحم کرو۔ خدا تم پر رحم کرے گا۔

پادری نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ہم پر خدا نے مہربانی کی کہ تم از خود یہاں آ گئیں اب چیخو یا چلاؤ۔ کوئی تمہیں یہاں سے باہر نہیں نکال سکتا اگر خاموش رہو تو تمہارے لئے اچھا ہے۔

رقیہ نے بھی ضبط و صبر کرنا ہی مناسب سمجھا اس نے صبیحہ کی طرف دیکھا وہ رو رہی تھی۔ رقیہ نے اسے اپنے سینے سے لگا کر کہا۔ رو نہیں بہن خدا ہماری مدد کرے گا۔

صبیحہ سسکیاں بھرنے لگی اور رقیہ اسے تسلی دینے لگی۔

باب نمبر۸

نظر حسرت

ایاس کو معلوم تھا کہ مسلمان کن چھولداریوں میں محبوس ہیں۔ وہ خیموں کے سایہ میں نہایت آہستگی سے بڑھے چاند اس وقت قدرے مغرب کی جانب جھک گیا تھا لیکن چاندنی ٹھنڈی دھوپ کی طرح ہر چیز پر پھیل رہی تھی جس سے قریب ہی کی نہیں بلکہ دور کی چیزیں بھی صاف نظر آ رہی تھیں۔ فضا خاموش تھی اور ہر طرف سکوت و سکون چھایا ہوا تھا۔ اس درجہ خاموشی طاری تھی کہ درخت سے پتہ گرنے کی آواز اور ہلکے قدموں کی چاپ بھی صاف طور پر شور کرتی معلوم ہوتی تھی۔

ایاس نہایت ہوشیاری سے چلے جا رہے تھے۔ خوش قسمتی سے نہ اس طرف کوئی پہرہ دار تھا نہ کوئی سو رہا تھا۔ کیونکہ اس جانب خیموں اور چھولداریوں کی پشتیں تھیں۔

آخر وہ اس چھولداری کے قریب پہنچ گئے جس میں خود تھوڑی دیر پہلے قید تھے اس کے برابر والی چھولداری میں ان کے باپ مرۃ تھے انہوں نے نہایت آہستگی سے پشت کی طرف کے رسے کاٹے اور کپڑا اٹھا کر اندر داخل ہوئے۔

مرۃ نیم غفلت کی حالت میں تھے وہ ایاس کے قدموں کی چاپ سن کر ہوشیار ہو گئے۔ انہوں نے آہستہ سے پوچھا کون ہے۔

ایاس نے بڑی آہستگی سے جواب دیا۔ میں ہوں ایاس۔

تم ہو ایاس مرۃ نے حیرت بھرے لہجہ میں دریافت کیا۔

اب ایاس ان کے پاس پہنچ گئے انہوں نے کہا جی ہاں میں ہوں خاموش رہیئے۔ ممکن ہے کوئی دشمن جاگتا ہو۔

یہ کہتے ہی انہوں نے خنجر سے ان کے بند کاٹ ڈالے اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئے

انہوں نے کہا کیا تم صرف مجھے ہی رہا کرانے آئے ہو؟

ایاس: نہیں میرا ارادہ سب ہی کو رہا کرانے کا ہے۔

مرۃ نے خوش ہو کر کہا تو چلو مگر جلدی کرو۔

دونوں بڑی آہستگی سے چھولداری سے باہر نکلے۔ ایاس نے مرۃ کو چھولداری کے سایہ میں اس جگہ بٹھا دیا جہاں چاندنی کا عکس نہ ہونے کی وجہ سے قدرے تاریکی چھائی ہوئی تھی اور خود دوسری چھولداری میں داخل ہوئے اور وہاں سے ایک اور مسلمان کو رہا کرا لائے۔ غرض اسی طرح انہوں نے اپنے تمام ساتھیوں کو رہا کرا کر مرۃ کے پاس لا کر جمع کر دیا اب مرۃ نے کہا ہمیں ہتھیار حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ایاس: مگر یہ مشکل کام ہے اور خطرناک بھی۔

مرۃ: خطرہ کا خیال نہ کرو۔ اگر ہمارے پاس ہتھیار ہو جائیں تو پھر ہم ان عیسائیوں کو ان کی بے ہودگی کا مزہ چکھا دیں گے۔

ایک ضعیف العمر مسلمان نے کہا کیا آپ حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

مرۃ: ہاں ہمیں مرحوم حارث کا انتقام لینا ہے۔

ضعیف العمر: مناسب یہ ہے کہ ہم اس درد انگیز واقعہ کی اطلاع رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کر دیں۔

ایاس: لیکن ہتھیاروں کی ضرورت تو اپنی حفاظت کے لئے بھی ہے۔ آپ ٹھہریئے دیکھنے میں کوشش کرتا ہوں۔ اگر میں گرفتار کر لیا جاؤں تو آپ فوراً یہاں سے بھاگ جائیں۔

یہ کہتے ہی وہ اس چھولداری کے برابر چلے جس میں مرۃ قید تھے۔ ان کی لاعلمی میں مرۃ اور ایک اور اعرابی نہایت آہستگی سے ان کی مدد کے خیال سے ان کے پیچھے چل پڑے۔

ایاس نے چھولداری کا رسہ پکڑ کر جھانکا۔ چھولداری کے دروازہ کے سامنے ہی عیسائی سپاہی پڑے خراٹے لے رہے تھے۔ وہ بیٹھ کر کمال ہوشیاری اور احتیاط سے ان کی طرف بڑھے اور ان کے ہتھیار دیکھنے لگے۔

سپاہیوں نے اپنے ایک پہلو میں ڈھالیں اور دوسرے پہلو میں تلواریں رکھی تھیں۔ لیکن وہ ان کے اتنی قریب تھیں کہ ذرا سا کھٹکا ہونے یا جھٹکا لگنے پر ان کا جاگ جانا یقینی تھا۔

ایاس خوب سمجھتے تھے کہ اگر ان میں سے کسی کی بھی آنکھ کھل گئی تو وہ شور مچا دے گا۔ اور پھر ان کا پکڑا جانا یا رہائی کی جدوجہد میں قتل ہو جانا تو یقینی تھا۔ مگر ان کے باپ نے ہتھیاروں کی خواہش ظاہر کی تھی اور وہ ان کی تمنا پوری کرنے کے لئے جان پر کھیلنے کو تیار ہو گئے تھے۔

چنانچہ انہوں نے داہنے ہاتھ میں خنجر مضبوطی سے اور اس طرح پکڑ لیا کہ اگر کوئی ہوشیار یا بیدار ہو جائے تو اس کے شور کرنے سے پہلے وہ خنجر اس کے سینہ میں اتار دیں اور گھٹنوں کے بل بڑی احتیاط اور آہستگی سے چلنے لگے۔

انہوں نے بڑی ہوشیاری سے ایک سپاہی کے پہلو سے ڈھال اٹھا کر اپنی پشت پر لٹکائی اور دوسری طرف جا کر تلوار بھی اٹھالی۔

مرۃ اور دوسرے اعرابی ان کی اس دلیرانہ کارروائی کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔

ایاس ڈھالیں اور تلواریں اٹھائے ہوئے چل رہے تھے اور وہ سپاہیوں کے پیروں کی طرف سے ان کی پہلوؤں میں آتے اور ہتھیار اٹھا کر واپس ہو جاتے تھے۔

جب کئی ڈھالیں اور تلواریں جمع ہو گئیں تب وہ چھولداری کی طرف بڑھے۔ عین دروازہ کے پاس انہیں مرۃ اور ایک اعرابی ملے انہوں نے ان سے ڈھالیں اور تلواریں لیں اور ایاس پھر مزید ہتھیار حاصل کرنے کے لئے چل دیئے۔

آخر وہ آٹھ ڈھالیں اور آٹھ ہی تلواریں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اس ہوشیاری سے کہ عیسائیوں کو علم بھی نہ ہوا۔

جب وہ مرۃ کے پاس آئے تو انہوں نے اپنے بیٹے کی پیشانی چوم لی اب یہ سب اسی راستہ پر چل پڑے۔ جس پر ایرنیل ایاس کو لے گئی تھی سامنے ہی ایک اونچی چٹان تھی اور اس کے نیچے درختوں کے گنجان جھنڈ کھڑے تھے۔ یہ سب ان درختوں کے سایہ میں جا کر بیٹھ گئے مرۃ نے کہا۔ اس وقت موقع ہے کہ ہم نیند کے حوالے

عیسائیوں پر حملہ کر دیں یقین ہے وہ اس اچانک حملے سے گھبرا کر بھاگیں گے۔

مگر دوسرے مسلمانوں نے اسے غیر دانشمندانہ فعل بتایا اور اس لئے حملہ کرنے کی تجویز مسترد ہو گئی۔

اب مرۃ نے ایاس سے پوچھا بیٹا تم رہا کس طرح ہوئے؟

ایاس نے ایرنیل کا آنا اور رہائی دلا کر چلی جانا سب واقعہ نہایت تفصیل سے بیان کر دیا۔

تمام مسلمان سمجھ گئے کہ ایرنیل نے ایاس کو کیوں رہائی دلائی لیکن ان میں سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ البتہ مرۃ بولے یہ کرم ہم پر خدا نے کیا ہے اسی نے ایرنیل کے دل میں ایاس کی رہائی کا خیال پیدا کیا۔ ہم خدا کے شکر گزار ہیں وہ اپنے نیک بندوں کا محافظ و معاون ہے۔

ایک اعرابی بولے یا امیر اب آپ کا کیا ارادہ ہے۔

مرۃ نے کہا۔ میں بغیر اپنی بیوی رقیہ اور اپنی بیٹی میمونہ کے اس ملک سے باہر نہیں جا سکتا نہ معلوم وہ کہاں اور کس حالت میں ہیں۔ البتہ تم سب یہاں سے چلے جاؤ۔ میں تمہیں خوشی سے جانے کی اجازت دیتا ہوں۔

اعرابی: ہم میں سے بھی کوئی ہرگز نہ جائے گا۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔

مرۃ۔ مگر آنحضور صلعم کو قاصد کے شہید کئے جانے کی اطلاع ہونی بھی تو ضروری ہے۔

اعرابی: یہ کام ایاس خوب کر سکتے ہیں۔

مرۃ: ٹھیک ہے بیٹا ایاس تم ہمت کرو۔

ایاس: لیکن ابا میں تو آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔

مرۃ: میں سمجھتا ہوں لیکن بیٹا مناسب یہی ہے کہ تم حجاز مقدس کو روانہ ہو جاؤ۔

ایاس: مگر آپ دشمنوں میں رہیں گے۔

مرۃ: ہماری فکر نہ کرو۔ خدا پر بھروسہ رکھو وہ ہماری حفاظت و اعانت کرے گا۔ ہم تمہاری والدہ اور ہمشیرہ کو تلاش کر کے تمہارے پیچھے ہی چل پڑیں گے۔

ایاس: بہتر ہوتا کہ آپ کسی اور کو روانہ کرتے اور مجھے اپنے قدموں سے جدا نہ کرتے۔

مرۃ: نہیں بیٹا تم چلے جاؤ۔

ایاس: آپ کے حکم کی تعمیل کرنا میری عین سعادت ہے۔ یہ تھوڑی سی بحث اور پس و پیش میں نے اس لئے کیا کہ میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا تھا اگر میری یہ گستاخی بار خاطر ہوئی ہو تو معاف کر دیجئے ابا۔

مرۃ: میرے سعادت مند بیٹے مجھے بار خاطر نہیں ہوا۔ جاؤ خدا تمہاری حفاظت اور مدد کرے۔

ایاس: اور آپ......

مرۃ: ہم بھی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔

ایاس نے اٹھ کر سلام کیا اور درختوں کی قطاروں کے سایہ میں چل پڑے وہ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ انہوں نے ایک سوار کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ فوراً ہی ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر سوار کو قتل کر کے گھوڑا حاصل کر لیا جائے تو سفر میں سہولت ہو جائے گی۔

چنانچہ وہ درختوں کے سایہ سے نکل کر چٹانوں کی آڑ لیتے ہوئے سوار کی طرف بڑھنے لگے۔ جب سوار قریب آیا تو انہوں نے خنجر تان لیا اور اس کی طرف جھپٹے مگر ابھی وہ سوار کے قریب نہ پہنچے تھے کہ اس نے نرم و نازک لہجہ میں کہا ٹھہرو ایاس غلطی نہ کرو۔

اب جو ایاس نے غور سے سوار کی طرف دیکھا تو وہ ایزبل تھی جو مردانہ لباس پہنے گھوڑے پر سوار ان کے سامنے کھڑی تھی۔

ایاس نے خوش ہو کر کہا۔ اوہ میری محسنہ! خدا نے بڑی خیریت کی۔ ایزبل گھوڑے سے نیچے اتر آئی۔ اس نے کہا میں تم سے رخصت ہو کر دور نہیں گئی بلکہ تمہارے قریب ہی رہی اور جب تم اونچی چٹان کی طرف روانہ ہوئے تب میں گھوڑا لینے چلی گئی تم تنہا کہاں جا رہے ہو ایاس؟

ایاس: اپنے وطن

ایزبل: اسی لئے میں تمہارے لئے گھوڑا لائی ہوں۔ سوار ہو جاؤ اور سدھارو مگر مجھے بھول نہ جانا ایاس۔

یہ کہتے ہی وہ افسردہ خاطر ہو گئی۔ ایاس نے کہا۔ میں اپنی محسنہ کو کبھی نہ بھولوں گا ایزبل اچھا جلدی کرو اور جاؤ۔

ایاس گھوڑے پر سوار ہو گئے انہوں نے ایزبل کی طرف دیکھا وہ حسرت بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ ایاس نے کہا۔

تم غمزدہ ہو ایزبل۔

ایزبل نے دوسری طرف منہ پھیر کر کہا۔ تم میرے دل کی دنیا کو ویران کئے جا رہے ہو۔ اس کا خیال رکھنا۔

یہ کہتے ہی وہ لشکر کی طرف چل پڑی۔ ایاس نے گھوڑے کی باگ سنبھالی اور صحرائے شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

مرۃ اور ساتھیوں نے دور سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ بھی اٹھ کر بے مدعا ایک طرف کو روانہ ہو گئے۔

دیا ہے۔

رقیہ: یہ لوگ حریص، طامع اور بندہ غرض بن گئے ہیں انہوں نے مذہب کو چھوڑ دیا ہے اسی لئے تو خدا نے رسول خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا ہے۔

اس وقت سطیح نمودار ہوا اسے دیکھتے ہی پادریوں اور ننوں نے سہمے ہوئے لہجے میں گفتگو شروع کی۔ رقیہ اور صبیحہ نے اسے دیکھا وہ دونوں اس سے واقف نہ تھیں اس کی صورت خوفناک و آنکھیں ہولناک اور چال ہیبت ناک تھی۔

وہ پادریوں کے پاس آکر رکا۔ پادریوں اور ننوں کے گروہ اس حجرہ کے قریب ہی بیٹھے تھے جس میں صبیحہ اور رقیہ قید تھیں اس لئے وہ دونوں اس کی لرزہ براندام صورت دیکھنے اور اس کی باتیں سننے لگیں۔

اس نے کہا عیسائی مقتداؤ! تم نے دو معصوم اور مجبور و بے کس عورتوں کو فریب سے قید کر لیا۔ میں نے بڑی دور سے تمہاری یہ حرکت دیکھی ہے۔ اتنی دور سے کہ تم اگر سن لو تو میرے دیکھنے کا یقین نہیں کر سکتے۔ مگر تم سے اکثر پادری مجھے خوب جانتے ہیں۔ میں نے انہیں ان کے ان گناہوں سے مطلع کیا تھا جو انہوں نے نہایت چالاکی بڑی ہوشیاری اور کمال پردہ داری سے کئے تھے میں عراف ہوں مجھے آئندہ کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں اور کاہن بھی ہوں۔ گذشتہ واقعات کی بھی خبر دے سکتا ہوں تم مجھ سے خوف کھانے لگے ہو۔ واقعی میں خوفناک شخص ہوں مگر ان کے لئے جو زیادہ ظلم کرتے ہیں۔ ورنہ ویسے میں بے ضرر انسان ہوں۔ تم میری گفتگو سمجھ رہے ہو۔ سطیح فصیح عربی زبان میں گفتگو کر رہا تھا۔ چونکہ اس حصہ ملک کے قریب عربستان تھا اور اکثر عرب تجارت کے سلسلہ میں یہاں آتے رہتے تھے اس لئے اکثر پادری اور ننیں عربی جانتی تھیں۔

خصوصاً اس خانقاہ کے تمام پادری اور ساری ننیں عربی زبان سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے سطیح کا ایک ایک لفظ سمجھ لیا تھا۔ رقیہ اور صبیحہ بھی سمجھ رہی تھیں۔ صبیحہ نے آہستگی سے کہا۔ امی جان! شاید خدا نے اس عراف اور کاہن کو ہماری مدد کے لئے بھیجا ہے۔

باب نمبر ۹

دیر تک صبیحہ روتی اور رقیہ اسے تسلی دیتی رہی۔ آخر جب زیادہ رونے سے دل کا غبار چھٹ گیا تو وہ خاموش ہو گئی۔

رقیہ نے کہا بیٹی ہم مسلمان تو شروع ہی سے مبتلائے مصیبت رہے ہیں تو ذرا سی پریشانی سے گھبرا اٹھی۔

صبیحہ نے ٹھہر ٹھہر کر سسکیاں لیتے ہوئے کہا میں ہجوم غم و پریشانی سے گھبرا کر نہیں روتی ہوں امی جان بلکہ اس لئے رو رہی ہوں کہ میری نحوست کا شکار تم، ابا جان، بھائی جان، مہمان اور دوسرے مسلمان ہو گئے۔

رقیہ: میری بھولی بیٹی ہماری مصیبت سے تیری نحوست کا کیا تعلق۔

صبیحہ: ظالم شرجیل مجھے گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ اچھا ہوتا ابا جان مجھے اس کے حوالے کر دیتے۔

رقیہ: ایک مسلمان کبھی اپنے خاندان کی کسی عورت یا لڑکی کو اپنی زندگی میں دشمن ننگ و ناموس کے حوالے نہیں کیا کرتا۔

صبیحہ: اب کیا ہو گا امی جان؟

رقیہ: وہی جو خدا کو منظور ہے۔

صبیحہ: مگر خدا تو مسلمانوں کا حامی و مددگار ہے پھر وہ کیوں ہماری آہ و فغاں اور فریاد و زاری نہیں سنتا ہے۔ کیوں وحشی اوباش اور ان بدمعاشوں کو سزا نہیں دیتا۔

رقیہ: ضرور سزا دے گا۔ اس کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں ظالم کا ظلم حد سے گذر جاتا ہے تب اس کا قہر اس پر نازل ہوتا ہے۔

صبیحہ: مگر میں سنا کرتی تھی کہ پادری بہت رحمدل ہوتے ہیں انسانوں کے ساتھ محبت سے پیش آتے ہیں مگر انہوں نے ہم بے کسوں اور بے بسوں کو دھوکہ سے قید کر

رقیہ: ممکن ہے۔

پادری نے کہا۔ لیکن تمہیں ہماری باتوں میں روک اور دخل دینے کا کیا حق ہے۔

سیلج: تم شاید نہیں جانتے کہ میں عرب ہوں اور یہ دونوں عورتیں بھی جو دغا بازی سے گرفتار کی گئی ہیں عربی نژاد ہیں اس لئے قومیت کے جوش نے مجھے ان کی مدد پر مجبور کر دیا ہے۔

پادری: مگر یہ مسلمان ہیں اور تمہیں اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ سیلج: یہ سچ ہے مگر مذہبی اختلاف کی وجہ سے قومی ہمدردی ختم نہیں ہو سکتی۔

پادری: ہم جانتے ہیں کہ تم عیسائیوں کو ان کی قسمتوں کا حال بتا کر ان سے روپیہ پیسہ لیتے ہو اور اسی پر تمہاری روزی کا دارومدار ہے۔

سیلج: یہ بھی سچ ہے مگر میں اپنے علم کے زور پر کمائی کرتا ہوں کسی سے خیرات نہیں لیتا۔

پادری: لیکن ان میں جو لڑکی ہے وہ شرجیل کی امانت ہے۔

سیلج نے جوش میں آکر کہا ایک اوباش کتے کی میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم ان لڑکیوں کو آزاد کر دو ورنہ.......

پادری: ورنہ تم ہم سے لڑو گے۔

سیلج: تم میں لڑائی کی جرات کہاں ہے بلکہ میں تمہیں وہ منظر دکھاؤں گا جسے دیکھ کر لرز اٹھو گے۔

پادری: تمہاری یہ دھمکیاں ہم پر اثر نہیں کر سکتیں۔ ہم مذہبی مقتدر ہیں۔ انجیل مقدس کی آیتیں ہمیں ازبر ہیں۔

سیلج: اوہ تم تو میرے علم کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ دیکھنا ہی چاہتے ہو!

پادری: ہاں دکھاؤ۔

سیلج: بہت خوب ہوشیار ہو جاؤ۔

یہ کہتے ہی اس نے اپنے گلے میں ہڈیوں کی مالا نکالی۔ اسے زمین پر رکھ دیا اور انسانی تخنہ کی ہڈی جو اس کے ہاتھ میں تھی اس نے انہیں چھوڑ کر زیر لب کچھ غیر

مفہوم الفاظ کہنے شروع کئے۔

تمام پادری ساری تیس، صبیحہ اور رقیہ سب نہایت غور سے کبھی ہڈیوں کی مالا کو اور کبھی سیلج کو دیکھ رہے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں سیلج نے جھومنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے سر کے بال بکھیر لئے۔ اس کی آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ سرخ یعنی بالکل خون کبوتر بن گئیں۔

اب اس نے پادریوں کی طرف دیکھا۔ پھر سب پر نظر ڈالی اور کرخت آواز میں کہا۔ او لڑکیو! ایک طرف ہٹ جاؤ۔

تیس بے حد حیران و پریشان ہو رہی تھیں ان کے چہرے فرط خوف سے سفید پڑ گئے تھے۔ وہ جلدی سے ایک طرف سمٹ کر کھڑی ہو گئیں۔

سیلج نے پادریوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ گنہگار اور بدکار انسانو اپنی گنہگاری کا اثر دیکھو۔ غور کرو آگ کس طرح پھیلتی ہے۔

یہ کہتے ہی اس نے تخنہ کی ہڈی سے درختوں کی طرف اشارہ کیا۔ پادریوں کو ایسا معلوم ہوا جیسے درختوں سے انگارے گر رہے ہوں۔

تیس بھی دیکھ رہی تھیں۔ صبیحہ اور رقیہ بھی نظارہ کناں تھیں سب کو درختوں سے چنگاریاں جھڑتی نظر آ رہی تھیں سب حیران و ششدر ہو رہے تھے۔

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے انگاروں نے سبزہ کو جلانا اور ہوا کے جھونکوں نے آگ کو ہوا دے کر بھڑکانا شروع کر دیا۔

اب معمولی آگ شعلوں کی صورت میں تبدیل ہو گئی اور اس تیزی سے خانقاہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

پادری خوفزدہ ہو گئے۔ تیس کانپنے لگیں سیلج تخنہ کی ہڈی ہاتھ میں لئے اس طرح اشارہ کر رہا تھا جیسے وہ آگ کو اپنی طرف بلا رہا ہو۔

آگ تیزی سے بڑھتی آ رہی تھی۔ یہاں تک کہ جس جگہ پادری کھڑے تھے ان کے قریب آ گئی۔ وہ گھبرا کر بھاگے ان کے بھاگتے ہی تیس بھی چیخیں مار کر بھاگ پڑیں۔ صبیحہ بھی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے کہا امی جان! کیا ہم دونوں جل کر رہ جائیں گی۔

رقیہ نے کھڑی ہو کر کہا۔ ذرا صبر کریئے۔

اب سیلی حجرہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا معلوم خواتین! حجرہ سے باہر نکل آؤ۔

رقیہ نے کہا کیسے نکلیں حجرہ پر زنجیر چڑھی ہوئی ہے۔

سیلی نے زنجیر کھولی۔ رقیہ اور سبیحہ دونوں باہر نکلیں اس وقت انھیں اپنی طرف ایک شعلہ لپکتا ہوا نظر آیا۔ وہ گھبرا کر پھر حجرہ کی طرف لپکیں سیلی نے ہنس کر کہا۔ مت ڈرو یہ آگ بے ضرر ہے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تمام پہاڑ پر آگ لگ گئی ہو۔ شعلے بھڑک رہے تھے۔ ہر طرف تماشا یہ تھا کہ دھوئیں کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔

پادری اور تھیس بھاگ کر ایک چٹان پر چڑھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے شعلے سرد ہوتے دیکھے۔ اب ان کی بدحواسی اور خوف کسی قدر کم ہوا۔ وہ خانقاہ کے پاس آئے ان کا خیال تھا کہ آگ نے خانقاہ کو اور اس کے قریب و جوار کے تمام درختوں کو جلا کر خاکستر کر دیا ہو گا۔

مگر جب قریب آ کر دیکھا تو خانقاہ بھی بدستور کھڑی تھی اور تمام درخت بھی ہرے بھرے کھڑے لہرا رہے تھے اور سیلی تک اپنی جگہ پر کھڑا تھا انھیں سخت حیرت ہوئی۔ وہ سمجھ ہی نہ سکے کہ آگ کیا چیز تھی اور اس نے کن چیزوں کو جلایا۔ وہاں کہیں راکھ کا ڈھیر بھی نہ تھا۔ البتہ سبزہ کھڑا لہرا رہا تھا۔

وہ دوڑ کر حجرہ کے پاس آئے دیکھا حجرہ خالی تھا نہ سبیحہ اور رقیہ تھیں اور نہ سیلی تھا۔ وہ مجسمہ حیرت بن کر کھڑے رہ گئے اور کمال استعجاب سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

باب نمبر۱۰

قدرت کا پہلا انتقام

شرجیل کے دل پر سیلی کی گفتگو کا بڑا اثر ہوا تھا۔ وہ اس کے چلے جانے کے بعد دیر تک غور و فکر کرتا رہا۔ دل کو سمجھاتا رہا کہ مسلمانوں میں اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ ملک شام پر حملہ آور ہوں۔ اور ہرقل اعظم کی باعظمت و جلال سلطنت سے ٹکرانے کی کوشش کریں۔ لیکن جوں جوں وہ اپنے دل کو تسلی دیتا تھا۔ اس کے دل میں ایک نامعلوم خوف جڑ پکڑتا جاتا تھا۔

اس وقت اسے یہ بھی محسوس ہونے لگا کہ اس نے عربی قاصد کو شہید کرا کر ایسی نازیبا حرکت کی ہے جسے سننے والے اس پر نفرین کریں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ وحشی سے وحشی حاکم فرمانروا' تاجدار اور شہنشاہ بھی قاصد کو قتل نہیں کیا کرتے۔ ان کی سخت سے سخت گفتگو سن کر بھی ضبط کر جاتے ہیں کیونکہ سفیر پیغام پہنچانے والا ہوتا ہے۔ غم و غصہ اس شخص پر اتارا جاتا ہے جس کا وہ قاصد ہو۔ اسی لئے ہر ملک اور ہر زبان میں یہ مشہور ہے "ایلچی راچہ زوال"

مگر ہرقل اعظم کے عیسائی گورنر نے اسلامی قاصد کو قتل کر کے وحشیانہ بربریت کا ثبوت دے دیا اور یہ ظاہر کر دیا کہ عیسائی ضابطہ کے پابند نہیں۔ وہ قوت و طاقت ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔

اپنی اس احمقانہ حرکت سے اس نے اس جنگ عظیم کی بنیاد ڈال دی جس نے صدہا سالہ رومی (عیسائی) سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

بعض لوگوں کی ذرا سی غلطیاں ملکوں قوموں کی تباہی کا باعث بن جاتی ہیں۔

ایسی ہی حماقت یہ بھی ہوئی۔

شرجیل کو بھی اپنی اس حماقت' نادانی اور ناعاقبت اندیشی کا احساس ہوا اور اس

کے دل میں ایسی خلش پیدا ہو گئی جس نے ابھی سے اس کے دل کو برمانا شروع کر دیا۔

اس کا سکون قلب جاتا رہا اور پریشانیوں' فکروں اور غموں نے ہجوم کر کے اس کی مسرت کو تاراج کر دیا۔

رات بھر وہ فکر و پریشانی میں کروٹیں بدلتا رہا۔ طرح طرح کے خوفناک خواب نظر آتے رہے۔ بہتیرا دل کو تسلی دیتا سمجھاتا کہ مسلمانوں کی کوئی قوت نہیں ہے۔ ان کے دل و دماغ میں قاصد کے خون کا انتقام لینے کا خیال بھی آ سکتا ہے وہ باعظمت و جلال رومی سلطنت پر حملہ کرنے کی نیت ہی نہیں کر سکتے۔ لیکن اس سے اس کے دل کو تسلی نہ ہوئی تھی اور جو خلش اس کے دل میں پیدا ہو گئی تھی وہ برابر اسے تکلیف دے رہی تھی۔

خلاف معمول صبح وہ بہت سویرے اس لئے بیدار ہوا کہ ان تمام مسلمانوں کو قتل کرا دے جو گرفتار ہیں تاکہ ان میں سے کوئی رہا ہو کر عربستان میں قاصد کے قتل کی خبر ہی نہ پہنچا سکے۔

چنانچہ وہ ضروریات سے فراغت کر کے خیمہ سے باہر نکلا اور سائبان کے نیچے صوفہ پر آ بیٹھا۔ اس وقت اس کے چہرہ سے قدرے اطمینان اور طمانیت کے آثار ظاہر تھے۔ اس نے پاپائے اعظم اور نوذر کو بلوا بھیجا۔

تھوڑی دیر میں پاپائے اعظم اپنی شان تقدس کے ساتھ آ گئے۔ پھر ایرجنل بھی آ گیا۔ شرجیل نے کہا۔ محترم بزرگ مجھے رات بھر فکر و تشویش رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں قاصد کا قتل کرنا اچھا نہ ہوا۔ ممکن ہے مسلمان جوش و غضب میں آ کر ملک شام پر چڑھ دوڑیں۔

پاپائے اعظم نے قہقہہ لگا کر کہا اوہ اس قدر مضحکہ خیز خیال پیدا ہوا ہے آپ کے دل میں۔ مسلمانوں کی بھی یہ جرات ہو سکتی ہے کہ وہ اس عظیم الشان اور باہیبت رومی سلطنت پر حملہ کرنے کی جرات کریں یاد رکھئے سلطنت کا راز طاقت پر ہے۔ اور آج دنیا میں اس حکومت کی جو قوت ہے وہ کسی دوسرے کی نہیں ہے کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ مسلمان کیا کھا کر اس پرشکوہ سلطنت سے ٹکرانے کی جرات کریں

گے۔

شرجیل: یہ آپ سچ فرما رہے ہیں۔ میں بھی ان باتوں کو خوب جانتا ہوں لیکن اس سے میرے دل کی تسلی نہیں ہو سکتی۔

پاپائے اعظم: فکر نہ کرو۔ مسلمانوں کی کوئی قوت نہیں ہے اور اس لئے وہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمارے ہاتھوں میں مضبوط لاٹھی ہے اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس والی مثل تم نے سنی ہو گی۔

شرجیل: مگر ممکن ہے سرحد پر کچھ شورش کریں۔

پاپائے اعظم: تب ان کی سرکوبی کر دی جائے گی۔

شرجیل: مجھے یہ خیال ہوا کہ جب دنیا کو یہ بات معلوم ہو گی کہ میں نے ایک قاصد کو قتل کرا دیا ہے تو نہ معلوم مجھے لوگ کیا کیا کہیں گے۔

پاپائے اعظم: تمہاری تعریف کریں گے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ جن جن سلاطین کے پاس رسول عربی (صلعم) نے قاصد بھیجے ہیں وہ تمام قاصدوں کو قتل کرا دیں گے اس سے مسلمانوں کے دماغ درست ہو جائیں گے۔

شرجیل نے خوش ہو کر کہا۔ اگر ایسا ہو تو میری پیشانی سے بدنامی کا داغ دھل جائے گا۔

پاپائے اعظم: تم سن لو گے کہ ہر بادشاہ نے اسلامی قاصد کو قتل کرا دیا۔

شرجیل: تب میرے دل کو چین آ جائے گا۔

پاپائے اعظم: اور اگر دوسرے بادشاہوں نے ایسا نہ کیا تو جس وقت آپ کی اس رات کی شہرت ہو گی اس وقت تمام سلاطین پچھتائیں گے کہ انہوں نے بھی ایسا کیوں نہیں کیا تھا۔

اس وقت نوذر حاضر ہوا۔ اس کا چہرہ فق پڑا ہوا تھا منہ پر ہوائیاں چھوٹ رہی تھیں۔ بدن میں ارتعاش تھا۔ اس نے آتے ہی فوجی طریقہ پر سلام کیا۔ شرجیل نے سلام لے کر پاپائے اعظم سے مخاطب ہو کر کہا۔ میں نے ایک تجویز اور سوچی ہے لیکن آپ کے مشورہ کی ضرورت ہے۔

پاپائے اعظم: فرمایئے میں نہایت مفید مشورہ دوں گا۔

شرجیل: اسلامی قاصد کے قتل کی خبر ملک شام سے نکل کر عربستان میں اگر جا سکتی ہے تو ان مسلمانوں کے ذریعہ سے جو قید ہیں اس لئے ان سب کو بھی کیوں نہ قتل کر دیا جائے۔

بلپائے اعظم: یہ بات آپ نے میری زبان سے چھین لی۔ میں خود یہی کہنے والا تھا۔ نہایت مبارک خیال ہے۔ آپ کو ساتھ ہی ایک اور ہستی کو بھی قتل کرنا پڑے گا۔

شرجیل: کسے۔

بلپائے اعظم: اس عراف یا کاہن کو جس نے اپنا نام سیلج بتایا تھا۔

شرجیل: کیا وہ بھی مخبری کر سکتا ہے۔

بلپائے اعظم: کیا عجب ہے اگرچہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس قوم اور کس قبیلہ سے ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ عربی النسل ہے ممکن ہے عربستان میں جا کر خبر کر دے۔

شرجیل: ٹھیک فرمایا آپ نے میں اس کا بھی بندوبست کر دوں گا۔ جس طرح ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے سینکڑوں جھوٹ بولنے پڑتے ہیں یا ایک جعل سازی کو نبھانے کے لئے سینکڑوں جعل سازیاں کرنی پڑتی ہیں اسی طرح ایک قتل کو چھپانے کے لئے متعدد قتل بھی کرنا پڑ جاتے ہیں۔ مگر ایسی باتیں وہی لوگ کرتے ہیں جو دغا باز مکار اور سفاک ہوتے ہیں نیک طبیعت لوگوں کے تو اس طرف خیالات بھی نہیں جاتے۔

چنانچہ شرجیل نے یہ طے کر لیا کہ جن جن لوگوں کو اسلامی قاصد کے قتل کیے جانے کا حال معلوم ہے۔ ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دے۔

جوں جوں یہ گفتگو ہوتی جاتی تھی نوزر کا چہرہ سن کر زرد پڑتا جاتا تھا اس کے بدن میں تھرتھری پیدا ہو گئی تھی۔ وہ شرجیل کی سفاکی سے ڈر کر کانپ رہا تھا۔

اب شرجیل نے نوزر کی طرف دیکھ کر کہا۔ جاؤ تم تمام عرب قیدیوں کو لے آؤ۔

نوزر نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا جہاں پناہ......

وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا۔ شرجیل اور بلپائے اعظم دونوں نے اس کی طرف دیکھا۔ جو روش ایریتل سمجھ گئی تھی کہ وہ کیا کہنے والا ہے۔ اس لئے وہ اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھی۔ شرجیل نے دریافت کیا کیا کہنا چاہتے ہو نوزر عالم پناہ! عرب قیدی۔

شرجیل کے رعب و خوف نے اس کا فقرہ پورا نہ ہونے دیا۔ دراصل شرجیل نہایت ظالم، وحشی، مغرور اور سفاک انسان تھا۔ اس سے اس کے تمام متعلقین ڈرتے تھے وہ ذرا ذرا سی بات پر لوگوں کو قتل کرا ڈالتا تھا۔

بلپائے اعظم اس کا مشیر کار تھا اور وزیرے چنیں شہریارے چناں کے مصداق وہ شرجیل سے تمام باتوں میں کچھ بڑھ چڑھ کر ہی تھا کہ کسی بات میں کم نہ تھا۔ شراب خوب پیتا تھا۔ ناچ دیکھتا اور گانا سنتا تھا کسی کو قتل ہوتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔

شرجیل نے ذرا سخت لہجہ میں پوچھا کیا عرب قیدی مر گئے۔

نوزر: جی نہیں بلکہ بھاگ گئے۔

شرجیل کے جیسے ہزاروں بچھوؤں نے ڈنک مارا۔ وہ اچھل پڑا۔

اس نے کہا۔ بھاگ گئے۔

نوزر نے عاجزی سے کہا۔ جی ہاں غریب پرور۔

شرجیل: کیسے بھاگ گئے۔

نوزر: اسے کوئی نہیں جانتا۔ صرف ایک چھولداری کا پیچھے سے پردہ چاک کیا گیا ہے اور باقی چھولداریوں کے رسے کاٹے گئے ہیں۔

شرجیل: کیا پہرہ والے نہ تھے۔

نوزر: تھے حضور مگر ان کی آنکھ لگ گئی۔

شرجیل: نے غصہ کے لہجہ میں کہا۔ ان کی آنکھ لگ گئی اور عرب بھاگ گئے انہیں ہمیشگی کی نیند سلا دینا چاہئے بلاؤ انہیں۔

نوزر چلا گیا شرجیل نے ایریتل سے کہا قرۃ العین! اب تم ذرا یہاں سے چلی جاؤ۔

ایریتل چلی گئی۔ نوزر پہرہ والے عیسائیوں کو حراست میں لے کر آیا۔ شرجیل اس قدر برافروختہ ہو رہا تھا کہ اس نے نہ ان سے کچھ پوچھا نہ انہیں کچھ کہنے کا موقعہ

دیا بلکہ ان کے آتے ہی ان کے قتل کروا ڈالنے کا حکم صادر کر دیا۔

سپاہی چیخے اور رحم و کرم کی التجائیں کرنے لگے۔ وہ پاپائے اعظم کے سامنے بھی گڑگڑائے لیکن کسی کا دل بھی ان پر نہ پسیجا۔ اور آخر وہ ایک ایک کر کے سب قتل کروا ڈالے گئے۔

بے گناہ اسلامی قاصد کے مارے جانے کا قدرت نے یہ پہلا انتقام لیا اور تقریباً تیس سپاہی مارے گئے۔

جب ان کی لاشیں اٹھا کر لے جائی جا چکیں تب شرجیل نے نوذر سے کہا۔

پچاس سواروں کا ایک دستہ ابھی روانہ کر دو۔ اور انہیں ہدایت کر دو کہ وہ یا تو مسلمانوں کو زندہ گرفتار کر لائیں یا ان کے سر اتار لائیں۔

نوذر نے اظہار اطاعت کے لئے سر جھکایا اور وہاں سے جا کر اس وقت پچاس آزمودہ کار جوانوں کو مسلمانوں کے تعاقب میں صحرائے شام کی طرف روانہ کر دیا۔

مرۃ اور ان کے ساتھی پیدل تھے۔ وہ رات کے پچھلے پہر روانہ ہوئے تھے چونکہ کئی مرتبہ اس پہاڑ پر آ چکے تھے۔ اس لئے اس راستہ سے بخوبی واقف تھے اگر وہ چاہتے تو اتنی دور نکل جاتے کہ نوذر کے بھیجے ہوئے سوار ان کو نہ پا سکتے لیکن مرۃ کی شریک حیات اور قرۃ العین اس پہاڑ پر گم ہو گئی تھیں اس لئے وہ اپنے ننگ و ناموس کو عفت و عصمت کے رہزنوں میں چھوڑ کر جانا نہ چاہتے تھے۔

چنانچہ جب صبح کے آثار ظاہر ہوئے تو ان سب لوگوں نے نماز فجر کی تیاری شروع کی۔ ضروریات سے فراغت کر کے وضو کیا۔ ایک خوش الحان شخص نے نہایت خوش آہنگ لہجہ میں اذان دی۔ مرۃ نے جماعت کے ساتھ پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر مرۃ نے کہا۔

میرے بھائیو تم جانتے ہو کہ میری بیوی اور بیٹی دونوں اسی وقت سے گم اور غائب ہیں جب سے ننگ تہذیب و شائستگی خونخوار اور وحشی شرجیل نے ہمیں گرفتار کیا۔ میں یہاں رہ کر ان دونوں کو تلاش کرنا چاہتا ہوں لیکن میری یہ خواہش اور استدعا ہے کہ تم سب یہاں سے وطن چلے جاؤ اور قاصد کے شہید ہونے کی اطلاع دربار رسالت میں پہنچا دو۔

ایک اعرابی نے کہا۔ یہ ناممکن ہے کہ ہم آپ کو تنہا دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ کر چلے جائیں۔ جنہیں انسانیت اور تہذیب سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ہم سب آپ کے ساتھ رہیں گے۔

سب نے متفق اللفظ ہو کر کہا۔ بے شک ہم سب آپ کے ساتھ رہیں گے مرۃ بھائیو مجھے خدا کے سپرد کر دو۔ میرا فکر نہ کرو۔ تم سب چلے جاؤ دوسرا اعرابی ہم میں سے کوئی ایک بھی آپ کا ساتھ چھوڑ کر ہرگز نہ جائے گا۔

مرۃ: لیکن مصلحت یہی ہے۔

تیسرا اعرابی مسلمان موقع محل اور مصلحت کو دیکھ کر کام نہیں کیا کرتے بزدل لوگ ان باتوں کی آڑ لیا کرتے ہیں۔ اور ہم خدا کے فضل سے بزدل نہیں ہیں۔

مرۃ: لیکن ہم سب اگر کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے تو میں مسلمانوں اور آنحضور صلعم کو حشر میں خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

پہلا اعرابی: اسی طرح سوچئے کہ اگر ہم آپ کو دشمنوں کے ملک میں تنہا چھوڑ کر چلے گئے تو کس طرح کس کو منہ دکھا سکیں گے۔

مرۃ: اچھا خدا کی مرضی تب آؤ سب مل کر ان غیور اعرابی خواتین کو تلاش کریں۔

ان لوگوں نے چٹانوں کے پیچھے کھوہ اور غاروں میں تلاش کرنا شروع کر دیا۔ کسی اونچی چٹان پر چڑھ جاتے اور چاروں طرف نہایت غور سے دیکھتے غاروں اور دراڑوں میں گھس جاتے۔ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے۔ آہستہ آہستہ آوازیں دیتے مگر نہ کہیں کچھ نظر آتا۔ اور نہ کوئی ان کی آواز کا جواب دیتا۔

کئی گھنٹے انہیں اسی طرح سرگرداں پھرتے گزر گئے۔ ایک مرتبہ جب وہ ایک بلند چٹان پر چڑھے ہوئے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے تو مرۃ کو عیسائی سواروں کا ایک دستہ آتا ہوا نظر آیا۔ وہ دیر تک اس دستہ کو غور سے دیکھتے رہے۔ [illegible] اور انہیں [illegible] کرتے رہے تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے کہا یا ایہا المسلمین (اے مسلمانو) عیسائیوں کا ایک دستہ غالباً تمہاری تلاش میں اسی طرف آ رہا ہے میں نے ان کے سواروں کو شمار کیا ہے [illegible] پچاس ہیں ہم آٹھ آدمی ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ ان کا مقابلہ کر

تمہاری کیا رائے ہے۔

ایک نوجوان اعرابی نے کہا۔ اس میں پوچھنا اور مشورہ لینا تو کیا لڑائی تو ہماری عین تمنا ہے۔ خدا کا نام لے کر حملہ کر دیجئے۔

مرہؔ: لیکن ابھی عیسائیوں سے مسلمانوں کی جنگ کا آغاز نہیں ہوا ہے کہیں آنحضور صلعم کو ہماری یہ جسارت ناگوار نہ گزرے۔

ایک ادھیڑ عمر کے اعرابی نے کہا۔ عیسائیوں نے اسلامی قاصد کو شہید کر کے اعلان جنگ دے دیا ہے۔ یقین رکھو حضور سرور کائنات فخر موجودات باعث تخلیق عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاصد کا انتقام لینے کے لئے ان لوگوں پر لشکر کشی کا حکم دے دیں گے اس لئے اطمینان رکھئے حضور ہماری اس حرکت سے ناخوش نہ ہوں گے۔

مرہؔ: تب چلو ان پر حملہ کریں۔

ایک ضعیف العمر اعرابی بولے ہم فوراً ہی ان کے سامنے کیوں جائیں مناسب یہ ہے کہ اس چٹان سے اتر کر اس کے عقب میں چھپ جائیں اور جب عیسائی برابر میں آئیں تو دفعتہً کمینگاہ سے نکل کر ان پر ٹوٹ پڑیں۔

مرہؔ: مناسب رائے ہے۔ اچھا تو جلد نیچے اترو۔

چنانچہ سب بڑی پھرتی سے نیچے اتر کر چٹانوں کے پیچھے چھپ گئے۔ عیسائی نہایت اطمینان سے اسی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ وہ گھوڑوں پر سوار تھے چونکہ راستہ ناہموار تھا اس لئے آہستگی سے آ رہے تھے۔

انہیں مطلق معلوم نہ تھا کہ وہ لوگ جن کی تلاش میں سرگرداں ہیں ان کے قریب ہی چھپے ہوئے ان کی تاک لگائے بیٹھے ہیں۔

جب وہ اس چٹان کے پاس آئے جس کے پیچھے مسلمان چھپے بیٹھے تھے۔ تو مرہ ابن زہیر قدرے اور پیچھے ہٹ گئے۔

عیسائی سواروں کی قطاریں بڑھنی شروع ہوئیں۔ ان میں سے کسی نے بھی مسلمانوں کو نہ دیکھا۔ جب وہ چٹان سے چند قدم آگے بڑھ گئے۔ تب دفعتہً مسلمان کمینگاہ سے نکلے اور اللہ اکبر کا پر شور اور ہیبتناک نعرہ لگا کر عیسائیوں پر حملہ آور

ہوئے۔

عیسائی نعرہ تکبیر کی پر ہول آواز سن کر سہم گئے۔ انہوں نے گھبرا کر اپنی پشت کی طرف دیکھا۔

انہیں مسلمانوں کے پرے [illegible] عیسائیوں کی نظر میں وہ شور [illegible] فوراً مسلمانوں کی طرف پلٹے۔

لیکن جب تک وہ پلٹیں اور ہوشیار ہوں اس وقت تک سنبھلیں اور بچیں مسلمانوں کی تلواریں ان میں سے چند کے شانوں، بازوؤں اور سروں پر پڑیں اور کئی عیسائیوں کو خاک و خون میں گرا گئیں۔

یہ زخم خوردہ عیسائی چیخنے اور چلانے لگے۔ دوسرے عیسائیوں نے قومی نعرے لگا کر مسلمانوں کو مرعوب کرنا چاہا۔

لیکن مسلمان بالکل بھی رعب داب میں نہ آئے بلکہ ان میں سے چار مسلمانوں نے بڑھ کر دوسرے عیسائیوں پر پرجوش حملہ کیا اور چار مسلمانوں نے ان عیسائیوں کے گھوڑے پکڑ لئے جو زخمی ہو کر گر گئے تھے اور نہایت پھرتی سے جست لگا کر ان پر سوار ہو گئے۔ سوار ہوتے ہی انہوں نے جوش میں آ کر حملہ کیا۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک عیسائی کو مار ڈالا اور پیدل مسلمانوں نے بھی دو تین وار کر کے دو تین اور عیسائیوں کو زخمی کر کے گرا دیا۔

اب وہ چاروں مسلمان جو گھوڑوں پر سوار ہو گئے تھے وہ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔ عیسائیوں کو اپنے ساتھیوں کے قتل و زخمی ہو جانے سے بڑا غصہ آیا۔ انہوں نے بھی جوش و غضب میں آ کر ان پر نہایت شدت سے حملہ کیا۔

اس وقت پیدل مسلمان گھوڑوں پر سوار ہونے کی فکر کر رہے تھے اور صرف چار سواروں نے چالیس پینتالیس عیسائیوں کے حملہ کو روکا اور کچھ ایسی پھرتی اور چابکدستی سے حملے شروع کئے کہ عیسائی جو بڑھے چلے آ رہے تھے رک گئے۔

اتنا ہی موقعہ گھوڑوں پر سوار ہونے کی کوشش کرنے والے مسلمانوں کو بہت کافی تھا۔ وہ جلدی سے اچھل اچھل کر گھوڑوں پر اس مضبوطی سے جا بیٹھے جیسے انہیں نصب کر دیا گیا ہو اور گھوڑوں پر سوار ہوتے ہی انہوں نے بھی بڑھ کر پر زور

حملہ کر دیا۔

اب تمام مسلمان گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ اور بڑی بے خوفی اور انتہائی زور و قوت سے لڑنے لگے۔

ہر مسلمان پیکر جوش و شجاعت بن کر اس قوت سے حملہ کر رہا تھا کہ جس عیسائی کے بدن پر تلوار پڑتی تھی صابن کی طرح کاٹ ڈالتی تھی۔

تمام عیسائی زرہ بکتریں پہنے اور پانچوں ہتھیار لگائے ہوئے تھے مسلمان محض سادہ لباس میں تھے نہ ان کے پاس لوہے کا لباس تھا نہ پورے ہتھیار تھے محض ایک ایک تلوار اور ایک ایک ڈھال تھی اور وہ تلواروں ہی سے لڑ رہے تھے۔

خدا نے ان کے بازوؤں میں اس قدر طاقت دی تھی کہ جب تلوار کا کاری ہاتھ مارتے تھے تو آہنی زرہ کو کاٹ کر گوشت و پوست میں اتر کر خون کے فوارے کے ساتھ اٹھتی تھی۔

عیسائی دیکھ رہے تھے کہ مسلمان ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھے پھر بے سرو سامان تھے۔ وہ دانت پیس پیس کر حملے کر رہے تھے لیکن مسلمان ان کے وار اپنی ڈھالوں پر روک کر جلدی سے خود بھی حملہ کرتے تھے۔ ان کی تلوار بجلی کی طرح لوٹتی تھی اور نہایت پھرتی سے کاٹ کر کے پھر اٹھتی تھی۔

ہر مسلمان کا ہر حملہ ایک نہ ایک عیسائی کو یا تو قتل کر ڈالتا تھا یا زخمی کر دیتا تھا۔

مرنے والے کا تو ذکر ہی کیا۔ لیکن زخمی بری طرح ڈکرا رہے تھے لڑنے والے عیسائی شور مچا رہے تھے۔ پہاڑ کے جس حصہ میں جنگ ہو رہی تھی وہ گونج رہا تھا مسلمان جس پھرتی سے حملے کر رہے تھے۔ ان سے معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ جلد سے جلد عیسائیوں کو ٹھکانے لگا کر اپنے کام میں مصروف ہوں۔

اگرچہ جنگ شروع ہوئے ایک گھنٹہ کے قریب ہو گیا تھا اور اس عرصہ میں چودہ پندرہ عیسائی مارے جا چکے تھے آٹھ دس زخمی ہو کر گر پڑے تھے لیکن مسلمان ایک بھی شہید نہیں ہوا تھا۔ البتہ کئی مسلمان زخمی ضرور ہو گئے تھے اور ان کے زخموں سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ لیکن وہ کچھ ایسے جوش و غضب میں بھرے

ہوئے تھے اور کچھ ایسے اپنی ہستیوں کو بھولے ہوئے تھے کہ انہیں اپنے زخموں کی مطلق پرواہ نہ تھی۔ البتہ انہیں جوش اور جلال آ رہا تھا اور وہ اپنی لمبی داڑھیاں اپنے دانتوں میں دبا کر پرزور حملے کر رہے تھے۔

مرۃ نے عیسائی دستہ کے افسر کو دیکھا۔ وہ جھپٹ کر اس پر حملہ آور ہوئے افسر نے ان کی تلوار اپنی ڈھال پر روکی۔ لیکن حملہ ایسا سخت تھا کہ تلوار ڈھال کا ایک حصہ کاٹ گئی۔

یہ کیفیت دیکھ کر افسر کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ فوراً خوف و دہشت سے آنکھیں حلقوں میں دھنس گئیں۔ وہ رحم طلب نگاہوں سے مرۃ کو دیکھنے لگے۔

مرۃ نے فوراً ہی اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگا کر دوسرا حملہ اس کی گردن پر کیا۔ افسر وار نہ بچا سکا۔ تلوار چاندی کی ان باریک زنجیروں کو جو شانہ پر خود اور زرہ بکتر میں آویزاں تھیں کاٹ کر گردن اڑا گئی۔

افسر نے ایک ہولناک چیخ ماری اور اس کا لاشہ اچھل کر زمین پر گرا عیسائیوں نے دیکھا تو ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور بغلیں جھانکنے لگے۔

عین اسی وقت تمام مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگا کر نہایت شدت سے حملہ کیا۔ اس حملہ میں ہر مسلمان نے ایک ایک عیسائی کو مار ڈالا اب تک پچیس کے قریب عیسائی مارے جا چکے تھے اور باقی سب زخمی ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک بھی صحیح و سالم نہ رہا تھا۔ چنانچہ جو لوگ زخمی تھے اور گھوڑوں پر سوار تھے وہ گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے ان میں سے آٹھ سواروں کو اور گرا دیا۔ بڑی مشکل سے چھ عیسائی بھاگ کر اپنی جانیں بچا کر لے جا سکے۔ ان کے تیز رفتار گھوڑے انہیں بچا لے گئے۔

مسلمان تعاقب سے واپس لوٹ آئے۔ انہوں نے اس فتح پر خدا کا شکر ادا کیا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کر کے وہاں سے ایک درہ میں گھس کر چل پڑے۔

حملہ کر دیا۔

اب تمام مسلمان گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ اور بڑی بے خوفی اور انتہائی زور و قوت سے لڑنے لگے۔

ہر مسلمان پیکر جوش و شجاعت بن کر اس قوت سے حملہ کر رہا تھا کہ جس عیسائی کے بدن پر تلوار پڑتی تھی صابن کی طرح کاٹ ڈالتی تھی۔

تمام عیسائی زرہ بکتریں پہنے اور پانچوں ہتھیار لگائے ہوئے تھے مسلمان محض سادہ لباس میں تھے نہ ان کے پاس لوہے کا لباس تھا نہ پورے ہتھیار تھے محض ایک ایک تلوار اور ایک ایک ڈھال تھی اور وہ تلواروں ہی سے لڑ رہے تھے۔

خدا نے ان کے بازوؤں میں اس قدر طاقت دی تھی کہ جب تلوار کا کاری ہاتھ مارتے تھے تو آہنی زرہ کو کاٹ کر گوشت و پوست میں اتر کر خون کے فوارے کے ساتھ اٹھتی تھی۔

عیسائی دیکھ رہے تھے کہ مسلمان ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھے پھر بے سرو سامان تھے۔ وہ دانت پیس پیس کر حملے کر رہے تھے لیکن مسلمان ان کے وار اپنی ڈھالوں پر روک کر جلدی سے خود بھی حملہ کرتے تھے۔ ان کی تلوار بجلی کی طرح لوٹتی تھی اور نہایت پھرتی سے کاٹ کر کے پھر اٹھتی تھی۔

ہر مسلمان کا ہر حملہ ایک نہ ایک عیسائی کو یا تو قتل کر ڈالتا تھا یا زخمی کر دیتا تھا۔

مرنے والے کا تو ذکر ہی کیا۔ لیکن زخمی بری طرح ڈکرا رہے تھے لڑنے والے عیسائی شور مچا رہے تھے۔ پہاڑ کے جس حصہ میں جنگ ہو رہی تھی وہ گونج رہا تھا مسلمان جس پھرتی سے حملے کر رہے تھے۔ ان سے معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ جلد سے جلد عیسائیوں کو ٹھکانے لگا کر اپنے کام میں مصروف ہوں۔

اگرچہ جنگ شروع ہوئے ایک گھنٹہ کے قریب ہو گیا تھا اور اس عرصہ میں چودہ پندرہ عیسائی مارے جا چکے تھے آٹھ دس زخمی ہو کر گر پڑے تھے لیکن مسلمان ایک بھی شہید نہیں ہوا تھا۔ البتہ کئی مسلمان زخمی ضرور ہو گئے تھے اور ان کے زخموں سے خون کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔ لیکن وہ کچھ ایسے جوش و غضب میں بھرے

ہوئے تھے اور کچھ ایسے اپنی ہستیوں کو بھولے ہوئے تھے کہ انہیں اپنے زخموں کی مطلق پرواہ نہ تھی۔ البتہ انہیں جوش اور جلال آ رہا تھا اور وہ اپنی لبی داڑھیاں اپنے دانتوں میں دبا کر پرزور حملے کر رہے تھے۔

مرۃ نے عیسائی دستہ کے افسر کو دیکھا۔ وہ جھپٹ کر اس پر حملہ آور ہوئے افسر نے ان کی تلوار اپنی ڈھال پر روکی۔ لیکن حملہ ایسا سخت تھا کہ تلوار ڈھال کا ایک حصہ کاٹ گئی۔

یہ کیفیت دیکھ کر افسر کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ فرط خوف و دہشت سے آنکھیں حلقوں میں دھنس گئیں۔ وہ رحم طلب نگاہوں سے مرۃ کو دیکھنے لگے۔

مرۃ نے فوراً ہی اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگا کر دوسرا حملہ اس کی گردن پر کیا۔ افسر وار نہ بچا سکا۔ تلوار چاندی کی ان باریک زنجیروں کو جو شانہ پر خود اور زرہ بکتر میں آویزاں تھیں کاٹ کر گردن اڑا گئی۔

افسر نے ایک ہولناک چیخ ماری اور اس کا لاشہ اچھل کر زمین پر گرا عیسائیوں نے دیکھا تو ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور بغلیں جھانکنے لگے۔

عین اسی وقت تمام مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگا کر نہایت شدت سے حملہ کیا۔ اس حملہ میں ہر مسلمان نے ایک ایک عیسائی کو مار ڈالا اب تک پچیس کے قریب عیسائی مارے جا چکے تھے اور باقی سب زخمی ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک بھی صحیح و سالم نہ رہا تھا۔ چنانچہ جو لوگ زخمی تھے اور گھوڑوں پر سوار تھے وہ گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے ان میں سے آٹھ سواروں کو اور گرا دیا۔ بڑی مشکل سے چھ عیسائی بھاگ کر اپنی جانیں بچا کر لے جا سکے۔ ان کے تیز رفتار گھوڑے انہیں بچا لے گئے۔

مسلمان تعاقب سے واپس لوٹ آئے۔ انہوں نے اس فتح پر خدا کا شکر ادا کیا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کر کے وہاں سے ایک درہ میں گھس کر چل پڑے۔

کہا۔ اے دوشیزہ صحرا میں تکلف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔

عربی دوشیزہ مسکرائی۔ ایاس کی نگاہوں کے سامنے بجلی سی کوند گئی اس حسینہ نے کہا۔ شاید آپ کو پیاس معلوم ہو رہی ہے۔

ایاس: جی ہاں دور سے سفر کئے چلا آ رہا ہوں۔

عربی دوشیزہ: یہ بات تو آپ کے لباس پر پڑے ہوئے ریت ہی سے ظاہر ہے۔ ایک لمحہ ٹھہریئے میں حاضر ہوئی۔

یہ کہتے ہی وہ خیمہ کے اندر گھس گئی اور فوراً ہی ایک کمبل کا ٹکڑا لا کر خیمہ کے دروازہ کے سامنے سایہ میں بچھا دیا اور نہایت ملائمت سے کہا تشریف رکھیئے۔

ایاس بیٹھ گئے عربی دوشیزہ پھر خیمہ کے اندر چلی گئی اور چند کھجوریں اور ایک کاٹھ کے پیالہ میں پانی لے کر آ گئی۔ اس نے جھک کر یہ دونوں چیزیں ایاس کے سامنے رکھ دیں۔

جب وہ جھکی تو ایاس کے اس قدر قریب ہو گئی کہ اس کے جسم کی خوشبو اور سانس کی مہک ایاس کی ناک میں پہنچی۔ ان پر بے خودی چھا گئی لیکن فوراً ہی عربی دوشیزہ سیدھی کھڑی ہو گئی۔ وہ سرو قد تھی اس کا قامت قیامت تھا۔ جامہ زیبی نے اسے اور بھی دلفریب بنا دیا تھا۔ اس نے ترنم ریز لہجہ میں کہا۔ معاف کیجئے۔ اس وقت اور کوئی ایسی چیز نہیں جسے پیش کیا جا سکے۔

ایاس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا میں کس زبان سے آپ کی اس مہمان نوازی کا شکریہ ادا کروں۔

عربی دوشیزہ نے قدرے کھل کر مسکراتے ہوئے کہا۔ اوہ شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مہمان کی مدارات کرنا تو ہمارا فرض ہے آپ دیکھ کیا رہے ہیں کھایئے نا۔

ایاس نے کھجوریں کھانی شروع کیں۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے طائف اور دوسری مشہور جگہوں کی کھجوریں کھائی تھیں۔ لیکن جو حلاوت اور جو شیرینی آج کے دن کی کھجوروں میں معلوم ہوئی وہ اس سے پہلے کبھی نہ معلوم ہوئی تھی۔

شاید اس کی [illegible] ہو کہ انہیں بھوک اور پیاس اس وقت زیادہ معلوم ہو رہی

تھی۔ انہوں نے کھجوریں کھا کر پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کر کے عربی دوشیزہ سے پوچھا کیا میں اپنی میزبانہ کا نام دریافت کرنے کی گستاخانہ جرات کر سکتا ہوں۔

عربی دوشیزہ نے شرمیلے لہجہ میں جواب دیا۔ میرا نام بدرۃ القمر ہے ایاس نے آہستگی سے کہا کیسا پیارا نام ہے۔

بدرۃ القمر نے دریافت کیا۔ آپ کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

ایاس: میں بنی عدی(۲) سے ہوں۔

بدرۃ القمر: آپ کا کیا نام ہے۔

ایاس: میرا نام ایاس ہے۔

بدرۃ القمر: کہاں سے آ رہے ہیں آپ؟

ایاس: ملک شام سے۔

بدرۃ القمر: شام کے کس حصہ سے؟

ایاس: موتہ سے۔

بدرۃ القمر: آنحضور صلعم نے ایک قاصد بصریٰ میں بھیجا تھا کیا وہ ملک شام میں پہنچ گئے۔

ایاس: افسوس ہے بے رحم اور سفاک عیسائیوں نے انہیں شہید کر دیا۔ یہ سنتے ہی بدرۃ القمر کا چہرہ فق پڑ گیا۔ فرط رنج و قلق سے اس کے چہرہ کی سرخی معدوم ہونے لگی۔ رسیلی اور نرگسی آنکھیں جھپکنے لگیں وہ جلدی سے بیٹھ گئی۔

ایاس اس کی کیفیت دیکھ رہے تھے انہیں افسوس ہوا کہ انہوں نے کیوں ایسی بات زبان سے نکالی جس سے اس حور جمال کے دل کو ٹھیس لگی۔ وہ اپنی حماقت پر پچھتانے لگے۔

دفعتہ بدرۃ القمر کا چہرہ متغیر ہو گیا اور اس پر غشی طاری ہونے لگی وہ پیچھے کی طرف جھک گئی۔ ایاس نے جلدی سے بڑھ کر اس حور وش کو سنبھالا۔

مگر جوں ہی انہوں نے بدرۃ القمر کے جسم کو چھوا وہ سنبھل گئی اور اپنے سہارے سے بیٹھ کر نحیف آواز میں بولی۔ مجھے ہاتھ نہ لگایئے.... اف اے خدا مجھے ضبط و صبر عطا فرما۔

ایاس جلدی سے الگ ہو گئے۔ بدرۃ الفقر کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہ نکلا۔ اس کے نورانی رخساروں پر آنسوؤں کی دھاریں بہنے لگیں اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ اللہ العالمین! یہ کیا کر دیا۔

ایاس بے قرار ہو گئے۔ اس پری رخسار کو مصروف گریہ و زاری دیکھ کر ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ بدرۃ الفقر کا حارث سے کیا رشتہ ہے۔ انہوں نے کہا ضبط و صبر کرو بدر۔

"بدر صبر۔۔۔ خدایا صبر دے۔۔۔"

اسی وقت ایک نوجوان اعرابی وہاں آگیا۔ وہ ہتھیار لگائے ہوئے تھا اس نے آتے ہی کہا اوہ یا اخت! تم رو رہی ہو۔ کیوں؟

ایاس نے اس نوجوان کو دیکھا نہایت خوبصورت اور قوی الجثہ تھا بدر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ آہ بھائی جان ظالم عیسائیوں نے چچا جان کو قتل کر ڈالا۔

نوجوان کے چہرہ سے بھی حزن و ملال کے آثار ظاہر ہوئے اس نے کہا انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یعنی جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور اسی کی طرف لوٹنے والا ہے۔

اب اس نے تسلی دہ لہجہ میں کہا۔ پیاری بہن آنسو نہ بہاؤ۔ یہ بزدلی کی دلیل ہے۔ اگر دشمنوں نے ہمارے چچا جان کو شہید کر دیا تو ہمیں انتقام لینے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ آنسو پونچھ ڈالو۔

بدر نے اپنے دوپٹہ کے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ہاں ہم سفاکوں سے ان کا انتقام لیں گے۔

بدر اور نوجوان دونوں بیٹھ گئے۔ اب نوجوان نے ایاس سے دریافت کیا کیا یہ واقعہ آپ کے سامنے ہوا؟

ایاس جی ہاں۔

اس کے بعد انہوں نے تمام واقعہ اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی گرفتاری اور حارث کی شہادت کا سنا دیا۔

نوجوان نے جوش میں آ کر کہا۔ رب کعبہ کی قسم میں ضرور ان بدعہد اور وحشی لوگوں سے ان کا انتقام لوں گا۔ تم کہاں جا رہے ہو؟

ایاس۔ دربار رسالت میں۔

نوجوان: بہن بدر! ہمیں بھی اب دربار رسالت میں ہی چلنا چاہئے۔ بدر میں خود یہی کہنے والی تھی آپ سے۔

نوجوان: تو بہن تیاری شروع کرو۔ تم نے مہمان کی تواضع بھی کی۔

ایاس: میں بہت زیادہ شکر گزار ہوں۔

بدر: بھائی جان اس وقت ہمارے پاس کچھ بھی نہ تھا صرف چند کھجوریں تھیں وہی میں نے پیش کر دیں۔

نوجوان خوب کیا۔ اچھا میں اونٹ لے آؤں۔

نوجوان اٹھ کر چلا گیا۔ ایاس نے کہا۔ معاف کرنا میری غلطی سے آپ کے نازک دل کو تکلیف پہنچی۔

بدر: میں تمہاری مشکور ہوں مجھے تم سے اپنے چچا جان کی شہادت کا حال تو معلوم ہو گیا۔

ایاس: تمہارے بھائی کا کیا نام ہے۔

بدر: خزیمہ ؓ ہے۔

اس وقت خزیمہ آگیا۔ اس نے ایاس کی مدد سے خیمہ گرا کر ایک اونٹ پر لادا۔ اس پر تمام سامان بار کر دیا۔ دوسرے اونٹ پر محمل رکھا اور اس میں بدر کو سوار کر دیا اور خود گھوڑے پر سوار ہو گئے اور یہ سب مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔

مدینہ منورہ میں پہنچ کر خزیمہ نے اول اپنی ہمشیرہ بدرۃ الفقر کو اپنے عزیزوں میں جا کر اتارا اور وہاں سے ایاس کے ساتھ دربار رسالت میں روانہ ہوئے۔

اس زمانہ میں دربار عام و خاص مسجد نبوی میں منعقد ہوتے تھے آنحضور صلعم کی رہائش کے لئے مسجد ہی کے ایک جانب حجرے تعمیر کئے گئے تھے جو کچے تھے اور ان کی چھتیں کھجور کی تھیں۔

جس وقت یہ دونوں مسجد نبوی میں پہنچے تو بلال موذن نہایت بلند آواز سے عصر کی اذان دے رہے تھے۔

حضرت بلال حبشی النسل تھے آپ اسلام کے ایسے شیدائی تھے کہ آپ کو کفار

ایاس جلدی سے الگ ہو گئے۔ بدرۃ القمر کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا۔ اس کے نورانی رخساروں پر آنسوؤں کی دھاریں بہنے لگیں اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ اللہ العالمین! یہ کیا کر دیا۔

ایاس بے قرار ہو گئے۔ اس پری رخسار کو مصروف گریہ و زاری دیکھ کر ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ بدرۃ القمر کا حارث سے کیا رشتہ ہے۔ انہوں نے کہا ضبط و صبر کرو بدر۔

"بدر صبر۔۔۔ خدایا صبر دے۔۔۔"

اسی وقت ایک نوجوان اعرابی وہاں آ گیا۔ وہ ہتھیار لگائے ہوئے تھا اس نے آتے ہی کہا اوہ یا اختا! تم رو رہی ہو۔ کیوں؟

ایاس نے اس نوجوان کو دیکھا نہایت خوبصورت اور قوی الجثہ تھا بدر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ آہ بھائی جان ظالم عیسائیوں نے چچا جان کو قتل کر ڈالا۔

نوجوان کے چہرہ سے بھی حزن و ملال کے آثار ظاہر ہوئے اس نے کہا انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یعنی جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور اسی کی طرف لوٹنے والا ہے۔

اب اس نے تسلی دہ لہجہ میں کہا۔ پیاری بہن آنسو نہ بہاؤ۔ یہ بزدلی کی دلیل ہے۔ اگر دشمنوں نے ہمارے چچا جان کو شہید کر دیا تو ہمیں انتقام لینے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ آنسو پونچھ ڈالو۔

بدر نے اپنے دوپٹہ کے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ہاں ہم سفاکوں سے ان کا انتقام لیں گے۔

بدر اور نوجوان دونوں بیٹھ گئے۔ اب نوجوان نے ایاس سے دریافت کیا کیا یہ واقعہ آپ کے سامنے ہوا؟

ایاس جی ہاں۔

اس کے بعد انہوں نے تمام واقعہ اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی گرفتاری اور حارث کی شہادت کا سنا دیا۔

نوجوان نے جوش میں آ کر کہا۔ رب کعبہ کی قسم ضرور ان بدعہد اور وحشی لوگوں سے ان کا انتقام لوں گا۔ تم کہاں جا رہے ہو؟

ایاس۔ دربار رسالت میں۔

نوجوان: بہن بدر! ہمیں بھی اب دربار رسالت میں ہی چلنا چاہئے۔ بدر میں خود یہی کہنے والی تھی آپ سے۔

نوجوان: تو بہن تیاری شروع کرو۔ تم نے مہمان کی تواضع بھی کی۔

ایاس: میں بہت زیادہ شکر گزار ہوں۔

بدر: بھائی جان اس وقت ہمارے پاس کچھ بھی نہ تھا صرف چند کھجوریں تھیں وہی میں نے پیش کر دیں۔

نوجوان خوب کیا۔ اچھا میں اونٹ لے آؤں۔

نوجوان اٹھ کر چلا گیا۔ ایاس نے کہا۔ معاف کرنا میری غلطی سے آپ کے نازک دل کو تکلیف پہنچی۔

بدر: میں تمہاری مشکور ہوں مجھے تم سے اپنے چچا جان کی شہادت کا حال تو معلوم ہو گیا۔

ایاس: تمہارے بھائی کا کیا نام ہے۔

بدر: خزیمہ ہے۔

اس وقت خزیمہ آ گیا۔ اس نے ایاس کی مدد سے خیمہ گرا کر ایک اونٹ پر لادا۔ اس پر تمام سامان بار کر دیا۔ دوسرے اونٹ پر محمل رکھا اور اس میں بدر کو سوار کر دیا اور خود گھوڑے پر سوار ہو گئے اور یہ سب مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔

مدینہ منورہ میں پہنچ کر خزیمہ نے اول اپنی ہمشیرہ بدرۃ القمر کو اپنے عزیزوں میں جا کر اتارا اور وہاں سے ایاس کے ساتھ دربار رسالت میں روانہ ہوئے۔

اس زمانہ میں دربار عام و خاص مسجد نبوی میں منعقد ہوتے تھے آنحضور صلعم کی رہائش کے لئے مسجد ہی کے ایک جانب حجرے تعمیر کئے گئے تھے جو کچے تھے اور ان کی چھتیں کھجور کی تھیں۔

جس وقت یہ دونوں مسجد نبوی میں پہنچے تو بلال موذن نہایت بلند آواز سے عصر کی اذان دے رہے تھے۔

حضرت بلال حبشی النسل تھے آپ اسلام کے ایسے شیدائی تھے کہ آپ کو کفار

ایاس جلدی سے الگ ہو گئے۔ بدرۃ الفجر کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا۔ اس کے نورانی رخساروں پر آنسوؤں کی دھاریں بہنے لگیں اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ اللہ العالمین! یہ کیا کر دیا۔

ایاس بے قرار ہو گئے۔ اس پری رخسار کو مصروف گریہ و زاری دیکھ کر ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ بدرۃ الفجر کا حارث سے کیا رشتہ ہے۔ انہوں نے کہا ضبط و صبر کرو بدر۔

"بدر صبر۔۔۔ خدایا صبر دے۔۔۔"

اسی وقت ایک نوجوان اعرابی وہاں آ گیا۔ وہ ہتھیار لگائے ہوئے تھا اس نے آتے ہی کہا اوہ یا اختا! تم رو رہی ہو۔ کیوں؟

ایاس نے اس نوجوان کو دیکھا نہایت خوبصورت اور قوی الجثہ تھا بدر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ آہ بھائی جان ظالم عیسائیوں نے چچا جان کو قتل کر ڈالا۔

نوجوان کے چہرہ سے بھی حزن و ملال کے آثار ظاہر ہوئے اس نے کہا انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یعنی جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور اسی کی طرف لوٹنے والا ہے۔

اب اس نے تسلی دہ لہجہ میں کہا۔ پیاری بہن آنسو نہ بہاؤ۔ یہ بزدلی کی دلیل ہے۔ اگر دشمنوں نے ہمارے چچا جان کو شہید کر دیا تو ہمیں انتقام لینے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ آنسو پونچھ ڈالو۔

بدر نے اپنے دوپٹہ کے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ہاں ہم سفاکوں سے ان کا انتقام لیں گے۔

بدر اور نوجوان دونوں بیٹھ گئے۔ اب نوجوان نے ایاس سے دریافت کیا کیا یہ واقعہ آپ کے سامنے ہوا؟

ایاس جی ہاں۔

اس کے بعد انہوں نے تمام واقعہ اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی گرفتاری اور حارث کی شہادت کا سنا دیا۔

نوجوان نے جوش میں آ کر کہا۔ رب کعبہ کی قسم ضرور ان بدعہد اور وحشی لوگوں سے ان کا انتقام لوں گا۔ تم کہاں جا رہے ہو؟

ایاس۔ دربار رسالت میں۔

نوجوان: بہن بدر! ہمیں بھی اب دربار رسالت میں ہی چلنا چاہئے۔ بدر میں خود یہی کہنے والی تھی آپ سے۔

نوجوان: تو بہن تیاری شروع کرو۔ تم نے مہمان کی تواضع بھی کی۔

ایاس: میں بہت زیادہ شکر گزار ہوں۔

بدر: بھائی جان اس وقت ہمارے پاس کچھ بھی نہ تھا صرف چند کھجوریں تھیں وہی میں نے پیش کر دیں۔

نوجوان خوب کیا۔ اچھا میں اونٹ لے آؤں۔

نوجوان اٹھ کر چلا گیا۔ ایاس نے کہا۔ معاف کرنا میری غلطی سے آپ کے نازک دل کو تکلیف پہنچی۔

بدر: میں تمہاری مشکور ہوں مجھے تم سے اپنے چچا جان کی شہادت کا حال تو معلوم ہو گیا۔

ایاس: تمہارے بھائی کا کیا نام ہے۔

بدر: خزیمہ ہے۔

اسی وقت خزیمہ آ گیا۔ اس نے ایاس کی مدد سے خیمہ گرا کر ایک اونٹ پر لادا۔ اس پر تمام سامان بار کر دیا۔ دوسرے اونٹ پر محمل رکھا اور اس میں بدر کو سوار کر دیا اور خود گھوڑے پر سوار ہو گئے اور یہ سب مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔

مدینہ منورہ میں پہنچ کر خزیمہ نے اول اپنی ہمشیرہ بدرۃ الفجر کو اپنے عزیزوں میں جا کر اتارا اور وہاں سے ایاس کے ساتھ دربار رسالت میں روانہ ہوئے۔

اس زمانہ میں دربار عام و خاص مسجد نبوی میں منعقد ہوتے تھے آنحضور صلعم کی رہائش کے لئے مسجد ہی کے ایک جانب حجرے تعمیر کئے گئے تھے جو کچے تھے اور ان کی چھتیں کھجور کی تھیں۔

جس وقت یہ دونوں مسجد نبوی میں پہنچے تو بلال موذن نہایت بلند آواز سے عصر کی اذان دے رہے تھے۔

حضرت بلال حبشی النسل تھے آپ اسلام کے ایسے شیدائی تھے کہ آپ کو کفار

بات سب کو معلوم ہو چکی ہے کہ شہیدوں کے لئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں پھر کون مسلمان ہے جو شہید ہو کر جنت میں داخل ہونا نہ چاہے گا۔

حضرت علی کرم اللہ: جنت تلوار کے سایہ میں ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں شہادت نصیب ہو۔

آنحضور صلعم: لوگو! جب مسلمان مذہب کے لئے سرفروشی پر آمادہ ہوتا ہے۔ اور دین حنیف کے لئے تلوار اٹھاتا ہے تو خدا کی رحمت جوش میں آ جاتی ہے فرشتے اس کی حمایت کے لئے اتر آتے ہیں۔ جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور حوریں دروازوں پر آ کھڑی ہوتی ہیں۔ غیر مسلم مسلمانوں کو مٹا کر اسلام کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن نہیں جانتے کہ یہ مذہب قیامت تک رہے گا۔ اسے مٹانا ناممکن ہے۔ عیسائیوں نے ہمیں ناچیز جان کر ہمارے قاصد کو شہید کر دیا ہے۔ مسلمان کا انتقام لینا مسلمانوں پر فرض ہے اس لئے تمام مسلمانوں کو تیار ہو جانا چاہئے۔ یہ مہم معمولی نہیں بلکہ نہایت اہم ہے۔ ایک عظیم الشان سلطنت سے پہلا مقابلہ ہے۔ اس لئے مجاہدین سروں سے کفن باندھ کر چلیں اور حرق میں جمع ہو جائیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر مسلمانوں کو بڑی مسرت ہوئی انہوں نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا۔

اس کے بعد ایاس نے اپنی اور اپنے ہمراہیوں کی گرفتاری اور رہائی کی تمام روئداد سنائی جسے سن کر مسلمانوں کو بڑا جوش و غصہ آیا۔ آنحضور صلعم رہ گئے۔ کچھ وقفہ کے بعد حضور نے فرمایا۔ ایاس خدا نے تمہارے ساتھیوں کو پہلی فتح فرمائی۔ خدا ان کی حفاظت کرے گا۔

ایاس کو یہ مسرت خیز خبر سن کر اطمینان ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد آنحضور صلعم تشریف لے گئے۔ مسلمان بھی اٹھ اٹھ کر چلے گئے ایاس اور خریمہ بھی اپنے جائے قیام کی طرف روانہ ہوئے۔

(۱) حرق مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر جانب مشرق واقع تھا۔ یہاں ایک نخلستان تھا آبادی کچھ زیادہ نہ تھی صرف چند نفوس رہتے تھے اور سب تجارت پیشہ

تھے (صادق صدیقی)

(۲) قبیلہ بنی عدی قریش کی ایک شاخ تھی عرب میں تین قبائل نہایت ذی عزت اور شریف تھے ایاد' ربیعہ' معز' معز کے مشہور قبیلہ کنانہ میں فہر بن مالک ہوے۔ جنہیں قریش بھی کہتے تھے قریش کی اولاد میں بنی عدی تھے۔ ایاس اس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ از اسلامی انسائیکلو پیڈیا مصنفہ مولوی محبوب عالم مرحوم

باب نمبر ۱۲

دلکش چاندنی رات

مسلمان جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ فرزندان توحید میں جوش و خروش کا طوفان امنڈ آیا تھا۔ مرد تو مرد عورتیں اور بچے تک انتقام پکارنے لگے تھے۔

آنحضور صلعم نے مسلمانوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ تمام حرق میں جا کر جمع ہو جائیں۔ چنانچہ سرفروشان ملت آبادی کے باہر آ آ کر ٹھہرنے لگے تھے ہم بیان کر چکے ہیں کہ حرق ایک چھوٹی سی بستی تھی اور اس میں صرف ایک ہی نخلستان تھا۔

ہندوستان کے وہ باشندے جنہوں نے حجاز نہیں دیکھا اور جنہیں بیت اللہ کے حج کرنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی...... نہیں جانتے کہ وہ سرزمین کس قسم کی واقع ہوئی ہے۔

وہاں ریگستان ہے خشک ریگستان سوائے ریت کے تودوں اور ریگ کے میدانوں کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر پہاڑ بھی ہیں تو وہ بھی برہنہ اور جھلسے ہوئے نہ ان پر سبزہ ہے نہ درخت ہیں نہ ان سے چشمے پھوٹتے ہیں نہ دریا بہہ کر نکلتے ہیں جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی ہے ریگستان ہی ریگستان نظر آتا ہے۔ آب و ہوا خشک ہے بارش کئی کئی سال نہیں ہوتی۔

لیکن کہیں کہیں قدرت نے ان ریگستانوں میں نخلستان بھی بنا دیئے ہیں عرب ان نخلستانوں کو نہایت ہی عزیز رکھتے اور قدرت کا بہترین عطیہ سمجھتے ہیں۔

جبکہ دن میں باد سموم کے تیز و تند جھونکے چلتے ہیں اور آفتاب اپنی پوری شکن تمازت کے ساتھ ریگستان کو شعلہ زار بنا دیتا ہے۔ تیز دھوپ ناقابل برداشت ہو جاتی ہے اس وقت اعرابی ان نخلستانوں میں پناہ لینا ہزار غنیمت سمجھتے ہیں۔

نخلستان میں کھجوروں کے چھوٹے بڑے بے ترتیب درخت ہوتے ہیں کچھ سبزہ ہوتا ہے اور درمیان میں ایک کنواں ہوتا ہے۔

چنانچہ مسلمان مدینہ منورہ سے آ کر حرق کے نواحی نخلستان اور اس کے قرب و جوار میں مقیم ہو گئے تھے۔ ان میں سے بعض کے ساتھ ان کے اہل و عیال بھی آ گئے تھے۔

خزیمہ بھی اپنی ہمشیرہ بدرۃ القمر کے ساتھ نخلستان کے ایک گوشہ میں آ کر ٹھہر گئے تھے۔ اگرچہ ایاس نے ان سے علیحدہ ٹھہرنا چاہا لیکن خزیمہ نے انہیں اپنے پاس ہی ٹھہرایا گویا وہ ابھی تک خزیمہ کے مہمان تھے۔

خزیمہ کے والدین کا عرصہ ہوا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے قدسی نفس چچا حارث نے ان کی اور ان کی بہن کی پرورش اپنی اولاد کی طرح کی تھی اسی لئے ان دونوں بہن اور بھائی کو ان کی شہادت کا بڑا صدمہ اور قلق تھا اور سب سے زیادہ یہی دونوں انتقام لینے کے لئے بے چین نظر آتے تھے۔

ایاس جتنا بدرۃ القمر سے علیحدہ رہنے کی کوشش کرتے اتنا ہی ان کا دل اس کی قربت کے لئے مچلتا تھا مگر وہ دل پر جبر کر کے الگ تھلگ ہی رہتے تھے۔

بدرۃ القمر بھی بہت کم ان کے سامنے آتی تھی مگر جب آتی تھی تو قیامت ڈھا جاتی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر بے چین ہو جاتے تھے۔ ہمہ تن نظر بن کر اسے دیکھنے لگتے تھے۔ بدر ان کی تیز نگاہیں دیکھ کر شرما جاتی تھی۔ اس کی شرمیلی نگاہیں شرمیلا چہرہ اور شرمیلی ادائیں زہد شکن ہوتی تھیں۔

وہ حوروں جیسی معصوم اور پریوں جیسی حسین تھی۔

ایک شب کو مسلمانوں نے عشا کی نماز نخلستان کے ایک طرف جماعت کے ساتھ ادا کرنی شروع کی۔ چونکہ کئی ہزار مسلمان جمع ہو گئے تھے اس لئے دور تک ان کی صفیں قائم ہو گئی تھیں۔

چاندنی رات تھی چاند نکلا ہوا تھا چاندنی سفید ریت پر بکھری ہوئی تھی مسلمان سفید لباس پہنے ہوئے تھے۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا جیسے نوری نماز پڑھ رہے ہوں۔

نماز سے فارغ ہو کر سب اپنی اپنی قیام گاہوں کی طرف چل پڑے خزیمہ اور

ایاس بھی چلے کچھ دور چل کر خزیمہ نے کہا۔ تم چلو ایاس میں ذرا حضرت خالد سے مل آؤں۔

ایاس نے اچھا کہا۔ اور خیمہ کی طرف چل پڑے۔ خزیمہ دوسری طرف روانہ ہو گئے۔

ایاس چاندنی کا دلفریب لطف اٹھاتے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ ٹھنڈی چاندنی سفید ریت پر بکھری ہوئی تھی۔ جس طرف نظر جاتی تھی نور کی بارش ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔ جس خیمہ پر وہ مقیم تھے وہ نخلستان کے ایک طرف واقع تھا۔ اس کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے کھجور کے درختوں کی قطاریں کھڑی تھیں اور ان درختوں کے پار سے ریگ زار شروع ہو گیا تھا۔

جب ایاس خیمہ پر پہنچے تو انہوں نے بدرۃ القمر کو وہاں نہیں دیکھا وہ سمجھے شاید وہ حور طلعت کسی خاتون سے ملنے اس کے خیمہ پر چلی گئی ہے۔

وہ آگے بڑھ گئے اور کھجوروں کی قطاروں سے نکل کر ریگستانی میدان میں جا پہنچے۔ یہاں انہوں نے بدرۃ القمر کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ وہ نہایت اطمینان اور حوروں جیسی شان سے کھڑی ریگستان پر چاندنی کی بارش کا دلکش منظر دیکھ رہی تھی خود اس پر بھی چاندنی بکھر رہی تھی۔ اور اس کے آئینہ تمثال چہرہ پر چاند کی ٹھنڈی شعاعیں نور پاشی کر رہی تھیں۔ اس کی صورت جگمگا رہی تھی۔

ایاس اس کے رخ زیبا کو ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگے' بدرۃ القمر کو ان کے آنے کی خبر ہی نہ ہوئی۔ وہ جس شان سے کھڑی تھی کھڑی رہی کچھ وقفہ کے بعد وہ گھومی۔ شاید خیمہ پر چلنے کے لئے اب اس کی نگاہ ایاس پر پڑی اس کی ہوشیا نظریں دیکھ کر ایاس لڑکھڑا گئے اور بدرۃ القمر بھی شرما گئی۔

ایاس نے سنبھل کر کہا۔ تم چاندنی کی سیر کرنے آئی تھیں۔ بدرۃ القمر؟ بدرۃ القمر نے شرمیلے لہجہ میں جواب دیا۔ جی ہاں دیکھئے اس وقت کیسا پرکیف منظر ہے۔ سفید ریت پر دودھیا چاندنی بکھری ہوئی کیسی بھلی معلوم ہو رہی ہے۔ جیسے قدرت نے سفید ریت پر نور کی بارش کر رکھی ہو۔

ایاس: بے شک ریگ زار اس وقت نور میں نہا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے

تمہیں قدرتی مناظر سے دلچسپی ہے۔

بدرۃ القمر: بہت زیادہ کیا آپ کو نہیں ہے....؟

ایاس: میں تو ان کا دلدادہ ہوں۔

بدرۃ القمر: قدرے مسکرائی اس نے کہا میرا بھی یہی خیال تھا۔

ایاس: اس عروہ حور کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کے سمجھ ہی میں نہ آیا کہ اس نے یہ فقرہ کیوں چست کیا۔ وہ کچھ دیر تک دیکھتے رہے۔ آخر بولے بدرۃ القمر نہ معلوم کیوں وہ فقرہ پورا نہ کر سکے۔ بدرۃ القمر نے انہیں نگاہ ناز سے دیکھتے ہوئے کہا کہئے۔

ایاس: کیا کہوں.... کہنا چاہتا ہوں مگر....

بدرۃ القمر: کہا نہیں جاتا۔

ایاس: ہاں

بدرۃ القمر: تب نہ کہیے۔

ایاس: لیکن کہنا بھی ضروری ہے۔

بدرۃ القمر: پھر کہہ ڈالیے۔

ایاس: مجھے خوف ہے۔

بدرۃ القمر: خوف ایک مسلمان کو خوف تعجب ہے۔

ایاس: مجھے خود حیرت ہے۔

بدرۃ القمر: میری خفگی سے۔

اس نے بھولے پن سے کہا۔ مگر میں خفا کیوں ہوں گی۔

ایاس کو اس سیم تن کا یہ بھولا پن بڑا ہی دلکش معلوم ہوا۔ مگر وہ فوراً ہی جواب نہ دے سکے۔ سوچ میں پڑ گئے۔

بدرۃ القمر معصوم چہرہ اٹھائے بھولی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی وہ اس حسین ساحرہ کی سحر خیز نگاہیں دیکھ کر مسحور ہو رہے تھے کچھ وقفہ کے بعد بدرۃ القمر نے کہا آپ کیا سوچ رہے ہیں؟

ایاس سنبھلے انہوں نے کہا کچھ نہیں.... میں۔

بدرۃ القمر: آپ نہیں بتانا چاہتے۔ لیکن کہئے تو میں بتا دوں۔

ایاس نے متعجب ہو کر اس کے رخ انور پر نظریں جما دیں۔ بدرۃ القمر شرمیلی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔ جب ایاس حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہی رہے اور بولے۔ کچھ نہیں تو اس نے ہی کہا۔ آپ کو تعجب کیوں ہوا؟

ایاس: اس لئے کہ تم نے اس وقت بات ہی ایسی کہی۔

بدرۃ القمر: مگر اس میں حیران ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

ایاس: شاید اس لئے کہ تم ساحرہ ہو۔ اور ہر ساحرہ ہر ایک کے دل کا حال معلوم کر لیا کرتی ہے۔

بدرۃ القمر دلفریب ادا کے ساتھ مسکرائی۔ اس نے کہا۔ مگر میں جادو کے نام سے بھی واقف نہیں ہوں۔

ایاس: تب تمہیں میرے دل کا حال کس طرح معلوم ہو سکتا ہے۔

بدرۃ القمر: واقعات اور قرائن سے۔

ایاس: ہو سکتا ہے۔

بدرۃ القمر: جس لڑکی نے موت کے مقام پر آپ کو رہائی دلائی تھی کیا وہ حسین تھی۔

ایاس: بہت زیادہ۔

بدرۃ القمر کا چہرہ کچھ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے کہا کیا آپ نے کسی چاندنی رات میں اسے دیکھا تھا؟

ایاس: دیکھا تھا۔

بدرۃ القمر: اس وقت وہی منظر آپ کو یاد آ گیا۔

ایاس: وہ منظر......

بدرۃ القمر: ہاں۔

ایاس: نہیں۔

بدرۃ القمر: آپ اس کے مداح نہیں؟

ایاس: صرف اس قدر کہ اس نے مجھے رہائی دلا کر مجھ پر احسان کیا ہے۔

بدرۃ القمر: اور اس کے احسان کی وجہ سے آپ کے دل پر اس کی صورت نقش ہو گئی ہے۔

ایاس: نہیں بلکہ ایک اور ہی صورت میرے دل پر نقش ہے۔

بدرۃ القمر: کسی اور عیسائی حسینہ کی۔

ایاس: نہیں بلکہ ایک عربی دوشیزہ کی۔

بدرۃ القمر: کہاں دیکھا تھا اسے آپ نے؟

ایاس: ایک نخلستان میں۔

بدرۃ القمر: کب؟

ایاس: کئی دن ہوئے۔

بدرۃ القمر: اب وہ کہاں ہے؟

ایاس: میرے سامنے۔

بدرۃ القمر شرما گئی۔ وہ حیا پرور دلکش نگاہوں سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

ایاس: سہم گئے۔ انہیں خوف ہوا کہ کہیں وہ پری رو اس سے کچھ خفا تو نہیں ہو گئی۔ انہوں نے کہا۔ معاف کرنا بدرۃ القمر مجھ سے قصور ہو گیا۔

جس صفائی سے میں نے اظہار خیال کیا۔ اس کا طریقہ نامناسب تھا۔

بدرۃ القمر نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔ اس وقت رات زیادہ آ گئی ہے بھائی جان انتظار کر رہے ہوں گے۔ ہمیں چلنا چاہئے۔

ایاس چلئے۔ لیکن چلنے سے پہلے یہ بتا دیجئے کہ آپ خفا تو نہیں ہو گئی ہیں۔

بدرۃ القمر: اس تذکرہ کو رہنے دیجئے۔

ایاس: لیکن مجھے فکر رہے گی۔

بدرۃ القمر: فکر...... اچھا آپ فکر نہ کریں۔

ایاس: گویا آپ خفا نہیں ہیں۔

بدرۃ القمر: نہیں آیئے اب چلیں۔

یہ کہتے ہی وہ چل پڑی۔ ایاس نے کہا ایک ذرا اور توقف کیجئے۔

بدرۃ القمر: نہیں اب ہمیں یہاں ٹھہرنا نہیں چاہئے۔

ایاس: صرف ایک بات سن لیجئے۔

بدرۃ القمر: شاید اس طرف کوئی آ رہا ہے۔

ایاس: چپ ہو کر اس کے پیچھے چل پڑے اور دونوں کھجوروں کے درختوں کی قطار میں گھس کر غائب ہو گئے۔

چند ہی دنوں میں مجاہدین اسلام کی تعداد تین ہزار کے قریب جمع ہو گئی۔ چونکہ وہ زمانہ ابتدائی تھا۔ اسلام عربوں میں آہستہ آہستہ ترقی کر رہا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ پھر اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کی کمی نہ تھی۔ مشرک عرب اور خود سر یہودی اسلام کی دشمنی میں حد سے بڑھ گئے تھے ہر ممکن کوشش مسلمانوں کو ستانے اور مٹانے کی کرتے رہتے تھے۔ رات دن امن شکنی اور بغاوت کی فکر میں مشغول و مصروف رہتے تھے۔

چنانچہ ان کی ریشہ دوانیوں سے بچنے اور امن و آشتی قائم رکھنے کے لئے مدینہ منورہ میں بھی اس قدر لشکر کا رہنا بہت ضروری تھا جس سے دشمنان اسلام کو بغاوت کا حوصلہ نہ ہو۔

اس زمانہ تنخواہ دار فوجیں نہ تھیں۔ نہ اتنا سرمایا تھا کہ سپاہیوں کو تنخواہیں دی جاتیں۔ بلکہ تنخواہوں کا تو ذکر ہی کیا ہے مجاہدین اسلام کے لئے گھوڑوں زرہ بکتروں اور ہتھیاروں تک کا بندوبست نہ ہو سکتا تھا بے چارے مجاہدین یہ چیزیں بھی خود ہی فراہم کیا کرتے تھے۔

پھر مسلمان اتنے متمول نہ تھے کہ وہ جنگی ضروریات کی چیزیں خود بھی خرید لیں اور دوسروں کو بھی خرید دیں۔ اس لئے اسلامی سرفروش پورے طور پر مسلح بھی نہ ہونے پائے تھے۔

مگر ان کے دلوں میں اس قدر جوش جہاد اور شوق شہادت تھا کہ باوجود بے سروسامانی کے آنحضور صلعم کا ارشاد ہوتے ہی میدان جنگ میں جانے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔

جو لوگ حرق میں آ کر جمع ہوئے ان سب کے پاس نہ گھوڑے تھے نہ اونٹ تھے۔ نہ پورے ہتھیار تھے۔ اگر کسی کے پاس ترکش' تیر کمان اور تلوار تھی تو کسی

کے پاس محض خنجر اور نیزہ ہی تھا۔ اور زرہ بکتریں تو شاید سو سوا ہی لوگوں کے پاس ہوں۔ البتہ چمڑے کے ایسے دستانے جن میں ہتھیلیاں نہ تھیں۔ اور جو کہنیوں تک تھے۔ اور ایسے موزے جو ٹخنوں سے گھٹنوں تک تھے۔ سب کے پاس تھے۔ عرب عموماً ان دونوں چیزوں کو پہنا کرتے تھے۔

ایک دن جب صبح کی نماز سے فراغت ہوئی تو ایک اعرابی مدینہ منورہ سے آئے اور انہوں نے حرق میں جمع ہونے والوں کو بتایا کہ سرور کائنات فخر موجودات باعث تخلیق عالم' فخر بنی آدم' رسول خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ اسلام کے فدا کار استقبال کی تیاریاں کرنے لگے۔

تمام لشکر میں نقل و حرکت شروع ہو گئی۔ ہر شخص نے لباس بدل ڈالا اور جس کے پاس جتنے ہتھیار تھے لگا کر مسلح ہو گیا۔

یہ لشکر کئی دستوں میں منقسم ہو گیا اور ہر دستہ اس راستہ پر جا کھڑا ہوا جو مدینہ منورہ سے حرق میں آتا تھا۔

خزیمہ اور ایاس بھی مسلح ہو کر خیمہ سے نکلے دروازے سے باہر بدرۃ القمر کھڑی تھی۔ اس کے روئے منور پر آفتاب کی شعاعیں تڑپ رہی تھیں جس سے اس کے گلابی عارض میں بجلیاں سی کوند رہی تھیں اور اس کے روشن چہرہ کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھا جا سکتا تھا۔

ایاس نے اس قمر طلعت کو دیکھا۔ آہستہ سے کہا۔ دھوپ میں کیوں کھڑی ہو بدرۃ القمر..... خیمہ کے اندر چلی جاؤ۔

خزیمہ نے کہا ہاں قمر تمہیں دھوپ میں کھڑا ہونا نہیں چاہئے۔

بدرۃ القمر نے نور فگن نگاہوں سے ایاس کو دیکھا اور مسکرا کر کہا آپ میری فکر نہ کریں میں موم کی گڑیا نہیں ہوں کہ آفتاب کی تمازت سے پگھل جاؤں گی۔

خزیمہ نے مسکرا کر کہا۔ سنا تم نے ایاس! یہ بڑی شوخ اور حاضر جواب ہے۔

ایاس حسن کی وادی میں کھوئے ہوئے تھے۔ وہ سنبھلے انہوں نے کہا آخر تو تمہاری ہی بہن ہیں نا۔

خزیمہ: مگر میری طبیعت میں شوخی نہیں ہے ایاس۔

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے۔ حور وش بدرۃ القمر نہایت دلفریب انداز...

لیاس کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ لیاس نے آہستگی سے کہا۔ مجھے خوف ہے کہیں آفتاب تمہارے گلابی چہرہ کا رنگ نہ اڑا لے۔

بدرۃ الفجر شرما کر خیمہ کے اندر چلی گئی۔ لیاس بڑھ کر خزیمہ کے پاس آ گئے اور دونوں سرِ راہ جا کھڑے ہوئے۔

اس وقت تمام مجاہدین آ گئے تھے۔ سب پیدل تھے اور راستہ کے دونوں سروں پر دور تک بکھرے اور پھیلے ہوئے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں مدینہ منورہ کی طرف سے غبار اٹھا اور بڑھ کر قریب آ گیا جب غبار کا دامن چاک ہوا تو چند اونٹوں پر سوار کچھ اعرابی آتے نظر آئے لوگوں نے ابھر ابھر کر دیکھنا شروع کیا۔ سب سے اگلے اونٹ پر آنحضور صلعم سوار تھے۔ ان کے پیچھے حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان غنیؓ حضرت علی کرمؓ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ حضرت زیدؓ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور کئی اعرابی آ رہے تھے سب اونٹوں پر سوار تھے۔

حضورؐ کو دیکھتے ہی مسلمانوں کے چہرے فرطِ مسرت سے چمک اٹھے انہوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا پر شور نعرہ دیا۔

اور جب سرکار دو عالم حضور صلعم بالکل قریب تشریف لے آئے تو مسلمانوں نے نعرہ لگایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مبارک۔

حضورؐ کا چہرہ روشن تھا۔ آپ تبسم فرما رہے تھے۔ مجاہدین کے پاس آتے ہی اپنا اونٹ روکا اور سب اونٹ بھی رک گئے اور حضور کے ہمراہی اونٹوں سے اس لئے جلدی جلدی کود پڑے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور پہلے اتر جائیں۔ اور وہ سوار ہی رہیں۔ جس سے گستاخی ہو جائے۔

چنانچہ جب حضورؐ اونٹ سے اترے تو سب حضورؐ سے پہلے ہی اتر چکے تھے۔ آپ مجاہدین اسلام کی طرف بڑھے۔ شیران اسلام نہایت ادب سے کھڑے ہو گئے۔ کسی نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔

یہ حقیقت ہے کہ جیسے جان نثار اور ادب و تعظیم کرنے والے حضورؐ کے صحابی تھے ایسے دوسرے نبیوں کو نہیں ملے۔

حضورؐ کو دیکھتے ہی مسلمانوں کے دلوں میں جوش محبت کا طوفان امنڈ آیا تھا اور وہ

اپنی نظریں حضور کے قدموں کے نیچے بچھا دیتے تھے۔ خوش تھے وہ لوگ اس لئے کہ انہیں حضورؐ کی زیارت کا شرف حاصل ہو جاتا تھا۔

حضورؐ نے تمام لشکر پر سرسری نگاہ ڈالی اور درمیان میں ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ حضورؐ کے پشت کی جانب وہ لوگ آ کھڑے ہوئے جو آپ کے ساتھ مدینہ منورہ سے آئے تھے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ یا ایھا المسلمین (اے مسلمانو) خدا کا شکر و احسان ہے کہ تم جہاد کے لئے کمربستہ ہو گئے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے لڑنے والوں کو فردوس بریں میں داخل ہونے کی بشارت دی ہے۔ پروردگار عالم اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔

ترجمہ۔ یعنی لیکن رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا۔ ان کے لئے بھلائیاں ہیں۔ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے ایسی بہشتیں تیار کی ہیں۔ جن میں نہریں چلتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑا مراد پانا ہے۔

مسلمانو! جنت تلوار کے سایہ میں ہے۔ جہاد میں شریک ہونے والا جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور جو لڑائی سے جی چراتا ہے وہ فردوس بریں سے محروم رہ جاتا ہے۔

لیکن جہاد کے ساتھ ہی نماز بھی فرض ہے۔ مسلمان وہ ہے جو کسی حالت میں بھی نماز قضا نہ کرے۔ نماز میں انسان اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ نماز پڑھنے والے کے تمام غم و فکر ترود اور پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔

جب نمازی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو پروردگار عالم اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کے ہجوم آلام غموں اور فکروں کو دور کر دیتا ہے نماز سے کبھی غافل نہ ہونا۔ کیونکہ اس کی غفلت سے خدا ناخوش ہو جائے گا اور اس کی ناخوشی تمہیں پستی میں ڈال دے گی۔

تم ایک قہار حکومت سے مقابلہ کرنے کے لئے جا رہے ہو۔ نہیں کہا جا سکتا کہ کس قدر فوجیں اور کس سروسامان کے ساتھ تمہارے مقابلہ میں آئیں تم گھبراؤ نہیں۔ خدا کی رحمت اور مدد کی امید رکھنا انشاء اللہ وہ تمہاری نصرت کرے گا۔ اور تم کامیاب ہو گے۔ خدائے ذوالجلال نے فرمایا ہے۔ یعنی ہم ضرور مسلمانوں کی مدد کریں،

گے اور جب خدا مدد کرے گا پھر کون سی طاقت مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

حرق میں کئی یہودی بھی آباد تھے۔ وہ بھی کھڑے ہوئے آقائے دو جہاں کا وعظ سن رہے تھے۔ حضور نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

مسلمانو! خدا سے ہر وقت ڈرتے رہو۔ خدا سے ڈرنے والے کسی سے نہیں ڈرا کرتے مسلمان کے دل میں کسی کا خوف نہیں سما سکتا۔ حتیٰ کہ موت کا بھی نہیں۔ کیونکہ دنیا میں جو پیدا ہوا ہے وہ ایک روز ضرور فنا ہو گا۔ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کل نفسٍ ذائقۃ الموت یعنی ہر ذی روح موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔

ہر ایک کے لئے موت کا وقت اور طریقہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس سے رستگاری ناممکن ہے۔ پھر موت سے ڈرنا کیسا۔

اصلی زندگی مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ دنیا دار المحن ہے اور عقبیٰ دار السرور اسی لئے دنیا پر عقبیٰ کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اس لشکر کا سپہ سالار زید بن حارثہ کو مقرر کیا جاتا ہے۔ زید آگے بڑھو اور رایت اسلام کو سنبھالو۔

زید حضورؐ کی پشت پر کھڑے تھے وہ بڑھ کر سامنے آئے حضورؐ نے انہیں علم دے کر لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ مسلمانو! اگر زید کو کوئی حادثہ پیش آئے تو جعفر بن ابی طالب کو لشکر کا سردار مقرر کیا اور اگر یہ بھی حادثہ کا شکار ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ کو امیر لشکر بنا لینا اور اگر یہ بھی قضاء الٰہی میں مبتلا ہو جائیں تو پھر تمہیں اختیار ہے کہ جسے چاہنا اپنا امیر بنا لینا۔

ایک یہودی نے دوسرے سے کہا۔ اسرائیل میں جو نبی ہوئے تھے ان کا قول پورا ہوا یہ بھی نبی ہیں تو یقیناً وہ تینوں اصحاب جنگ میں مارے جائیں گے۔ جنہیں انہوں نے سردار مقرر کیا ہے۔

دوسرے نے کہا خاموش رہو۔ کوئی مسلمان سن لے گا تو ناخوش ہو گا۔

اب آنحضور صلعم نے فرمایا۔ مسلمانو! آج تیاری کر لو۔ اور کل صبح کی نماز پڑھتے ہی کوچ کر دینا۔ میں اور تمام مسلمان تمہارے لئے دعائے خیر کرتے رہیں۔۔۔

اب مسلمانوں نے حضورؐ سے مصافحے شروع کئے اور جب سب مصافحے کر چکے تب حضورؐ مع صحابہؓ کے لوٹ آئے اور مجاہدین نے تیاری شروع کر دی۔

باب نمبر ۱۳

کوچ

آنحضورؐ کے وعظ تلقین سے مسلمانوں میں بڑا جوش و ولولہ پیدا ہو گیا تھا ہر مجاہدین کے دل میں جہاد کی امنگ اور شہادت کا شوق ایسا پیدا ہو گیا تھا کہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔

سب خوش ہو ہو کر تیاریاں کرنے لگے تھے۔ اگرچہ کوئی نہیں جانتا کہ کتنے دشمنوں سے مقابلہ ہو گا۔ اس معرکے سے مع الخیر واپس بھی لوٹیں گے یا نہیں۔ لیکن اس پر بھی جذبہ جہاد اور شوق شہادت نے سب کو مسرور کر رکھا تھا۔

اسی روز شام کے وقت عصر کی نماز پڑھ کر ایاس آ رہے تھے کہ انہیں راستہ میں حضرت خالد مل گئے ایاس نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دے کر کہا ایاس! ابھی تمہارے والد کی کوئی خبر نہیں ملی ہے۔

ایاس نے جواب دیا جی نہیں۔

حضرت خالد قوی الجثہ تھے۔ ان کا سینہ کشادہ تھا۔ چہرہ پر چیچک کے داغ تھے ان کے بشرہ سے شجاعت ظاہر تھی۔ انہوں نے کہا ممکن ہے وہ انہیں راستہ میں ہی مل جائیں۔

ایاس میرا بھی یہی خیال ہے۔ اس لشکر کا امیر اگر آپ کو بنایا جاتا تو اچھا ہوتا۔

حضرت خالد ایام جاہلیت میں مجھے عزو وقار اور جاہ حشم کی خواہش رہتی تھی۔ لیکن مسلمان ہو کر یہ خواہش دور ہو گئی ہے۔ اب خدمت اسلام جوش جہاد اور شوق شہادت کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ میں ایک سپاہی ہوں اور سپاہی ہی رہنا چاہتا ہوں۔

ایاس بے شک ہر مسلمان سپاہی ہے اسلام کا علم بردار توحید کا مبلغ۔

حضرت خالدؓ یہی بات ہے۔

حضرت خالد چلے گئے۔ ایاس جب اپنے خیمہ پر پہنچے تو انہوں نے بدرۃ القمر کو بیٹھے پایا۔

ایاس کو بھی ایک علیحدہ خیمہ مل گیا تھا۔ مگر انہوں نے اپنا خیمہ خریمہ کے پاس ہی نصب کرایا تھا۔ بدرۃ القمر اپنے بھائی کے خیمہ میں ہی رہتی تھی مگر اس وقت وہ ایاس کے خیمہ میں بیٹھی ہوئی تھی۔

ایاس اسے دیکھ کر خوش ہو گئے انہوں نے کہا۔ آج کیا جی میں آئی جو یہاں تک آنے کی تکلیف گوارا کی۔

بدرۃ القمر نے ہوشربا نگاہوں سے ایاس کو دیکھا۔ اس کی مست آنکھوں نے ایاس کو مخمور کرنا شروع کر دیا۔ اس حور طلعت نے کہا۔ آپ کہاں چلے گئے تھے۔

ایاس کو اس کے اس طرح خطاب کرنے سے تعجب ہوا۔ انہوں نے کہا میں نماز پڑھنے گیا تھا۔

بدرۃ القمر: لیکن جماعت تو دیر ہوئی ہو چکی ہے۔

ایاس: مجھے راستہ میں حضرت خالد مل گئے تھے ان سے باتیں کرنے لگا تھا۔

بدرۃ القمر: ہوں ان سے باتیں کرنے لگے تھے۔

ایاس کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ خفا ہو۔ انہوں نے کہا۔

کیا مجھ سے کوئی گستاخی ہو گئی ہے بدرۃ القمر؟

بدرۃ القمر نے ایمان شکن نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔ میں کتنی دیر سے بیٹھی آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔

ایاس: مجھ سے قصور ہوا۔ معاف کر دیجئے۔

بدرۃ القمر شرما گئی۔ اس نے شرمیلے لہجہ میں کہا۔ کیا دیکھ رہے ہیں آپ ایاس کچھ کھو سے گئے تھے انہوں نے سنبھل کر کہا۔ شان خدا دیکھ رہا ہوں۔

بدرۃ القمر: شان خدا تو فطرت کے مناظر دیکھنے میں نظر آتی ہے۔

ایاس: مجھے اس وقت کائنات حسین نظر آ رہی ہے۔

بدرۃ القمر: آپ نے اپنے کپڑوں کی دیکھ بھال کر لی ہے۔

ایاس: نہیں کیا کچھ کپڑے ضائع ہو گئے ہیں۔

بدرۃ القمر: مجھے کیا معلوم۔

ایاس: تب میں دیکھوں۔

بدرۃ القمر: میں کہتی تھی آپ نے اپنے کپڑوں کی مرمت کر لی ہے۔

ایاس: اوہ میں اب سمجھا میرے پاس زیادہ کپڑے نہیں ہیں اور جو ہیں وہ اچھی حالت میں نہیں۔ میں مشکور ہوں کہ آپ کو میرے کپڑوں کا خیال ہوا۔

بدرۃ القمر: میں نے بھائی جان کے کپڑے درست کر دیئے ہیں خیال ہوا کہ آپ کے..... وہ شرما کر چپ ہو گئی۔ فقرہ پورا نہ کر سکی۔

ایاس اس کی ہر ادا کو شوق اور دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

انہوں نے کہا۔ میں بھی کیسا خوش قسمت ہوں۔ لیکن کاش تمہیں بدرۃ القمر۔ مجھے یہ خیال نہ ہوتا یہی کہنا چاہتے تھے نا آپ۔

ایاس: نہیں۔

بدرۃ القمر: اور۔

ایاس: کپڑوں سے زیادہ خود میرا خیال ہوتا۔

بدرۃ القمر کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ گوری پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس نے کڑی نگاہوں سے ایاس کو دیکھا۔ وہ سہم گئے انہوں نے جلدی سے کہا معاف کیجئے میں بدو عرب ہوں بعض اوقات دل شکن باتیں کہہ جاتا ہوں۔

بدرۃ القمر یا تو خفا ہوئی تھی یا مسکرانے لگی۔ ایاس یا تو اس بت طناز کو ناخوش دیکھ کر سہم رہے تھے یا مسکراتے دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ انہوں نے کہا۔ خدا کا شکر ہے تم نے مجھے معاف کر دیا۔ بدرۃ القمر۔

بدرۃ القمر نے متعجب ہو کر ایاس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ میں نے کیا کہا آپ سے۔

ایاس: آپ نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ لیکن آپ کی نرم نگاہوں اور روح پرور تبسم نے سب کچھ کہہ دیا۔

بدرۃ القمر: اچھا آپ بیٹھ جائیے۔

ایاس اس سیم تن کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ بدرۃ القمر اپنے..... گیسوؤں کی لمبی لٹوں سے کھیلنے لگی۔ ایاس دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر دونوں خاموش رہے آخر بدرۃ القمر

نے کہا۔ صبح آپ روانہ ہو جائیں گے۔

ایاس: تمام لشکر ہی کوچ کر دے گا۔

بدرۃ القمر: آپ کو کوچ کی بڑی خوشی ہو گی۔

ایاس: ہر مجاہد کو خوشی ہے۔

بدرۃ القمر: مگر آپ کی خوشی ایک اور وجہ سے بھی ہے۔

ایاس: ہاں ہے میں اپنے والدین اور اپنی بہن کو تلاش کرنا چاہتا ہوں۔

بدرۃ القمر: اور اسے بھی جس نے آپ کو رہائی دلائی تھی۔

ایاس: اس کی تلاش کی آرزو نہیں۔ لیکن اگر وہ مل جائے تو.... بدرۃ القمر نے قطع کلام کر کے کہا۔ تو آپ خدا کے بہت زیادہ شکر گزار ہوں گے۔

ایاس: بلکہ میں ایک مرتبہ اور اس کا شکریہ ادا کروں گا۔

بدرۃ القمر: اس کا نام کیا ہے؟

ایاس: ایرنیل۔

بدرۃ القمر: اس کا نام تو آپ کے دل پر کندہ ہو گیا ہو گا۔

ایاس: وہ میری محسن ہے۔

بدرۃ القمر: حسین اور بھولی بھی۔

ایاس: ہاں.... مگر نہیں۔

بدرۃ القمر: ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ مجھے یہاں آئے بہت دیر ہو گئی اب چلنا چاہیے۔

ایاس: ایک ذرا اور ٹھہریے۔ میں سمجھتا ہوں آپ خفا ہو کر جا رہی ہیں۔

بدرۃ القمر: نہیں میں خفا کیوں ہوتی۔

ایاس: میں دیکھتا ہوں ایرنیل کا تذکرہ آپ کے دل کو کچھ مکدر کر دیتا ہے۔

بدرۃ القمر: ایسی باتیں نہ کیجئے۔ مجھے ان جھگڑوں سے کیا واسطہ اس نے چلنے کا قصد کیا تھا کہ ایاس نے عاجزی سے کہا۔ بدرۃ القمر! بتلاؤ تم کیا چاہتی ہو۔

بدرۃ القمر نے فرش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا میں کیا چاہتی.... آپ مجھے روکتے کیوں ہیں۔

ایاس: اس لئے کہ آپ مجھ سے ناخوش ہو کر جا رہی ہیں آپ نہیں جانتیں

بدرۃ القمر نے قطع کلام کر کے کہا میں سب کچھ جانتی ہوں۔ ایرنیل آپ کے دل میں بسی ہے....

ایاس: یہ غلط ہے بدرۃ القمر۔

بدرۃ القمر: اچھا صحیح کیا بات ہے۔

ایاس: خفا نہ ہو تو کہوں۔

بدرۃ القمر: میں جانتی ہوں آپ کیا کہیں گے۔

ایاس: آپ نہیں جانتیں مگر کاش جانتی ہوتیں۔ بدرۃ القمر میرے دل میں تم بسی ہو خفا ہو جاؤ' بگڑ لو' سزا دے لو' مگر میں صاف بات کہوں گا میرے دل کے پردوں میں تمہاری تصویر کھنچ چکی ہے۔

بدرۃ القمر مسکرائی اس نے کہا خوب تو آپ بت پرست ہو گئے۔ ایاس اور بت پرست مجھے تم نے بنایا۔

بدرۃ القمر نے شوخی سے کہا میں نے نہیں تمہارے دل نے۔

ایاس: لیکن دل کھینچا کس کی طرف۔

بدرۃ القمر: میں کیا جانوں۔

ایاس: اس قدر تجاہل نہ کیجئے۔

بدرۃ القمر: خاموش شاید بھائی جان آ رہے ہیں۔

یہ کہتے ہی اس نے ہرنی کی طرح زقند بھری اور خیمہ سے باہر نکل گئی ایاس کھڑے دیکھتے ہی رہ گئے۔

چند لمحوں کے بعد وہ بھی خیمہ سے نکلے۔ انہوں نے بدرۃ القمر کو جاتے دیکھا وہ چلی مسکرائی اور اپنے خیمے میں جا گھسی۔

ایاس دیر تک کھڑے اس خیمہ کی طرف دیکھتے رہے جس میں وہ پری رو داخل ہو گئی تھی۔ آخر وہ واپس لوٹ آئے۔

دوسرے روز نماز صبح پڑھتے ہی مجاہدوں نے تیاری شروع کی سامان اونٹوں پر بار کیا جانے لگا۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ تین ہزار سرفروش مسلمان جمع ہو گئے تھے' لیکن وہ بے سروسامان تھے۔ نہ سب کے پاس سب ہتھیار تھے نہ اس قدر اونٹ تھے جو تمام لوگوں کا سامان اٹھا کر لے جاتے نہ اس قدر سواریاں تھیں کہ سب لوگ سوار ہو کر چل دیتے۔ گھوڑے صرف پانچ سو تھے۔ سات سو اونٹ تھے۔ زیادہ تر لوگ پیادہ تھے۔

زید بن حارثہ رایت اسلام ہاتھ میں لئے کھڑے تھے اس مختصر لشکر کو جن کے عزیز و اقارب رخصت کرنے کے لئے آئے تھے وہ مل مل کر ایک طرف کھڑے ہو جاتے۔ عورتیں اور بچے ہٹ گئے تھے۔ بدرۃ القمر بھی اپنے بھائی خزیمہ سے رخصت ہو چکی تھی۔ ایاس نے جب اسے الوداع کہی تو اس کی حسین آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔

فوراً ہی زید نے لشکر کو کوچ کا اشارہ کیا۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا۔ اور سپاہیوں نے قدم قدم چلنا شروع کر دیا۔

باب نمبر ۱۴

مسلم قیدیوں کے فرار ہو جانے سے شرجیل کو فکر دامن گیر ہو گئی تھی وہ صبیحہ کو بھول گیا تھا۔ اسے تلاش کرانے کا اسے خیال بھی نہ آیا۔ اسے اندیشہ ہی نہیں بلکہ یقین ہو گیا تھا کہ جن مسلمانوں کو اس نے گرفتار کیا تھا۔ وہ بھاگ کر حجاز مقدس پہنچ گئے ہوں گے۔ اور انہوں نے قاصد کے قتل کئے جانے کی خبر عربوں کو سنا دی ہو گی۔

اگرچہ وہ خوب جانتا تھا کہ عربوں کی کوئی قوت نہیں ہے۔ وہ قاصد کا انتقام لینے کے لئے روم جیسی عظیم الشان سلطنت پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کر سکتے۔

لیکن پھر بھی اسے ایک گونہ فکر و تشویش لاحق تھی۔ ایک نامعلوم خوف کی وجہ سے دل میں بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ موتہ کی طرف واپس ہو رہا تھا۔ اپنا زیادہ وقت سیر و شکار میں صرف کر رہا تھا۔ گویا اس طرح مشغول رہ کر تردد اور پریشانی سے بچنا چاہتا تھا۔

پری چہرہ ایزبیل اس کے ساتھ تھی۔ وہ اسے غمگین و حزیں دیکھ کر افسوس کر رہی تھی کہ کیوں اس نے مسلمانوں کو رہا کرنے میں مدد دے کر اپنے باپ کو مبتلائے غم و فکر کیا۔

وہ خود بھی غم زدہ رہنے لگی تھی۔ مگر اس کے غم کی وجہ صرف اس کے باپ کی فکر و پریشانی ہی نہ تھی۔ بلکہ اس میں ایاس کی یاد کو بھی دخل تھا۔

شرجیل یہ سمجھ رہا تھا کہ ایزبیل بھی اس کے غم میں شریک ہے۔ وہ خود تو شراب پی کر اپنا غم غلط کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن ایزبیل شراب نہ پیتی تھی اس لئے وہ ہر وقت آزردہ و دل گرفتہ رہتی تھی۔ اس سے اور بھی قلق ہوتا تھا۔

ایک روز اس نے ایزبیل سے کہا۔ جان پدر! میں جانتا ہوں تو میرے غم میں

حصہ لے رہی ہے۔ چاہتی ہے کہ میرے افکار کو بانٹ لے۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا دکھ درد، غم اور فکر بانٹے نہیں جاتے۔ تو متفکر و مغموم نہ رہا کر۔

ایزبتل کیسے نہ رہوں میں جب آپ کو غمگین و حزیں دیکھتی ہوں کہ آپ کو کیا غم لاحق ہو گیا ہے۔

شرجیل: بیٹی میں خود حیران ہوں کہ مجھے فکر و تشویش کیوں ہے صرف یہ جانتا ہوں کہ جب مسلمانوں کا خیال آ جاتا ہے تو دل پر خلش غم لگتا ہے اور میں غمگین ہو جاتا ہوں۔

ایزبتل: لیکن آپ تو کہتے تھے۔ مسلمانوں کا خوف کیا۔ ان کی کوئی قوت ہی نہیں ہے۔

شرجیل: میں اب بھی یہی کہتا ہوں لیکن نہ معلوم کیوں جب مسلمانوں کا خیال آتا ہے تو طبیعت متفکر اور مغموم ہو جاتی ہے۔

ایزبتل: عجب بات ہے۔

شرجیل: نہایت عجب' لیکن تو غمگین نہ رہا کر بیٹی۔

ایزبتل: کیا کروں بہت چاہتی ہوں کہ غم و فکر نہ کروں۔ لیکن نہیں ہوتا۔

شرجیل: تو جانتی ہے نور نظر کہ میں فکر و غم کو بھولنے کے لئے شراب کا استعمال کرتا ہوں۔ اس سے ایک گونہ بے خودی ہو جاتی ہے اور ایک حد تک غم و الم سے چھٹکارا مل جاتا ہے تو بھی تھوڑی سی شراب پی لیا کر۔

ایزبتل: مگر مجھے تو اس سے نفرت ہے۔

اسی وقت پاپائے اعظم آ گیا۔ اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ بیٹی شراب تو بہت اچھی چیز ہے۔ اس سے نفرت نہیں کرنی چاہئے اگر تو اس آب زلال کے چند قطرے روزانہ پی لیا کرے تو تیرے چہرے کی سرخی اور آنکھوں کی مستی اور بڑھ جائے۔

ایزبتل: مگر ہوش و حواس بھی تو جاتے رہیں گے۔ مقدس باپ۔ پاپائے اعظم زیادہ پینے سے ہوش و حواس جاتے رہتے ہیں۔ لیکن تھوڑی سی پینے میں کوئی خرابی نہیں ہے......

ابھی پاپائے اعظم کا فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ ایک پادری نمودار ہوا۔ یہ پادری وہی

تھا جو صبیحہ اور رقیہ کو خانقاہ میں لے گیا تھا اور جس نے ان دونوں مظلوموں کو حجرہ میں قید کر دیا تھا۔

اس نے پاپائے اعظم کو سلام کیا۔ پاپائے اعظم نے سلام کا جواب دے کر کہا اوہ بڑے عرصے کے بعد آئے ہیں آپ۔

پادری: میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے مقدس باپ کی زیارت ہو گئی پاپائے اعظم مجھو تمہارے چہرہ سے ظاہر ہے کہ تم کوئی خاص خبر سنانے آئے ہو سناؤ کیا خبر ہے۔

پادری نے ایک کوچ پر بیٹھ کر کہا۔ میرے پاس ایک شب کو چند سرکاری سپاہی کسی لڑکی کو تلاش کرتے ہوئے پہنچے۔ اس سے اگلے ہی روز اتفاق سے وہ آہو چشم اور قمر طلعت لڑکی مع اپنی والدہ کے مجھے مل گئی......

شرجیل ہمہ تن شوق بنا اس کی گفتگو سن رہا تھا۔ وہ لڑکی کے ملنے کی خبر سنتے ہی بے تاب ہو کر بولا۔ کہاں ہے وہ لڑکی۔

پادری نے کہا۔ عرض کر رہا ہوں سنتے جایئے۔

شرجیل: خوب ہوا وہ لڑکی آپ کو مل گئی۔ ہاں سنایئے اب میں اطمینان سے سنوں گا۔

پادری نے کہنا شروع کیا۔ میں ان دونوں کو بہلا پھسلا کر لے آیا اور انہیں ایک حجرہ میں قید کر دیا......

یہ سنتے ہی شرجیل کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے کہا نہایت عقلمندی کی آپ نے۔ میں آپ کی جھولی سیم و زر سے بھر دوں گا۔ آپ کی خانقاہ کو آپ کی حسب منشا وسیع کرا دوں گا۔ اور آپ کی ہر خواہش کو پورا کروں گا۔

پادری: میں جانتا ہوں کہ آپ کو مذہب سے بڑا لگاؤ ہے۔ خانقاہوں' پادریوں اور ننوں سے محبت ہے۔

شرجیل: کیوں نہ ہو مقدس باپ۔ آخر عیسائی ہوں ہر عیسائی کو قدرتی طور پر ان سے محبت ہوتی ہے۔

پادری: بے شک ایک مسیح کا یہ سب سے پہلا اور سب سے بڑا فرض ہے۔

میں جب لوگوں کو مذہب کی طرف راغب دیکھتا ہوں تو بہت خوش ہوتا ہوں۔

شرجیل: اچھا تو وہ لڑکی آپ کے پاس قید ہے۔ مگر آپ اسے اپنے پادریوں کی حراست میں یہاں لیتے کیوں نہ آئے لیکن اگر نہیں لائے تو خیر کوئی حرج نہیں۔ چلئے میں خود آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔

پادری: مگر تمام روئیداد تو سن لیجئے۔

شرجیل: ضرور سنائیے مجھے اس وقت آپ کا یہ کارنامہ سن کر بڑی مسرت ہو رہی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ آپ کے وہ ہاتھ چوم لوں جن سے آپ نے ان دونوں کو قید کیا۔

پادری: مگر یہ تو سن لیجئے کہ ایک وحشی نے میری تمام تدبیروں پر پانی پھیر دیا۔

شرجیل: کیا کسی نے انہیں رہا کر دیا۔

پادری: جی ہاں۔

شرجیل کی تمام خوشی کافور ہو گئی۔ وہ پھر مجسمہ غم و فکر بن گیا۔ پادری نے کہنا شروع کیا۔ ایک کاہن سیتھ نامی آ گیا۔ اس نے کچھ ایسا جادو کیا کہ تمام جنگل اور ساری خانقاہ میں آگ لگ اٹھی ہم سب ڈر کر بھاگ گئے کچھ دیر کے بعد جب واپس آئے تو حجرہ کھلا ہوا تھا اور وہ مہ پارہ لڑکی مع اپنی والدہ اور جادوگر سیتھ کے غائب تھی۔

شرجیل نے غصہ میں بھر کر کہا کس قدر بزدلی اور حماقت کی ہے تم نے۔ پادری واقعی اس کے جادو نے ہم سب کو گھبرا دیا تھا۔

شرجیل: پھر کچھ اس وحشی کا پتہ چلا؟

پادری: جی نہیں میں نے اور دوسرے دینداروں نے ہر چند انہیں تلاش کیا۔ لیکن نہ تو وہ جادوگر کہیں ملا نہ اس پری زاد لڑکی کا پتہ چلا اور نہ اس کی والدہ ملی۔

شرجیل: مگر تم نے مجھے فوراً ہی اس کی اطلاع کیوں نہ دی؟

پادری: ہم ان کی جستجو کرتے رہے اور یہی کوشش رہی کہ وہ مل جائے تو اسے لے کر آپ کے حضور میں حاضر ہوں۔

شرجیل: یہ دوسری حماقت کی تم نے۔

پادری: ہاں غلطی تو ضرور ہوئی لیکن اس وجہ سے کہ ہم اس حور وش کو آپ کے پاس لانا چاہتے تھے۔

اسی وقت ایک عیسائی حاضر ہو کر زمین بوس ہوا۔ شرجیل نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟

مسیح نے کھڑے ہو کر کہا۔ حجاز سے۔

شرجیل: کیا مسلمانوں کو ان کے قاصد کے قتل کئے جانے کی خبر پہنچ گئی۔ مسیح: جی ہاں اور وہ اس کا انتقام لینے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔

شرجیل کا چہرہ فق پڑ گیا پاپائے اعظم بھی یا تو نیم دراز تھا یا گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے کہا مسیح برا کرے ان مسلمانوں کا کیا۔ ان کا ارادہ جنگ کرنے کا ہے۔

مسیح: ان کا لشکر روانہ ہو چکا ہے۔

شرجیل اور پادری دونوں کو بڑا فکر ہوا لیکن ایزبیل نہ فکر مند ہوئی۔ نہ متشوش وہ حوروں جیسی شان سے بیٹھی رہی بڑے شوق سے مسیح کی گفتگو سنتی رہی۔

شرجیل نے دریافت کیا۔ کتنا لشکر روانہ ہوا ہے ان کا۔

مسیح: صحیح تعداد تو معلوم نہیں مگر سنا ہے تین ہزار مسلمان ہیں۔

شرجیل نے متعجب ہو کر دریافت کیا۔ صرف تین ہزار آدمی کیا یہ سچ ہے؟

مسیح: میں نے اتنی ہی تعداد سنی تھی۔

اب شرجیل کا فکر دور ہو گیا۔ اس کی غم و پریشانی جاتی رہی اور چہرہ سے مسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس نے خوشی کے لہجہ میں کہا۔ اوہ آنے دو انہیں۔ میں ان کا خاتمہ کر ڈالوں گا۔ تین ہزار آدمیوں کی تعداد بھی کوئی تعداد ہے۔

پاپائے اعظم کو بھی اطمینان ہو گیا۔ اس نے کہا اب گیدڑ بھبکی دیتے آ رہے ہیں۔ شاید سمجھتے ہیں کہ عیسائی ان سے ڈر جائیں گے۔

شرجیل: مگر انہیں یہ معلوم نہیں کہ عیسائی ان کی کھوپڑیاں توڑنے کو تیار بیٹھے ہیں۔

ایزبیل نے موسیقی نواز لہجہ میں کہا۔ مگر ابا جان یہ تو اچھا نہ ہوا کہ قاصد کو قتل کر کے مسلمانوں کو اعلان جنگ دے دیا گیا۔

شرجیل: قاصد بڑا گستاخ تھا۔ اسے یہی سزا ملنی چاہئے۔

ایزبیل: لیکن آج تک شاید کسی قوم نے کسی سفیر کو قتل کیا ہو۔

شرجیل: اکثر ایسا ہوتا رہا ہے۔ جن کے پاس قوت اور سلطنت ہوتی ہے وہ کسی قاعدہ اور قانون کے پابند نہیں ہوتے۔ آج رومی و عیسائی حکومت کا دبدبہ چار دانگ عالم میں ہے۔ ہر قوم اور ہر ملک ہماری طاقت سے ڈرتا ہے ہم جو کچھ کریں وہ جائز ہے تو فکر نہ کریں۔

ایزبیل: اس فعل سے مسلمانوں سے جنگ کا آغاز ہو گیا نہ معلوم یہ لڑائی کب تک جاری رہے اور کتنے لوگ اس جنگ میں مارے جائیں۔

شرجیل: اطمینان رکھ مسلمان محض دھمکی دے رہے ہیں جنگ نہ کریں گے میں آج ہی شہنشاہ معظم ہرقل اعظم کو مدد کے لئے لکھ دوں گا۔ اور اپنا تمام لشکر بھی تیار کر لوں گا۔ اگر مسلمانوں نے حماقت کی لڑائی شروع کر دی تو بہت جلد ان کا خاتمہ کر ڈالوں گا۔

پاپائے اعظم: جس قدر زیادہ لشکر فراہم ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے اس سے مسلمانوں پر اثر پڑے گا۔ اور وہ راستہ ہی سے واپس لوٹ جائیں گے!

شرجیل: میں اعلیٰ حضرت قیصر روم کو بھی عریضہ لکھتا ہوں۔ یہ کہتے ہی اس نے ہرقل اعظم کو مدد کے لئے خط اور حکم نامے اسی وقت روانہ کر دیئے گئے کچھ دیر اور ادھر ادھر کی باتیں کر کے یہ سب شغل مے نوشی میں مشغول ہو گئے۔ ایزبیل وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

باب نمبر ۱۵

مسلمانوں کا جوش ایمانی

شیران اسلام نہایت اطمینان اور قدرے تیزی سے سفر کر رہے تھے جب تک وہ حدود حجاز میں رہے اس وقت تک تو زیادہ تر رات کو قطع منازل کرتے رہے۔ مگر جب ملک شام میں داخل ہوئے تو صبح کی نماز پڑھتے ہی کوچ کر دیتے اور ظہر کے وقت ٹھہر جاتے تھے۔

غرض اسی طرح کوچ و قیام کرتے مقام معان میں پہنچے۔ چونکہ موتہ یہاں سے قریب تھا اس لئے زید نے ایک خوشنما قطعہ میں قیام کر دیا اور دو مسلمانوں کو عیسائیوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا۔

مسلمان وسیع میدان میں دور تک پھیل گئے تھے۔ ان کی معاشرت نہایت سادہ تھی۔ یا تو وہ سبزہ زار پر بیٹھے تھے یا معمولی کمبلوں کے فرش پر ہر شخص خود کھانا پکاتا تھا لیکن ان میں بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو ترک لذات کئے ہوئے تھے۔ چند کھجوریں کھا کر یا جو کا تھوڑا سا ستو پی کر دن اور رات کے چوبیس گھنٹے گزار دیتے تھے۔ ہر مسلمان نماز کا سختی سے پابند تھا۔ اذان کی آواز سنتے ہی سب کام چھوڑ کر نماز کے لئے تیار ہو جاتا تھا۔

چونکہ خیمے کم تھے اس لئے زیادہ لوگ کھلے میدان میں آسمان کے نیچے ہی سوتے تھے۔

زید نے جن مسلمانوں کو عیسائیوں کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا وہ تیسرے روز واپس آئے۔

انہیں دیکھتے ہی مسلمان ان کے گرد جمع ہو گئے۔ زید نے ان سے دریافت کیا کہو عیسائیوں کا کچھ حال معلوم ہوا۔

ایک عرب نے جواب دیا جی ہاں جس قدر بھی ہو سکا ہم حال معلوم کر کے آئے ہیں۔

زید اچھا تو سناؤ۔

اعرابی: معلوم ہوا ہے کہ شرجیل نے ایک لاکھ لشکر جمع کر لیا ہے اور اس نے ہرقل اعظم کو بھی مدد کے لئے لکھا تھا۔ چنانچہ ہرقل اعظم خود ایک لاکھ لشکر لے کر آ گیا ہے۔ جو مقام موآب سرزمین بلقا میں ٹھہرا ہوا ہے۔ عام مسلمانوں کو یہ تشویشناک خبر سن کر فکر و تردد ہوا۔ زید نے پوچھا کیا عیسائیوں کا دو لاکھ لشکر جمع ہو گیا ہے؟

اعرابی جی ہاں۔ ان میں سر شرجیل کا جو لشکر ہے۔ اس میں قریب قریب سب عرب عیسائی ہیں۔ لخم جذام' قضاعہ' بہلی اور قیس کے قبائل سے ہیں۔ ان کا سردار مالک بن رافلہ ہے۔ عربوں کی کثیر تعداد عرب سے نکل کر کسی زمانہ میں حدود شام میں جا کر آباد ہوئی تھی۔ مسیحی پادریوں نے انہیں کسی نہ کسی ذریعہ سے عیسائی بنا لیا تھا۔

اس وقت وہ سب رومی جھنڈہ کے نیچے جمع ہو گئے تھے۔

زید نے یہ وحشت اثر خبر سن کر کہا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ یعنی طاقت نہیں ہے مگر ساتھ اللہ کے۔

جعفر بن ابی طالب نے کہا۔ شاید شرجیل ہماری ہی قوم کو ہمارے مقابلہ میں اس لئے لایا ہے کہ ہم ان سے ڈر یا دب جائیں۔

اعرابی: یا سیدی یہی بات مشہور ہے۔

زید: لیکن انہیں معلوم نہیں کہ اصلی قوت تو ایمان کی ہے عیسائی عربوں میں ایمان کہاں۔ وہ شراب پیتے اور داد عیش دیتے ہیں۔ انشاء اللہ وہ ہمارا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

وہب ایک مرد مسلمان قبیلہ بنو مالک سے تھے۔ انہوں نے زید سے دریافت کیا کیا آپ کا ارادہ دو لاکھ عیسائیوں سے جنگ کرنے کا ہے؟

زید نے جواب دیا۔ آنحضور صلعم نے ہمیں بھیجا ای لئے ہے۔

وہب: مگر سرور کائنات نے یہ کہاں فرمایا تھا کہ دشمنوں کا کثیر التعداد لشکر ہونے پر بھی ان سے بھڑ جانا۔

زید: لیکن یہ بھی تو نہیں کہا تھا کہ زیادہ لشکر دیکھ کر واپس لوٹ آنا ایک اور صحابی سراقہ نے کہا بے شک حضور نے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا لیکن یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ دو لاکھ دشمنوں سے محض تین ہزار کی مختصر جمعیت سے مقابلہ کیا جائے۔

زید: تب کیا ہمیں دشمنوں سے ڈر کر بھاگ جانا چاہیے۔

سراقہ میرا یہ مطلب بھی نہیں ہے بلکہ ان حالات کی اطلاع رسول اللہ صلعم کو کر کے حضور کے حکم کا انتظار کیا جائے۔

خالد: لیکن اگر ہم اسی جگہ ٹھٹھک کر رہ گئے تو دشمن خیال کرے گا کہ ہم اس سے ڈر گئے ہیں اس لئے عیسائیوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے اور وہ یہاں آ کر حملہ کر دیں گے۔

سراقہ: لیکن خالد سوچئے تو سہی ہم صرف تین ہزار اور دشمن کے جوان پورے دو لاکھ۔ کیا یہ مقابلہ برابر کا ہے۔

خالد: بالکل بھی نہیں مگر اپنی قوت طاقت کے زعم پر نہیں لڑتے بلکہ خدا کی مدد کے بھروسہ پر لڑتے ہیں۔ وہی ہماری مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ یعنی حکم خدا سے اکثر چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آ جاتی ہے۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

جعفر: مسلمانو! دشمنوں کی کثرت سے ڈرنا اسلامی شان کے خلاف ہے مسلمان تو کسی سے ڈرنا جانتا ہی نہیں۔ دشمن سے خوف کھانا ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے۔ خداوند عالم نے کلام مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔ یعنی وہ مسلمان ایسے لوگ ہیں کہ جب انہیں ڈرایا گیا کہ دشمن تمہارے لئے جمع ہوئے ہیں تم ان سے ڈرو۔ اس سے ان کے ایمان میں اور ترقی ہو گی۔ انہوں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ کیا خوب مددگار ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ خدا مسلمانوں کی مدد کرتا ہے۔ مگر مسلمانوں کے دلوں میں خلوص اور اس کے جلال و عظمت کا یقین و احترام ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے۔ وکان حقا علینا نصر المومنین۔ یعنی ہم پر مسلمانوں کی مدد کرنی لازم

ہے۔

پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم مسلمان ہوتے ہوئے خدا کی مدد سے کیوں ناامید ہو جائیں۔ مسلمانو! خدا کی اطاعت کرو۔ وہ یقیناً تمہاری مدد کرے گا۔ ان لیڈروں اور علماء کی بات ہرگز نہ مانو جو دشمنوں کا خوف دلائیں۔ سمجھ لو کہ وہ بندہ نفس اور خود غرض ہیں کسی ایسی جمعیت سے بھی تعلق نہ رکھو جو بزدلی کی تلقین کرتی ہو۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم ہندی مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنے کے لئے بعض ایسی نام نہاد انجمنیں بن گئی ہیں جن سے قومی شیرازہ منتشر ہو گیا ہے مسلمان' مسلمان کا دشمن بن گیا ہے۔ مسلمان حیران اور پریشان ہو کر رہ گئے ہیں۔

ان انجمنوں میں بعض ایسی ہیں جو سادہ لوح مسلمانوں کو بہکا کر اس لئے اپنے ساتھ لگائے رکھنا چاہتی ہیں تاکہ ان کے لیڈروں کا عمل حکومت پر دباؤ رہے اور وہ اپنا الو سیدھا کرتے رہیں۔

بعض انجمنیں اس لئے بنائی گئی ہیں تاکہ ان کے لیڈروں سے حکام خوش رہیں لیکن ایسی انجمنیں بہت کم ہیں جو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے بنائی گئی ہوں پروردگار عام مسلمانوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور وہ باہمی نفاق کو چھوڑ کر متفق و متحد ہو جائیں۔ ان کے احکام کی تعمیل کریں اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے نقش قدم پر چلیں۔

حضرت جعفرؓ نے جب متذکرہ آیت کو تلاوت کیا تو مسلمانوں کی آنکھیں اور دل و دماغ روشن ہو گئے۔ ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ بے شک ہمارے لئے خدا کافی ہے۔

اب عبداللہ بن اوامر نے کہا۔ مسلمانو!(ا) تم شہادت کی جستجو میں نکلے ہو کفار سے ہم کثرت یعنی اعداد و شمار اور قوت کے بل بوتہ پر نہیں لڑتے ہیں بلکہ ہم اس دین کے ذریعہ لڑتے ہیں جس سے اللہ نے ہمیں مشرف کیا ہے۔ دشمنوں سے خوف کھانا ہماری شان کے خلاف ہے آگے بڑھو اور مقام موتہ میں پہنچ کر ہرقل اعظم کے بے شمار لشکر پر ٹوٹ پڑو خدا پر بھروسہ رکھو وہ یقیناً ہماری مدد کرے گا۔ حملہ کا نتیجہ نیکیوں سے خالی نہ ہو گا۔ یا تو ہم کو فتح حاصل ہو گی اور ہم غازی کہلائیں گے یا شہادت میسر

آ جائے گی۔ دونوں طرح ہم جنت کے حقدار ہو جائیں گے۔

حضرت عبداللہ کی اس دلیرانہ مختصر تقریر نے مسلمانوں میں جوش و جرات و[illegible] کوٹ کر بھر دیا۔ ہر شخص مسرور و خرم ہو گیا۔ زید بن حارثہ ایک ہاتھ میں [illegible] دوسرے میں علم لے کر کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے بولے مسلمانو! میں اپنی جان و مال کا مختار ہوں اور اسے میں نے اللہ کی راہ میں ہبہ کر دیا ہے۔ اگر تم میں سے کوئی بھی میرا ساتھ نہ دے تو میں تنہا دشمنوں سے جا کر لڑوں گا تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم میں سے جو چاہے میرے ساتھ چلے اور جو چاہے واپس لوٹ جائے۔

اس زمانہ کے مسلمان آج کل کے ہم مسلمانوں جیسے اپنی بات کی پچ کرنے والے نہ تھے۔ جو لوگ لڑائی کی مخالفت کر رہے تھے۔ سب سے پہلے وہی بولے۔ ہم میں سے ایک بھی واپس جانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ہم نے جو کچھ کہا وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے نہیں بلکہ مسلمانوں پر شفقت کی نظر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔ ہم بفضلہ تعالیٰ بزدل کم ہمت اور ڈرپوک نہیں ہیں۔ میدان کارزار میں خدا دیکھ لے گا کہ کس قدر سرفروش اور جانباز ہیں۔

زیدؓ میں خوب جانتا ہوں کہ مسلمان بزدل نہیں ہوتے اچھا کل لشکر کوچ کرے گا۔ میں میمنہ میں قطبہ بن قتادہ عذریؓ اور میسرہ پر عبایہ بن مالک انصاری کو افسر مقرر کرتا ہوں۔ یہ دونوں بزرگ پانچ پانچ سو جانبازوں پر سردار مقرر کئے جاتے ہیں۔ آج خدا کی عبادت کر لو معلوم نہیں کل موقع مل سکے یا نہیں۔

مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا اور وہاں سے رخصت ہو کر اپنے اپنے جائے قیام پر پہنچ گئے۔

یہ بات تمام لشکر کو معلوم ہو گئی کہ اگلے روز لشکر موتہ کی طرف کوچ کرے گا اگرچہ یہ بھی ہر مسلمان کو معلوم ہو گیا تھا کہ دشمن کی تعداد دو لاکھ ہے لیکن انہوں نے کوئی اندیشہ نہ کیا۔ اور جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

دوسرے روز صبح کی نماز پڑھ کر مسلمانوں نے نہایت خشوع و خضوع سے نماز پڑھ کر دعا مانگی۔ اور آفتاب طلوع ہوتے ہی لشکر اسلام کوچ کے لئے تیار ہو گیا۔

زید بن حارثہ نے لشکر کو اس طرح ترتیب دیا کہ ہراول میں ایاس اور حریہ کو

سو سو جانبازوں کی جمعیت کے ساتھ آگے روانہ کیا۔ میمنہ قطبہ بن قتادہ عذری کو پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ اور میسرہ میں عبایہ بن مالک انصاری کو پانچ سو سرفروشوں کے ساتھ ادھر ادھر بازوؤں پر پھیلا دیا اور بقیہ لشکر کے ساتھ خود زید بن حارثہ قلب میں روانہ ہوئے۔

یہ مختصر لشکر کئی میل کے گرداوہ میں پھیل گیا۔ جب ہر اول ایک گاؤں مشارف نامی میں پہنچا تو وہاں عیسائی لشکر فرنہ کش نظر آیا۔ مسلمانوں نے دیکھا عیسائیوں کی کثرت نے اس سرزمین کو ڈھک رکھا تھا جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی ہے خیمہ سائبان اور پھولداریاں نظر آتی ہیں عیسائی سواروں کے پرے ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر آجا رہے ہیں۔

یہ لشکر شرجیل کا تھا۔ اور اس سے ذرا فاصلہ پر ہرقل اعظم کا لشکر مقیم تھا چونکہ دونوں لشکروں کی تعداد دو لاکھ تھی۔ اس لئے حد نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔

مشارف نامی گاؤں میں اور کوئی ایسا ہموار میدان نہ تھا جہاں مسلمان فروکش ہو جاتے اور لڑائی کے لئے میدان بھی نکل آتا۔ س لئے زید نے مسلمانوں کو موتہ کی طرف ہٹ چلنے کا حکم دیا اور لشکر اسلام کترا کر موتہ میں آٹھہرا۔

موتہ میں پہنچ کر مسلمانوں نے قیام کر دیا۔ اگلے ہی روز عیسائی بھی وہیں آگئے اور دونوں لشکر آمنے سامنے مقیم ہو گئے۔

چونکہ عیسائیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لئے مسیحی لشکر اسلامی عساکر کو دھمکی دینے لگا۔

جس میدان میں مسلمان مقیم تھے اس کی پشت پر پہاڑ تھا اور ادھر ادھر اور سامنے کی جانب بے حد و حساب لمبا چوڑا میدان تھا۔ یہ تمام میدان سبزہ سے ڈھکا ہوا تھا۔ جگہ جگہ درختوں کے جھنڈ بھی کھڑے تھے۔ رات کو مسلمانوں نے آگ روشن کی اور عشاء کی نماز پڑھ کر ہر حصہ لشکر نے تھوڑے تھوڑے سپاہی نگہبانی کے لئے مقرر کر دیئے۔

ہراول میں پہلی نصف شب میں ایاس نے پچیس مسلمانوں کو ساتھ لے کر گرداوری شروع کر دی۔

چاندنی رات تھی۔ ماہ جمادی الاول ۸ھ تھی چاند پورے آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ نور کی بارش ہو رہی تھی۔ چاندنی نے ہر چیز پر سیمی غازہ پھیر دیا تھا درخت سبزہ اور میدان کی دوسری چیزیں چمک رہی تھیں۔ ایاس پاپیادہ عیسائی لشکر کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے سپاہی ان سے بہت پیچھے احتیاط اور آہستگی سے دیکھ بھال کرتے پھر رہے تھے۔

ایاس نے عیسائی لشکر کی طرف سے ایک سوار کو آتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے پیچھے ہٹ کر اپنے سپاہیوں کو درختوں کے بڑے جھنڈ میں پوشیدہ رہنے کی ہدایت کی اور خود تنہا آگے بڑھ کر ایک درخت کے سایہ میں جا کھڑے ہوئے۔

اس درخت کی شاخوں اور پتوں سے چاندنی چھن چھن کر ان پر برس رہی تھی اور وہ نور میں نہا رہے تھے۔

سوار نہایت اطمینان سے اس درخت کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ بڑی خاموشی اور کمال احتیاط کے ساتھ جب وہ قریب آگیا تب ایاس کمینگاہ سے نکل کر اس کی طرف جھپٹے۔ ابھی وہ اس کے پاس نہ پہنچے تھے کہ اس نے کہا اوہو ایاس تم ہو۔

سوار کا لہجہ نہایت دلکش تھا۔ ایاس تلوار میان سے کھینچ کر اس کی طرف جھپٹے تھے اس ترنم ریز آواز کو سن کر ٹھٹھک گئے۔ انہوں نے غور سے سوار کی طرف دیکھا۔ دیکھتے ہی پہچان گئے۔ وہ ایرینل تھی۔

ایرینل نے اپنا گھوڑا روک لیا تھا اور حسین نگاہوں سے ایاس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایاس بھی اس بت فرنگ کو دیکھ کر کچھ حیران اور کچھ مسرور ہوئے انہوں نے کہا ایرینل تم ہو۔

ایرینل: ہاں میں جانتی تھی کہ تم لشکر لے کر انتقام لینے آؤ گے۔

ایاس: مگر مجھے خواب میں بھی خیال نہ تھا کہ تم میدان جنگ میں قتل و خونریزی کے ہولناک مناظر دیکھنے آؤ گی۔

ایرینل: تمہیں معلوم نہیں کہ میں کن دشواریوں اور التجاؤں کے بعد آئی ہوں میرے والد مجھے ساتھ نہ لاتے تھے لیکن میرے اصرار نے انہیں مجبور کر دیا اور مجھے ساتھ لانا ہی پڑا۔ تم یہ بھی نہیں جانتے کہ میں کیوں آئی ہوں۔

ایاس نے اس کے پرتنویر چہرہ پر نظریں گڑو کر کہا۔ کیوں آئی ہو تم۔ ایرینل
میرا دل گواہی دیتا تھا کہ تم اس لشکر کے ساتھ ضرور آؤ گے میں تمہیں متنبہ کرنے آئی
ہوں۔

ایاس: کس بات سے۔

ایرینل: میں نے تمہارا لشکر دیکھا ہے ایاس میرے والد اور خود ہرقل اعظم نے
بھی دیکھا اس کا اندازہ یہ ہے کہ تمہارا لشکر زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار ہے نا۔

ایاس: اس سے بھی کم ہے۔

ایرینل: بہت ممکن ہے لیکن تم نے عیسائی لشکر کو دیکھا ہے۔

ایاس: دیکھا ہے۔

ایرینل: جانتے ہو کس قدر ہے۔

ایاس: جانتا ہوں ایک لاکھ تو تمہارے والد کے ساتھ ہے اور ایک لاکھ
تمہارے شہنشاہ ہرقل اعظم کے ہمراہ ہے۔

ایرینل: بے شک اتنا ہی لشکر تمہارے سامنے کیا تم اتنے عظیم الشان لشکر کا
مقابلہ اپنے اتنے تھوڑے آدمیوں سے کر سکو گے۔

ایاس: ہم گنتی یعنی اعداد و شمار اور قوت و طاقت کے بھروسہ پر نہیں کرتے بلکہ
خدا کی اعانت کے اعتماد پر جنگ کیا کرتے ہیں۔

ایرینل: یہ سن کر مسکرائی۔ اس نے کہا۔ ایاس بہادر قوم اپنے سے دگنی حد تگنی
تعداد سے لڑ سکتی ہے۔ لیکن ساٹھ ستر گنی تعداد سے نہیں لڑ سکتی۔

ایاس: ہوروش ایرینل! تمہیں معلوم نہیں کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرتے۔
ہمارا عقیدہ ہے کہ موت کا وقت' طریقہ اور مقام مقدر کر دیا گیا ہے جس طرح سے
انسان کے اختیار میں پیدا ہونا نہیں ہے اسی طرح زندگی اور موت بھی اختیاری نہیں
ہے۔ نہ موت کو ٹالا جا سکتا ہے اور نہ قبل از وقت بلایا جا سکتا ہے پھر اس سے ڈرنا
ہی کیا۔

ایرینل: لیکن سوچو تو سہی ایاس کہ تمہارا ذرا سا لشکر عیسائیوں کا کیسے مقابلہ کر
سکے گا۔ اگر عیسائی بغیر تلواریں لئے تم پر جھک پڑیں اور تم انہیں قتل بھی کرتے رہو

تب بھی وہ تمہیں کچل ڈالیں۔

ایاس: مگر میں اس کا پہلے ہی جواب دے چکا ہوں کہ ہماری خدا مدد کرے گا۔

ایرینل: لیکن پھر بھی یہ دانشمندی نہیں کہ اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کیا جائے
میں یہ چاہتی ہوں کہ جنگ نہ کرو۔

ایاس: کیا تم نے میرے والد کے وہ الفاظ نہیں سنے تھے جو انہوں نے اسلامی
سفیر کے قتل کے وقت تمہارے والد سے مخاطب ہو کر کہے تھے اور جو یہ تھے کہ آج
تم نے اپنی اس وحشیانہ اور بربرانہ حرکت سے مسلمان کو اعلان جنگ دے دیا ہے۔
اب اس جنگ کی آگ اس وقت سرد ہو گی جب یا تو تمہاری عظیم الشان سلطنت تباہ
اور پارہ پارہ ہو جائے گی۔ یا عرب تمہارے حلقہ بگوش ہو جائیں گے کیا تم سطیح کے وہ
الفاظ بھول گئیں جو اس نے سفیر کی لاش دیکھ کر کہے تھے۔ اور جو یہ تھے اب اس
سرزمین پر خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ رومی قیصر ہرقل اعظم دولت لشکر' حکمت اور
تخت و تاج چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔ غالباً تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ جب تم نے مجھے
رہائی دی تھی تو میں نے کہا تھا کہ میرے یا تمہارے بس کی بات نہیں ہے کہ اس
ہولناک جنگ کو روک دیں عیسائیوں نے اسلامی سفیر کو قتل کر کے ایسا فتنہ کھڑا کر دیا
ہے اور بغض و عناد کی ایسی چنگاری ڈال دی ہے۔ جس کی آگ اس وقت تک بھڑکتی
رہے گی جب تک عیسائی اور مسلمانوں میں سے کوئی ایک قوم بالکل برباد نہ ہو جائے۔

ایرینل: مجھے یہ سب باتیں یاد ہیں۔

ایاس: تب سمجھ لو کہ مسلمان اپنے بے گناہ بھائی کے خون ناحق کا انتقام لینے
کے لئے حملہ آور ہوئے ہیں۔ اور یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک
کوئی ایک قوم ختم نہ ہو جائے۔

ایرینل: مگر اتنے تھوڑے لشکر سے وہ عیسائیوں کا کیا بنا لیں گے۔

ایاس: یہ بات تمہیں معرکہ جدال و قتال میں معلوم ہو جائے گی۔ جو لشکر
مسلمانوں کی طرف سے بھیجا گیا ہے اس میں کئی ایسے لوگ ہیں جو تنہا ایک ایک ہزار
دشمنوں سے لڑ سکتے ہیں۔

ایرینل: مگر ایاس..... وہ ٹھنڈا سانس لے کر چپ ہو گئی ایاس نے کہا کہو

ایزبیل۔

ایزبیل: اس خونریز معرکہ میں تم شرکت نہ کرو۔

ایاس: یہ کیسے ممکن ہے میں مسلمان ہوں اور کوئی مسلمان جنگ سے گریز نہیں کر سکتا۔

ایزبیل: میں اس وقت عیسائیوں کی نظروں سے چھپ کر تم سے یہی کہنے آئی ہوں۔

ایاس: میں تمہاری اس ہمدردی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ایزبیل: ایاس تم نہیں جانتے کہ مجھے کس جذبہ نے تمہاری رہائی پر آمادہ کیا تھا۔ اور کون سا جذبہ یہاں کھینچ کر لایا ہے۔ تمہیں شاید یاد ہو گا کہ جب تم رہا ہو کر جا رہے تھے اس شب کو ایسی ہی چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ جیسی اس وقت کھلی ہوئی ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا یہ تم میرے دل کی دنیا کو ویران کئے جا رہے ہو اس کا خیال رکھنا۔

ایاس: تمہارے یہ الفاظ میرے دل پر اب تک نقش ہیں۔

ایزبیل: تب تم سمجھ گئے ہو گے کس جذبہ نے یہ الفاظ میری زبان سے ادا کرائے تھے میں صاف ہی کیوں نہ کہہ دوں۔ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے ایاس۔

محبت ایاس نے تعجب خیز لہجہ میں کہا اور انہیں فوراً ہی خیال آ گیا کہ جب بدرۃ القمر نے ان سے کہا تھا کہ ایزبیل ان کے دل میں بسی ہے تو انہوں نے کہہ دیا تھا کہ میرے دل میں تم بسی ہو۔

محبت کسی ایک ہی سے کی جاتی ہے اور عمر بھر میں ایک ہی مرتبہ ہوتی ہے۔ متعدد ہستیوں سے بار بار محبت کرنے کو محبت نہیں کہتے وہ بوالہوسی ہے۔

ایاس کو بدرۃ القمر سے محبت ہو گئی تھی۔ اب وہ کسی اور سے محبت نہیں کر سکتے تھے۔

ایزبیل نے ان کے تاثرات کو نہیں سمجھا۔ اس نے کہا۔ ہاں محبت۔ ایاس نے کہا مگر میں مسلمان ہوں اور تم عیسائی۔ پھر میں ایک ادنیٰ سپاہی اور تم ایک فرماں روا کی بیٹی۔

ایزبیل: محبت رتبہ اور مذہب کو نہیں دیکھتی۔ میں خیال کیا کرتی تھی کہ محبت کو اندھا کیوں کہتے ہیں۔ مگر تم سے محبت کر کے معلوم ہو گیا کہ محبت واقعی اندھی ہوتی ہے۔

ایاس: اور محبت کے انجام سے بھی واقف ہو ایزبیل۔

ایزبیل: ناکامی اور ناشادی۔

ایاس: پھر بھی تم محبت کا دم بھرتی ہو۔

ایزبیل: محبت اختیاری نہیں ہے ایاس۔

اس وقت وہ مسلمان جنہیں ایاس درختوں کے جھنڈ میں چھپا آئے تھے ان کی طرف بڑھ کر آتے نظر آئے۔ ایزبیل نے انہیں دیکھ لیا۔

اس نے کہا شاید تمہارے ہمراہی آ رہے ہیں ایاس۔

ایاس نے انہیں دیکھ کر کہا ہاں یہ لوگ میرے ساتھ لشکر کی حفاظت کر رہے ہیں۔

ایزبیل: تب مجھے لوٹ جانا چاہئے۔

ایاس خود یہی چاہتے تھے کہ گفتگو کا جو موضوع شروع ہو گیا ہے وہ رک جائے انہوں نے کہا۔ ہاں مناسب تو یہی ہے۔

ایزبیل: اچھا میں جا رہی ہوں۔ لیکن مجھے بھول نہ جانا۔

یہ کہہ کر اس نے حسرت بھری نگاہوں سے ایاس کو دیکھا۔ ٹھنڈا سانس بھرا اور واپس لوٹ گئی۔

ایاس اس کی حسرت آمیز نظریں دیکھ کر بے چین ہو گئے انہوں نے آہستہ سے کہا معصوم لڑکی۔

اب مسلمان ان کے پاس پہنچ گئے۔ قبل اس کے کہ وہ ایاس سے دریافت کریں۔ ایاس نے خود ہی کہا۔ یہ وہی لڑکی تھی جس نے مجھے رہا کرایا تھا۔

مسلمانوں نے کہا۔ آپ نے اسے ہمیں کیوں نہ دکھا دیا۔ ہم اسے جان جاتے۔

ایاس: وہ تو چلی گئی پھر دیکھ لینا۔ تو واپس چلیں۔

یہ کہتے ہی وہ لوٹے ان کے ساتھ ہی تمام مسلمان بھی لوٹ گئے۔

(۱) از تاریخ ابن خلدون جلد سوم صفحہ ۵۵ یہ تمام تقریر عربی میں تحریر ہے۔ (صادق صدیقی)

باب نمبر ۱۶

پرجوش مجاہد

مسلمانوں کو تھوڑی تعداد میں دیکھ کر عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور چونکہ اس سے قبل انہیں مسلمانوں کی معرکہ آرائی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لئے سمجھ رہے تھے کہ جنگ ہوتے ہی وہ مسلمانوں کو قتل کر ڈالیں گے۔ ایک کو بھی نہ رہنے دیں گے۔

ہرقل اعظم اگرچہ مسلمانوں سے ذرا فاصلہ پر مقیم تھا۔ لیکن اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اسلامی لشکر بہت تھوڑا ہی ہے۔ اسے اس بات پر افسوس ہو رہا تھا کہ وہ عظیم الشان لشکر لے کر زر کثیر صرف کر کے اور بہت سی تکلیفیں اٹھا کر آیا تھا۔ اس نے شرجیل سے کہلا بھیجا تھا کہ وہ فوراً حملہ کر کے مسلمانوں کا خاتمہ کر ڈالے۔

شرجیل نے مالک بن ارطلہ اپنے سپہ سالار کو حکم دیا کہ وہ آگے بڑھ کر مسلمانوں پر حملہ کرے چنانچہ مالک ایک روز پچاس ہزار لشکر لے کر میدان میں نکلا اور صف بندی کر کے قلب میں جا کھڑا ہو گیا۔

عیسائیوں کو دیکھتے ہی مسلمان بھی میدان میں نکلے انہوں نے بھی صفیں قائم کیں۔ سب سے آگے ایاس اور خزیمہ اپنے دستوں کے کھڑے ہوئے میمنہ میں قبعہ، میسرہ میں عجابہ اور قلب میں زید ٹھہرے۔

اب آفتاب طلوع ہو گیا اور اس کی سنہری کرنیں تمام میدان میں پھیل گئیں ہوا کے خفیف جھونکے رایت اسلام اور عیسائی علم کے پھریروں کے ساتھ خوش فعلیاں کرنے لگے۔

دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے تقریباً چار فرلانگ کی دوری پر کھڑے تھے۔ عیسائی مسلمانوں کو اور مسلمان عیسائیوں کو دیکھ رہے تھے تھوڑی ہی دیر میں

عیسائی لشکر میں فوجی باجہ نہایت خوش آہنگ اور جوشیلے لہجہ میں بجنے لگا۔ اور چند ہی لمحوں کے بعد ایک گرانڈیل عیسائی زرہ بکتر پہنے چاندی کا خود اوڑھے اور ریشمیں لباس زیب تن کئے اپنی صفوں کو چیر کر نکلا اور مسلمانوں کے قریب آ کر بولا۔ مسلمانو! میں وادی بلقا کا افسر اعلیٰ ہوں۔ میری بہادری کا شہرہ اطراف عالم میں ہے کسی کو میرے مقابلہ کے لئے بھیجو۔

ایاس نے اس کی آواز سنتے ہی اپنا گھوڑا بڑھایا لیکن ابھی وہ صفوں سے باہر بھی نہ نکلے تھے کہ خزیمہ نے ان کے پاس آ کر کہا۔ ایاس تم ٹھہرو مجھے اس مغرور عیسائی کے مقابلہ میں نکلنے دو۔

ایاس نے کہا۔ نہیں خزیمہ مجھے ہی جانے دو تم اپنی جگہ پر ٹھہرو۔

خزیمہ نے زیادہ اصرار نہیں کیا۔ وہ لوٹ کر اپنی جگہ پر جا کھڑے ہوئے اور ایاس عیسائی سوار کے مقابلہ میں پہنچے۔

ایاس نوعمر تھے۔ عیسائی ادھیڑ عمر کا تھا۔ اس نے نیزہ سنبھالا اور اپنی پوری قوت سے ان پر حملہ کیا۔

ایاس نے پختہ کاروں کی طرح اس کا وار روک کر خود بھی نیزہ سے حملہ کیا۔

عیسائی نہایت ہوشیار اور فنون حرب سے پورا ماہر تھا۔ اس نے ایاز کا نیزہ اپنے نیزہ پر روکا دونوں انیاں ٹکرائیں شرارے سے نکلے اور فضا میں غائب ہو گئے۔

عیسائی نے جلدی سے دوسرا وار کیا۔ اس کا نیزہ ایاس کے گھوڑے کے سینہ میں پیوست ہو کر رہ گیا۔

حقیقت میں عیسائی طاقتور تھا۔ وہ نیزہ کھینچنے میں مصروف ہوا ایاس کا گھوڑا الف ہو کر گر پڑا۔ اگر ایاس جلدی سے نہ کود جاتے تو یقیناً گھوڑے کے نیچے دب جاتے۔

عیسائی نے جب ایاس کو پیدل دیکھا تو نیزہ چھوڑ کر جلدی سے تلوار کھینچی اور حملہ کرنے کے لئے جھپٹا۔

ایاس نے تلوار سونت لی۔ جب عیسائی نے ان پر حملہ کیا تو انہوں نے ڈھال پر روکا اور پھرتی سے اپنی تلوار کی نوک اس کے گھوڑے کے پہلو میں گھونپ دی۔

گھوڑا گھبرا کر بھاگا یہی اس وقت عیسائی نے دوسرا حملہ کیا۔ وہ توازن قائم نہ

رکھ سکا۔ اور گھوڑے سے نیچے گرا۔

ایاس کو گویا اس کے گرنے کا یقین تھا۔ وہ جھپٹ کر اس کے پاس پہنچا اور تلوار بلند کی۔ عیسائی نے دیکھا۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ موت اس کی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ اس نے حسرت بھری نگاہوں سے ایاس کو دیکھا۔ اس عرصے میں ایاس کی تلوار اس کے شانہ پر پڑی اور باریک زنجیریں کاٹ کر گردن اڑا گئی خون کا فوارہ ابلا عیسائی بری طرح آواز سے ڈکرایا۔

ایاس نے اس کا خود زرہ بکتر اور ہتھیار لے لئے اور نہایت اطمینان سے پیادہ ہی اپنے لشکر میں لوٹ آئے۔

عیسائیوں کو اپنے ایک جانباز کے مارے جانے کا بڑا ہی افسوس ہوا اسے انہوں نے برا شگون سمجھا۔ لیکن مسلمان خوش ہو گئے۔ انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا۔

ابھی نعرہ کی آواز فضا میں گونج ہی رہی تھی کہ ایک اور عیسائی گھوڑا دوڑا کر میدان میں آیا اور بلند آواز سے پکارا۔ وحشی مسلمانو! میں اس مقتول عیسائی کا بھائی ہوں۔ انتقام لینے کے لئے آیا ہوں۔ اسی کو میرے مقابلہ میں بھیجو جس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔

ایاس یہ سنتے ہی صف میں سے پا پیادہ ہی نکلے اور عیسائی کی طرف بڑھے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس بہت ہی کم گھوڑے تھے ایاس کے پاس وہی گھوڑا تھا جو ابیجل نے اس وقت دیا تھا جب وہ رہا ہو کر روانہ ہوا تھا۔ بدقسمتی سے وہ گھوڑا مارا گیا تھا۔ اور کوئی گھوڑا ان کے پاس نہ تھا۔ کسی اور سے مانگتے شرم آئی۔ اس لئے وہ پیدل ہی مقابلہ کے لئے نکل پڑے۔

خزیمہ نے جب انہیں پیادہ جاتے دیکھا تو وہ گھوڑا بڑھا کر آئے اور بولے۔ ایاس تم اپنا کام کر چکے ہو مجھے موقع دو۔

ایاس نے کہا مگر عیسائی مجھے طلب کر رہا ہے۔

خزیمہ: اچھا تو تم میرا گھوڑا لے لو۔

ایاس: یہ بات میری غیرت گوارا نہیں کرتی۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دونوں میدان جنگ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اگرچہ فاصلہ زیادہ تھا لیکن ایزبیل نے ایاس کو پہچان لیا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ کہا جا سکتا۔۔۔۔ تھا کہ ایاس کی بہادری دیکھ کر جوش مسرت سے اس کے چہرہ پر رنگ آگیا تھا۔ یا اپنی قوم کے دو بہادروں کے مارے جانے سے غصہ سے سرخی بکھر گئی تھی۔

شرجیل نے کہا کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ ایک معمولی تن و توش کے ۔ نے دو گرانڈیل اور مشہور بہادر عیسائیوں کو مار ڈالا جوش غضب سے میرے تن بدن میں آگ لگ رہی ہے۔ مالک بن ارطلہ کو بلاؤ اس کا رسالہ خاص کا ایک سوار دوڑ گیا۔ اور مالک کو ساتھ لے کر آیا۔ مالک بڑا لمبا و تڑنگا آدمی تھا۔ بہادری، جرأت اور پختہ کاری اس کے چہرہ سے ظاہر تھیں۔ اس نے نہایت ادب سے شرجیل کو سلام کیا۔ شرجیل نے کہا۔ مالک کیا عیسائی اس طرح قتل ہوتے رہیں گے۔ مالک مجھے خود حیرت ہو رہی ہے حضور ایک پیدل نے دو سواروں کو مار ڈالا۔

شرجیل: اور دونوں بہادر تھے۔

مالک: بے شک دونوں عالی خاندان اور جری تھے۔

شرجیل: میرے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے۔ کیا اس مسلمان کا خاتمہ کرنے کے لئے جس نے میرے دو جوان مردوں کو مار ڈالا ہے مجھے خود ہی میدان جنگ میں نکلنا پڑے گا؟

مالک: میری زندگی میں ایسا نہیں ہو گا حضور۔

شرجیل: تب کسی بڑے دلاور کو بھیجو اور اسے امید دلاؤ کہ اگر اس نے مسلمان کو مار ڈالا تو اس کے حوصلہ اور اس کی امید سے زیادہ اسے انعام ملے گا۔

مالک نے دبی زبان سے کہا۔ اگر اس انعام کی تشریح ہو جاتی تو زیادہ اچھا تھا۔

شرجیل: تشریح میرے دل میں جوش و غصہ کی آگ بھڑک رہی ہے میں ہر وہ چیز اسے انعام میں دے دوں گا جس کا وہ خواستگار ہو گا! مالک اگر جان کی امان ہو تو کچھ عرض کروں۔

شرجیل: کہو۔

مالک: اگر اس مسلمان کے قاتل کے ساتھ شہزادی ایزبیل کے عقد کی شرط لگا

خزانہ۔ پھر واپس لوٹ گئے اور ایاس عیسائی کے مقابلہ میں پہنچے عیسائی نے انہیں غضب ناک نگاہوں سے دیکھا اور پر شور لہجہ میں بولا۔ تو ہی میرے بھائی کا قاتل ہے۔ میں تجھے قتل کر کے انتقام کی آگ بجھاؤں گا۔

ایاس نے اطمینان کے لہجہ میں کہا مطمئن رہو عیسائی برادر انشاء اللہ تم بھی اپنے بھائی کے پاس پہنچ جاؤ گے۔

عیسائی نے طیش میں آکر نہایت جوش اور پوری قوت سے حملہ کیا ایاس نے بڑی ثابت قدمی سے اس کا حملہ روکا۔ عیسائی کا خیال تھا کہ وہ پہلے ہی وار میں ان کا خاتمہ کر دے گا۔ مگر جب اس کا حملہ خالی گیا تو اس نے غصہ میں آکر دوسرا وار کیا۔

یہ وار نہایت زبردست ہوا دیکھنے والوں کو اندیشہ ہو گیا تھا کہ ایاس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن انہوں نے اس کا وہ وار بھی ڈھال پر لیا اور لپک کر عیسائی کی ٹانگ پکڑ کر جلدی سے رکاب میں سے اس پھرتی سے کھینچی کہ عیسائی گھبرا کر سنبھلنے کی کوشش کرنے لگا۔

ایاس نے پوری قوت سے اس کی ٹانگ مروڑی گھٹنے کے پاس سے ہڈی ٹوٹ گئی۔ عیسائی بلبلا کر گھوڑے سے نیچے گرا اور زخمی سانپ کی طرح تڑپنے اور پھنکاریں مارنے لگا۔

ایاس نے اس کے تڑپنے کی پرواہ نہ کی اور جلدی سے بڑھ کر عیسائی کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

عیسائی تڑپ رہا تھا۔ ایاس نے خنجر نکال کر اس کے سینہ میں اتار دیا اس نے ہولناک چیخ ماری اور ایک دم اچھل کر ٹھنڈا ہونے لگا۔

ایاس نے اس کا چاندی کا خود زرہ بکتر اور ہتھیار بھی لے اور گھوڑے پر سوار ہو کر واپس لوٹ آئے۔ مسلمانوں کو بڑی مسرت ہوئی۔

لیکن عیسائی غم و غصہ سے دیوانے ہو گئے۔ خصوصاً شرجیل کو [illegible] طیش آیا۔

شرجیل لشکر کے بیچ میں ایک اونچے مقام پر کھڑا تھا۔ اس کی لڑکی ایزبیل بھی گھوڑے پر سوار اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔ ایک زر بفتی سائبان ان کے سروں پر تنا ہوا تھا۔

دی جائے تو۔۔۔۔

شرجیل: اس وقت غم و غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اس کی عقل سلب ہو گئی تھی۔ اس نے کہا بے شک تم اعلان کر دو۔ مگر یہ نہیں کہ اس مسلمان کو قتل کر دیا جائے کیونکہ اسے میں خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا چاہتا ہوں اعلان یہ کر دو کہ جو کوئی اسے زندہ گرفتار کر لائے گا اس کے ساتھ ایزبنل کا عقد کر دیا جائے گا۔ اور جو اس کا سر لائے گا اسے جاگیر انعام میں دی جائے گی۔

ایزبنل سن رہی تھی۔ اس کے عقد کا وعدہ اس کے اس گرفتار کرنے والے کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔ جسے وہ چاہتی تھی اس نے کہا ابا آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔

شرجیل نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ بیٹی! میرے دل کو اس بدبخت مسلمان کی حرکت نے بڑی تکلیف پہنچائی ہے۔ غالباً اس سے تیرا دل بھی دکھا ہو گا یقین ہے تو اس تجویز کو قبول کرے گی۔

ایزبنل: نہیں میں اس تجویز کو قبول نہیں کر سکتی۔

شرجیل نے حیرت سے دیکھ کر کہا۔ کیوں تجھے کیا عذر ہے۔

ایزبنل: معاف کیجئے میں یہ بات بتانا نہیں چاہتی۔

شرجیل: مگر تجھے بتانا ہو گا۔

ایزبنل: آپ نہیں جانتے وہ مسلمان کون ہے؟

شرجیل: کیا تو اسے جانتی ہے۔

ایزبنل: ہاں۔

شرجیل: کو کمال حیرت ہوئی۔ اس نے پوچھا تو کب سے اور کیسے جانتی ہے؟

ایزبنل: میں یہ بھی نہیں بتا سکتی۔

شرجیل کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا بے حیا لڑکی!۔۔۔ تجھے بتانا ہو گا! ایزبنل ڈری نہیں۔ اس نے کہا یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔

شرجیل بہت خوب اس نے چند سپاہیوں کو اشارہ کر کے کہا اسے گرفتار کر کے اس کے خیمہ میں قید کر دو (مالک سے) اور تم اس کے عقد کا اعلان اسی شرط کے ساتھ کر دو جو میں نے کہا ہے۔ مالک بہت خوب میں خود اس کی کوشش کروں گا۔

وہ چلا گیا سپاہی خوروش ایزبنل کو حراست میں لے گئے۔ شرجیل میدان جنگ کی طرف دیکھنے لگا۔

باب ۱۷

ایاس کی جرات

مالک بن اوطلہ کو ایزبیل سے عرصہ دراز سے محبت تھی اس وقت سے جب سے اس پیکر حسن و ناز نے عالم شباب میں قدم رکھا تھا اور حسن و رعنائی کی تمام اداؤں اور رنگینیاں اس کی ذات میں جمع ہو گئی تھیں۔

لیکن وہ اس کی محبت کا راز دل سے زبان پر اس خوف سے نہیں لا سکتا تھا کہ ایک تو اس کی عمر زیادہ تھی۔ دوسرے وہ ایک معمولی درجہ کا افسر تھا اور ایزبیل موتہ کے گورنر کی بیٹی تھی۔

وہ اس فکر میں ضرور تھا کہ کوئی غیب سے ایسا سامان ہو جائے جس سے اس کی امید بر آئے۔

آج اسے موقع مل گیا۔ اور اس نے شرجیل کو غضبناک دیکھ کر ایزبیل کے عقد کے ساتھ شرط قائم کرا دی۔

مالک کو اپنی بہادری اور جنگجوئی پر بڑا ناز تھا۔ آج تک وہ جس معرکہ میں شریک ہوا فتح پائی۔ جس آدمی سے لڑا اسے گرفتار کر لیا یا قتل کر ڈالا۔

اسے یقین تھا کہ وہ ایاس کو گرفتار کر لے گا۔ چنانچہ شرجیل کے سامنے سے آتے ہی وہ اپنے دستہ میں پہنچا اور افسروں کو ہوشیار رہنے کا اشارہ کر کے گھوڑے کو بڑھا کر میدان میں نکلا۔

اس سے پہلے جو دو گرانڈیل عیسائی مارے جا چکے تھے وہ قبیلہ غسان کے عرب تھے۔ خود مالک بھی عرب تھا۔ اس لئے یہ لوگ عربی خوب جانتے اور سمجھتے تھے۔

مالک نے اس جگہ پہنچ کر جہاں اس کے دو پیش رو مردہ پڑے تھے۔ ان کی لاشوں کو دیکھا۔ شاید اس لئے کہ مقتولین کو دیکھ کر اس کے دل میں اور بھی جوش و

غضب کا طوفان امنڈ آیا۔

چنانچہ اسے بڑا ہی طیش آیا۔ اس نے آواز دے کر کہا۔ مسلمانو! میں اپنے ساتھیوں کا انتقام لینے کے لئے آیا ہوں۔ یا تو تم اس بدبخت کو میرے حوالہ کر دو جس نے دو دیداروں کو قتل کر کے تمام مسیحیوں کے دلوں میں غم و غصہ کی آگ بھڑکا دی ہے یا اسے میرے مقابلہ کے لئے بھیجو۔

قبل اس کے کہ ایاس نکلیں۔ خزیمہ اپنا گھوڑا بڑھا کر مالک کے سامنے آئے اور اس کے پاس آ کر دیکھنے لگے۔

مالک بھی بڑا ہی عظیم الجثہ تھا۔ چاندی کی زرہ بکتر پر ریشمین لباس پہنے اور سونے چاندی کا گنگا جمنی خود اوڑھے تھا۔ چاندی کی باریک زنجیروں کا جال دونوں شانوں پر تھا۔ گھوڑے کے ساز میں لگام اور رکابیں چاندی کی تھیں۔

وہ گھوڑے پر اس طرح جما بیٹھا تھا جیسے کوئی برج نصب کر دیا گیا ہو۔ اس نے خزیمہ کو دیکھ کر دریافت کیا۔ کیا تم نے ہی ان دونوں بہادروں کو قتل کیا ہے؟

خزیمہ نے جواب دیا نہیں۔ البتہ میں انشاء اللہ تمہیں قتل کروں گا مالک اچھا تم واپس جاؤ اور اس جوان کو بھیجو جس نے انہیں مار ڈالا ہے۔

خزیمہ وہ اپنا کام کر چکے اب مجھے اپنا کام کرنا ہے۔

مالک مگر میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔

خزیمہ: کیا ڈر گئے ہو مجھ سے اگر ایسے بہادر تھے تو میدان میں نکلے ہی کیوں؟

مالک کو یہ بات سن کر غصہ تو بہت آیا مگر وہ اس لئے پی گیا کہ اس کا مقصد ایاس کو گرفتار کر کے اپنی آرزو پوری کرنے کا تھا اس نے کہا اے برادر عربی! تم مجھے جوش اور غصہ دلانا چاہتے ہو مگر میں ------؟ جانے والوں میں نہیں ہوں پہلے تم قاتل کو بھیجو جب میں اس سے انتقام لے چکوں تب تم آنا۔

خزیمہ مگر میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے زور آزما لو۔

مالک: مگر میں اس نوجوان سے انتقام لینے آیا ہوں جس نے ہمارے دو دلیروں کو قتل کر کے عیسائیوں کے دلوں کو دکھایا ہے۔

خزیمہ: لیکن وہ بڑے بہادر ہیں آتے ہی تمہیں بھی قتل کر دیں اس لئے.....

مالک نے قطع کلام کر کے کہا میں تم سے لڑوں گا نہیں۔ نہیں یہ کبھی نہیں ہو گا۔ تم واپس جاؤ اور اسی کو مقابلہ کے لئے بھیجو۔

خزیمہ نے ہر چند کوشش کی کہ مالک ان سے لڑے لیکن وہ نہ لڑا مجبوراً وہ لوٹ گئے۔ اور ایاس سے تمام گفتگو سنا دی۔

ایاس نے مسکرا کر کہا۔ وہ مجھے طلب کر رہا ہے۔ اگر خدا کی مدد شامل حال ہے تو میں اسے بھی اس کے ہمراہیوں کے پاس بھیج دوں گا!

مالک نے جلدی سے نیزہ سنبھالا۔ ایاس نے تلوار نکالی مالک نے نیزہ کو بچ دے کر پر زور حملہ کیا۔

ایاس کی نگاہ نیزہ کی طرف تھی جوں ہی مالک نے حملہ کیا انھوں نے بھی تلوار کا ہاتھ مارا۔ نیزہ کا بانس کٹ گیا۔ انی زمین پر گر پڑی اور ڈنڈا ہاتھ میں رہ گیا۔

مالک کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے ڈنڈا پھینک کر ایاس کے مارا انھوں نے تلوار کے اشارہ سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ مالک سمجھ گیا کہ ایاس معمولی آدمی نہیں ہیں۔ نہایت تجربہ کار اور فنون حرب سے پورے ماہر ہیں۔

اب اس نے بھی تلوار نکالی اور گھوڑا بڑھا کر نہایت سختی سے حملہ کیا۔ ایاس نے اس کا وار ڈھال پر روکا۔ اور پھر خود بھی حملہ کیا۔ مالک نے بھی ڈھال سامنے کر دی۔

مالک بھی بڑا تجربہ کار اور ماہر فن تھا دونوں اپنے اپنے جوہر دکھانے لگے۔

عیسائی اور مسلمان دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ پر کھڑے دونوں کی لڑائی کا تماشہ حیرت اور دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

ترجیل کی نگاہیں بھی ان کی طرف لگی ہوئی تھیں اس کی بڑی آرزو تھی کہ مالک ایاس کو زندہ گرفتار کر لائے۔

ایاس کو تو عمر دیکھ کر وہ ناتجربہ کار سمجھ رہا تھا۔ اور مالک کی فنکاری سے وہ خوب واقف تھا اس لئے اسے یقین تھا کہ مالک کوئی دم میں اسے گرفتار کر کے اس کے سامنے لے آئے گا۔

ایاس کو دیکھ کر خود مالک کا بھی یہی خیال ہوا تھا لیکن جب اس نے انھیں جنگ

کرتے دیکھا تو ماننا پڑا کہ وہ پورے جنگجو اور مرد میدان ہیں۔

دونوں بہادر تلواروں کے عجیب عجیب ہاتھ نکالتے اور دیکھنے والوں سے داد لیتے رہے۔

عیسائی مالک کا دل بڑھانے کے لئے شاباشیاں دے رہے تھے زور زور سے قومی نعرے لگا رہے تھے۔ مسلمان اپنی جگہ پر خاموش کھڑے تھے۔ دیر تک دونوں تلوار کے ہاتھ دکھاتے رہے۔ آخر مالک نے ایک مرتبہ حملہ میں سبقت کر کے بھرپور ہاتھ مارا اگر ایاس پھرتی سے ڈھال سامنے نہ کر دیتے تو ان کا بھنڈارا کھل جاتا۔

مالک کی پر زور تلوار ایاس کی ڈھال پر پڑی اور اس کا اگلا حصہ کاٹ گئی۔

مالک نے کہا۔ نوجوان عرب تمہاری ڈھال بے کار ہو گئی ہے جاؤ دوسری بدل لو میں تمہیں مہلت دیتا ہوں۔

ایاس کی نگاہیں مالک کی تلوار پر جمی ہوئی تھیں۔ انھوں نے کہا میں جانتا ہوں تم مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو مگر میں آسانی سے تمہارے فریب میں آنے والا نہیں ہوں۔

مالک بہادر آدمی دھوکا نہیں دیا کرتے۔

ایاس: تم جس لشکر کے سپاہی ہو ایک مرتبہ وہ خود ہمیں دھوکا دے چکا ہے۔ ہمارے محترم نبی کی مقدس حدیث ہے۔ یعنی مسلمان کو ایک ہی سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جا سکتا۔ غالباً تم سمجھ گئے ہو گے کہ مسلمان کو بار بار دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔

مالک: اگر تم اپنی جان سے عاری ہو تو آؤ لڑو۔ ڈھال نہ بدلو ایاس تم میرا فکر نہ کرو۔ میری حفاظت خدا کرے گا۔

مالک: جب تم اپنی خود حفاظت نہیں کرتے تو خدا کو کیا غرض ہے وہ کیوں تمہاری حفاظت کرے گا۔

ایاس: اس لئے کہ ہم اسی کے بھروسہ پر لڑتے ہیں۔ اس نے ہماری مدد کا وعدہ کیا ہے۔ اور یہ مسلمہ بات ہے کہ خدا جس کی مدد کرے دنیا کی کوئی طاقت زیر نہیں کر سکتی۔

اس نے پھر حملہ کیا ایاس نے اس کا وار روک کر خود بھی وار کیا پھر دونوں جوہر

گئے اور برق بار تلواروں سے جنگ کرنے لگے اس وقت آفتاب بہت کچھ اونچا ہو گیا تھا۔ دھوپ تمام میدان اور سارے سپاہیوں پر پھیل گئی تھی۔ آفتاب کی شعاعوں سے ہر چیز چمکنے لگی تھی ان دونوں کی تلواروں سے بھی بجلیاں سی جھڑ رہی تھیں۔ دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے کی تلوار کی طرف لگ رہی تھیں۔

ایک مرتبہ ایاس نے موقعہ پا کر مالک کی تلوار پر تلوار ماری اس کی تلوار کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ مالک گھبرا گیا۔ موت اس کی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اس نے جلدی سے گھوڑے کو واپس لوٹایا اور بے تحاشا دوڑا دیا۔

ایاس نے بھی اپنا گھوڑا اس کے پیچھے ڈال دیا۔ دونوں گھوڑے نہایت تیزی سے دوڑنے لگے۔ مالک اپنے گھوڑے کی پسلیوں میں مہمیزیں پیوست کئے دیتا تھا۔ اس کا گھوڑا تکلیف سے بے قرار ہو کر دوڑ رہا تھا۔ ایاس زین سے ابھر کر جھک گئے تھے اور ان کا گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا تھا۔

عیسائیوں نے یہ کیفیت دیکھ کر شور کیا۔ شرجیل نے کہا۔ افسوس مالک بھی بھاگا آ رہا ہے آخر کیوں کیا یہ مسلمان انسان نہیں۔ اس لونڈے نے دو بہادروں کو مار ڈالا اور تیسرا بھاگا آ رہا ہے۔ کس قدر قابل شرم بات ہے یہ۔

دونوں گھوڑے آگے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ آخر ایاس مالک کے برابر جا پہنچے انہوں نے داہنا ہاتھ مالک کی کمر میں ڈال کر اسے زین سے اٹھا لیا۔ مالک کی روح نکل گئی۔ اس نے چلا کر کہا۔ بچاؤ مجھے اس وحشی کے ہاتھوں سے بچاؤ۔

عیسائیوں نے زور زور سے چلانا اور شور مچانا شروع کیا۔ ایاس نے جلدی سے مالک کو چرخ دے کر بڑے زور سے زمین پر دے پٹکا وہ سر کے بل گرا اور گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ ایاس نے گھوڑے کو روکا اور جلدی سے لوٹ کر مالک کے پاس آ گئے۔

وہ پھرتی سے گھوڑے سے کودے اور خنجر نکال کر مالک کی طرف جھپٹے اس وقت اسے ہوش آ گیا تھا۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر ایاس کو دیکھتے ہی فرط خوف سے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

ایاس نے اس کے سینہ پر گھٹنا رکھا۔ اور خنجر دستہ تک پسلیوں میں اتار دیا۔

مالک نے ہولناک چیخ ماری۔ حیوان کی طرح ڈکرایا اور زور زور سے تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

ایاس نے جلدی جلدی اس کی زرہ بکتر' خود' شانہ پر جڑی ہوئی چاندی کی زنجیریں اور ڈھال لی اور گھوڑے پر سوار ہوئے۔

جب وہ گھوڑے پر بیٹھے تو انہوں نے عیسائی سواروں کے دستے اپنی طرف دوڑ کر آتے دیکھے۔ وہ ان کے مقابلے کے لئے تیاری کرنے لگے کہ خزیمہ نے بلند آواز سے کہا۔ ایاس واپس آؤ۔ تمہارے سپہ سالار کا یہ حکم ہے۔

چونکہ مسلمان اپنے افسروں کا حکم مانتے تھے اس لئے ایاس اپنے لشکر کی طرف لوٹ پڑے۔

عیسائیوں کا تمام لشکر حرکت میں آ گیا تھا۔ سپاہیوں کی صفیں سمندر کی موجوں کی طرح بڑھ رہی تھیں۔

جس طرح سمندر میں طوفان آنے پر سر بفلک موجیں کسی جہاز سے ٹکرا کر اسے پاش پاش کرنے کے لئے دوڑتی ہیں اسی طرح عیسائی لشکر مسلمانوں کو پیس ڈالنے کے لئے بڑھ رہا تھا۔

شرجیل اس وقت اس لئے خوش معلوم ہوتا تھا کہ اس کی فوج کے ہر سپاہی کو طراوہ آ گیا تھا۔ اور ہر سپاہی بڑے جوش و عزم سے اپنے مقتول افسروں کا انتقام لینے کے لئے قدم بڑھا رہا تھا۔

اس عظیم الشان لشکر کے کوچ سے زمین تک ہل رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔

ایاس اسلامی لشکر میں پہنچ کر اپنی جگہ پر جا کھڑے ہوئے تھے۔ زید بن حارثہ نے پکار کر کہا۔ مسلمانو! خوش خبری ہو جہاد نہ صرف بقائے نام اور بقائے قوم اور قومی عزت و عظمت برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے بلکہ خدا کی خوشنودی بھی اسی سے ہوتی ہے۔

جہاد شہادت کا ذریعہ ہے اور شہادت جنت میں داخلہ کا وسیلہ شہیدوں کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر شہید مرتے نہیں بلکہ زندہ رہتے ہیں صرف ان کا تعلق

اس کثیف جسم سے ٹوٹ جاتا ہے ان کی زندگی کا نیا آغاز ہوتا ہے یہ ان کی خوشی پر منحصر ہے کہ وہ جنت زار میں رہیں یا اس مادی دنیا میں سیر کرتے پھریں انہیں غیب سے رزق پہنچتا ہے۔ خداوند عالم اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔ ترجمہ: جو لوگ جہاد کرتے راہ خدا میں شہید ہوئے انہیں مردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے قریب بارگاہ میں روزی پاتے ہیں۔ یہی تو ماحصول زندگی ہے اس سے زیادہ ایک مسلمان کی اور کیا خواہش ہو سکتی ہے۔

اسلامی شیرو! تمہارے لئے جنت کے دروازے کھل گئے ہیں۔ حوریں فردوس بریں کی کھڑکیوں سے تمہیں جھانک رہی ہیں۔ خدا اور اس کے فرشتے تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں۔ آج تمہاری اسلام دوستی خدا پرستی اور استقلال و جرات کا امتحان ہے۔

آج اسلام اور کفر کا مقابلہ ہے۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کا مقابلہ ہے عربوں اور رومیوں کا مقابلہ ہے۔ دلیری اور بزدلی کا مقابلہ ہے خدا کے لئے اپنے ملک اپنی قوم اور اپنے مذہب کو رسوا نہ کرنا مرجانا لیکن پیچھے قدم نہ ہٹانا مسلمان کی شان یہی ہے۔

اگر بھاگو گے تو خدا کا غضب مول لو گے۔ پروردگار کلام مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ جو کوئی لڑائی میں اپنی پیٹھ پھیرے (بھاگے) سوائے اس کے کہ وہ اس کے کوئی جنگی حرفت کرتا ہو یا اپنی پچھلی جماعت سے ملنا چاہتا ہو تو اس پر خدا کا غضب نازل ہو گا۔ وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا وہ کیسی بری جگہ ہے رہنے کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ میدان جنگ سے بھاگنا سخت گناہ ہے ایسا گناہ جس سے خدا غضب ناک ہو جاتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں بھاگنے کا تو خیال بھی نہ کرنا ورنہ دوزخ کے حق دار ہو جاؤ گے۔

دشمن قریب آگیا ہے۔ خدا کا نام لے کر بڑھو اور دشمنان اسلام کو دکھا دو کہ فرزندان توحید دنیا میں کسی سے نہیں ڈرتے ہیں۔

اس تقریر سے مسلمانوں کے دل گرما گئے۔ زید نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور جب عیسائیوں کے پرے بالکل ہی قریب آگئے تو انہوں نے تیسرا نعرہ بلند کیا۔

اس نعرہ کی تکرار تمام مسلمانوں نے کی۔ ان کی پرشور آواز سے فضا گونج گئی زمین لرز گئی۔ عیسائیوں کے گھوڑے ٹھٹھک گئے خود بھی سہم گئے ان کا سیلاب رک گیا۔

مسلمان نہایت ہمت اور استقلال کے ساتھ بڑھ رہے تھے یہ ان کا ہی دل گردہ تھا ان کا ہی جوش ایمانی تھا۔ خدا پر اس قدر اعتماد تھا کہ ایک لاکھ عرب عیسائیوں کے مقابلہ میں صرف تین ہزار کی مختصر جمعیت کے بڑھ رہے تھے۔

ہم آج کل کے مسلمان ہوتے تو گھبرا کر بھاگ جاتے۔ کوئی ہزار روکنا چاہتا ہرگز نہ رکتے۔

لیکن وہ راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ دینداری ان کا شغل اور ایمان ان کی قوت تھی۔ خدا پر بھروسہ رکھنا ان کی عقیدت میں داخل تھا۔

ہم مذہب سے نام کا تعلق رکھتے ہیں ہمارا ایمان کمزور ہے خدا کی اعانت کا یقین نہیں۔ قرآن شریف پر عمل نہیں شور کرتے ہیں کہ ہم تباہ ہو گئے ذلیل ہو گئے۔ غیر مسلم اقوامیں کچلے ڈالتی ہیں' لیکن اس بات پر غور نہیں کرتے ہیں کہ کیوں ایسا ہو رہا ہے کیوں خدا نے نگاہ کرم پھیر لی کیوں ہم مقہور ہو گئے۔

مسلمانو! پہلے مسلمان بن جاؤ۔ قرون اولیٰ جیسے مسلمان قرآن شریف پڑھو طے کر لو کہ روزانہ صبح ہوتے ہی سب سے پہلے کلام اللہ کی تلاوت کیا کرو گے اس پر عمل کرو گے انشاء اللہ اپنے پیش رو جیسے باعزت مسلمان بن جاؤ گے اب دنیا سے ڈرتے ہو اور پھر دنیا تم سے ڈرنے لگے گی۔

مت سنو ان رہنماؤں کی باتیں جو خود غرضی اور اپنے مفاد کی وجہ سے تمہیں بزدل بنا کر اپنا آلہ کار بنانا چاہتے ہیں۔ ان رہنماؤں میں یہ دیکھو کہ وہ کیا نماز روزہ کے پابند ہیں۔ قرآن شریف پڑھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں خدا پر اعتماد رکھتے ہیں۔ اگر وہ ایسے ہیں تو ان کی بات مانو اس کے برعکس ہیں تو ان کا ساتھ چھوڑ دو اسلام غریبوں سے شروع ہوا ہے۔ غریبوں ہی میں رہے گا اور غریبوں ہی پر ختم ہو جائے گا۔

ہمارے رہنما رسول خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خود غریب تھے

آپ کے صحابہ بھی غریب تھے۔

امیر زیادہ تر بندہ نفس اور آرام طلب ہوتے ہیں۔ وہ کہنا تو بہت کچھ کرتے ہیں اسلام خطرہ میں ہے کی بھی صدائیں لگایا کرتے ہیں۔ لیکن اس خطرہ کو دور کرنے کے لئے کوئی عملی کام نہیں کیا کرتے۔

بھلا جو لوگ وقت کی پابندی کے ساتھ نماز نہ پڑھ سکتے ہوں رمضان شریف کے مہینے میں بیماری کا بہانہ کر کے روزے نہ رکھتے ہوں۔ مرنا تو درکنار جیل خانہ تک جانے سے کانپتے ہوں۔ مسجدوں میں جانے کے بجائے حکام کے دروازوں پر جانا ضروری سمجھتے ہوں۔ کیا تم ان سے یہ امید رکھتے ہو کہ وہ اسلام یا مسلمانوں کی کچھ مدد کر سکیں گے۔

یہ دھوکا ہے۔ اس دھوکہ میں نہ پڑو۔ طاقت جمعیت کے ساتھ ہوتی ہے امیروں کی کوئی جمعیت نہیں۔ جماعت غریبوں کی ہے۔ اگر غریب چاہے تو امیروں کو سیدھا کر دیں تم امیروں کے پاس جانا چھوڑ دو! امیر خود تمہارے پاس آنے لگیں گے اور جو تم کہو گے وہی کریں گے!

غرض تین ہزار مسلمان ایک لاکھ عیسائیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑھ رہے تھے عیسائی جوش و خروش سے پیکر انتقام بنے یلغار کرتے چلے آ رہے تھے۔

آخر دونوں لشکر ٹکرا گئے۔ تلواریں تڑپ کر میانوں سے نکل آئیں سیاہ ڈھالیں بھی اٹھ گئیں۔ جنگ شروع ہو گئی۔ برق پاش تلواریں بجلی کی لکیروں کی طرح کوندنے لگیں۔

سر کٹ کٹ کر اچھلنے اور دھڑ زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ خون کے فوارے ابل پڑے۔ عیسائی مسلمانوں کو مسلمان عیسائیوں کو قتل کرنے لگے شور و پکار سے میدان جنگ گونج اٹھا۔

اس وقت ایک پہر دن گذر گیا تھا۔ آفتاب اس قدر اونچا ہو گیا تھا کہ دھوپ ہر چیز پر پھیل گئی۔ شعاعیں لڑنے والوں پر بکھر گئی تھیں ہتھیار چمک رہے تھے۔

دونوں فریق بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ سرو تن کے فیصلے بڑی پھرتی سے ہو رہے تھے۔ موت اپنی کھیتی سرعت سے کاٹ رہی تھی۔ عیسائی اس لئے

دلیر تھے کہ مسلمانوں کی تعداد کچھ بھی نہ تھی بالکل آٹے میں نمک یا اونٹ پر قل کی مثال تھے۔

عیسائیوں کو یقین تھا کہ وہ مٹھی کے چند مسلمانوں کو بہت جلد موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اس لئے وہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔

لیکن مسلمانوں کو خدا کی مدد پر بھروسہ تھا۔ وہ بڑے ہی استقلال اور بڑی ہی جواں مردی کے ساتھ جدال و قتال میں مصروف تھے۔ ان کی تلواریں عیسائیوں کو کھیرے اور ککڑی کی طرح کاٹ رہی تھیں اس وقت ہر مسلمان اپنی ہستی کو بھولا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے میں تلوار لئے پیکر جوش و غضب بنا لڑ رہا تھا۔

عیسائیوں کی پچیس صفیں تھیں اور ہر صف میں چار ہزار سوار تھے مسلمانوں کی کل دو ہی صفیں تھیں اور ایک ایک صف میں ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار جانباز تھے۔

عیسائی کوشش کر رہے تھے کہ مسلمانوں کی پہلی صف کو توڑ کر پامال کر دیں اور پھر دوسری صف کا بھی خاتمہ کر ڈالیں۔

لیکن مسلمان سنگی چٹانوں یا آہنی دیواروں کی طرح جم گئے تھے۔ نہ پیچھے ہٹتے تھے نہ ان میں شگاف پڑتے تھے۔ نہ وہ کثرت سے مرتے تھے بلکہ بڑی پھرتی سے حملے کر کر کے عیسائیوں کو ختم کر رہے تھے۔

انہوں نے ان کی پہلی صف کو درہم برہم کر دیا تھا اس صف کے زیادہ عیسائی مار ڈالے اور جو باقی رہ گئے تھے وہ پیچھے ہٹ کر دوسری صف میں جا گھسے تھے۔

مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر دوسری صف پر بھی حملہ کر دیا تھا اور اس صف کو توڑ کر تیسری صف میں رخنے ڈال کر چوتھی پر حملہ آور ہوئے تھے۔

اس طرح مسلمانوں کی صفیں بھی قائم نہ رہ سکی تھیں دونوں صفیں بڑھ کر عیسائیوں کی صفوں میں گھس گئی تھیں اور جو مسلمان جس جگہ پہنچ گیا تھا وہیں بڑی جوانمردی اور پامردی کے ساتھ لڑ رہا تھا۔

جنگ کی آگ تیزی سے بھڑک اٹھی تھی۔ تلواریں سرفروشوں کو کاٹ اور چلا رہی تھیں۔ آہ و واویلا کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ عیسائی گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے تھے تمام میدان پر شور آوازوں سے گونج اور گھوڑوں کی سموں سے ہل رہا تھا۔

ہر طرف مردوں کے ڈھیر لگتے جاتے تھے جو اجل رسیدہ زخمی ہو کر بھی گر جاتا تھا۔ گھوڑوں کے سموں سے کچلا جاتا تھا کسی کو دوبارہ اٹھنا نصیب نہ ہوتا تھا۔

یوں تو ہر مسلمان بڑے جوش و خروش سے لڑ رہا تھا لیکن ہر افسر نہایت جانبازی سے جنگ کر رہا تھا۔ خزیمہ کی تلوار بجلی کی طرح کوند کوند کر عیسائیوں کو نرم چیز کی طرح کاٹ رہی تھی۔

ایاس اس پھرتی اور جوش سے جنگ کر رہے تھے گویا تمام لشکر کو اپنے ہاتھ سے کاٹ ڈالنے کا تہیہ کر چکے تھے۔ وہ جس طرف حملہ کرتے دو چار عیسائیوں کو قتل کیے بغیر نہ لوٹتے تھے۔ جس گروہ پر ٹوٹتے تھے اسے منتشر کر کے سانس لیتے تھے۔ ان کی تلوار زرہ بکتریں تک کاٹ رہی تھیں۔

یہی عالم ہر افسر کا تھا۔ ہر سردار نہایت چابکدستی اور استقلال سے لڑ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عیسائی کثرت سے مر رہے تھے۔ اور مسلمان کبھی کبھی کوئی کوئی شہید ہوتا تھا۔

مگر زید بن حارثؓ کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک ہاتھ میں رایت اسلام کو سنبھالے داہنے ہاتھ میں تلوار لئے نہایت بے خوفی اور بڑی دلیری سے حملے کر رہے تھے اور چار چار چھ چھ عیسائیوں کو قتل کر کے پلٹتے تھے ان کی تلوار غضب کی کاٹ کر رہی تھی۔ جس کے سر پر پڑتی تھی آہنی خود کو کاٹ کر حلق تک اتر جاتی تھی جس کے سینہ پر پڑتی تھی پسلیاں کھول دیتی تھی۔

وہ نہایت جوش و عزم اور بے خوفی و دلیری سے لڑ رہے تھے وہ کچھ ایسے لڑنے میں مصروف و منہمک تھے کہ انہیں یہ خبر ہی نہ رہی کہ اس وقت کہاں ہیں مسلمانوں سے کتنی دور آگے بڑھ آئے ہیں۔ ان کے قریب و جوار میں کوئی مسلمان بھی نہیں۔

اس وقت وہ عیسائیوں کی ساتویں صف میں گھس گئے تھے حالانکہ عام مسلمان چوتھی اور پانچویں صفوں تک ہی میں لڑ رہے تھے۔

وہ تنہا تھے اگرچہ زخموں سے چور ہو گئے تھے لیکن ان کے جوش شجاعت میں اب بھی فرق نہ آیا تھا۔ اب بھی نہایت سرگرمی اور جانکاہی سے لڑ رہے تھے۔

ہر زخم پر خدا کا شکر ادا کرتے تھے اور جوش میں آ کر پر زور حملہ کر کے دو چار

عیسائیوں کو مار ڈالتے تھے۔

ایک مرتبہ ان کے دستہ نے جب سر اٹھا کر دیکھا اور انہیں علم اپنے سے دور عین عیسائیوں کے جم غفیر میں نظر آیا تو وہ بے چین ہو کر بڑھے اور اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگا کر نہایت سختی سے حملہ کیا۔ اور عیسائیوں کو مارتے کاٹتے اپنے سردار کی طرف بڑھنے لگے۔

ایک طرف حضرت جعفرؓ اپنے دستہ کے ساتھ مصروف جنگ تھے انہوں نے بھی دیکھا وہ بھی زید کی طرف بڑھے اور عیسائیوں کو تلواروں کی دھاروں پر رکھ لیا۔

جنگ اور بھی زور شور سے شروع ہو گئی۔ سرفروش نہایت ہی بہادری اور پھرتی سے لڑنے لگے۔

عیسائیوں کو مسلمانوں کے یہ حملے روکنے میں اپنی پوری قوت صرف کرنی پڑی لیکن ان کی کثیر جمعیت نذر اجل ہو گئی ہزاروں عیسائی قتل ہو کر بچھ گئے۔

زید نہایت جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ عیسائیوں نے ان پر یورش کر کے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور ہر طرف سے تلواروں اور نیزوں کی بارش کر دی تھی۔

لیکن وہ جوان ہمت و جواں مرد بھی پورے عزم و استقلال سے لڑ رہے تھے اگرچہ اس قدر زخمی ہو چکے تھے کہ کوئی عضو سالم نہ رہا تھا مگر ان کے ولولہ میں اب بھی کوئی فرق نہ آیا تھا۔ ان کی تلوار اب بھی کاٹ کر رہی تھی اور عیسائی اب بھی مر مر کر گر گئے تھے۔ اتفاق سے ان کی پشت کی جانب کی نیزہ بردار عیسائی پہنچ گئے اور انہوں نے نیزے مار مار کر انہیں چھید ڈالا۔

وہ اس شدت سے مجروح ہوئے کہ اب ان سے گھوڑے کی پشت پر سوار نہ رہا گیا۔ انہوں نے اپنے ارد گرد دیکھا۔ قریب کوئی بھی مسلمان نہ تھا۔ وہ شاید کسی کو علم دینا چاہتے تھے۔ کیونکہ اپنے ساتھ علم کو لے کر گرنا علم کی بڑی توہین سمجھتے تھے۔

حضرت جعفرؓ ان کے پاس پہنچنے کی بڑی جدوجہد کر رہے تھے۔ آخر جب زید گرنے ہی لگے تو انہوں نے پکارا مسلمانو! اس مقدس علم کو لو! یہ کہتے ہی وہ گرے عین اس وقت حضرت جعفرؓ ان کے برابر پہنچ گئے اور انہوں نے بڑھ کر علم ان کے

ہاتھ سے لے لیا۔

ڈھیر ہو کر پڑے۔ انہوں نے رایت اسلام کی طرف دیکھا مسکرائے اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔

حضرت جعفر کو ان کی شہادت کا بے حد رنج ہوا۔ انہوں نے اللہ اکبر کا پر زور نعرہ لگا کر نہایت شدت سے حملہ کر دیا۔

باب نمبر ۱۸

مصیبت زدہ نازنین

ہم واقعات کی رو میں سیلج رقیہ اور صبیحہ کے حالات نہ لکھ سکے قارئین کرام پڑھ چکے ہیں کہ سیلج ان دونوں عورتوں کو پادریوں کے چنگل سے چھڑا کر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہ ملک شام سے نکل کر حجاز میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ لیکن تینوں پیدل تھے۔ وہ خود تو سفر کا عادی تھا۔ پیدل ہی منزلوں پر منزلیں طے کر لیتا تھا مگر رقیہ اور سیم تن صبیحہ پیادہ سفر کرنے کی عادی نہ تھیں۔ اس لئے وہ بہت کم چلتی تھیں۔ اس کے علاوہ ابھی تک وہ ان دشمنوں کے ملک میں تھے جو اگر انہیں دیکھ لیتے تو بغیر گرفتار کئے نہ چھوڑتے اس لئے وہ دن بھر کسی کھو' غار یا چٹان کے پیچھے چھپ جاتے اور رات کو چند میل چل کر ٹھہر جاتے۔

اگرچہ سیلج کی صورت وحشیوں جیسی تھی۔ اسے دیکھ کر دیکھنے والوں کے دلوں پر اس کی ہیبت چھا جاتی تھی۔ لیکن اس نے ان دونوں ماں بیٹی کو رہائی دلائی تھی اور ان کے ساتھ نہایت لطف اور نرمی سے پیش آتا تھا اس لئے خوفزدہ نہ ہوتی تھیں۔

اس کے علاوہ قدرت نے انہیں اس کے ساتھ رہنے پر مجبور کر دیا تھا اس لئے بھی وہ وحشت زدہ نہ ہوتی تھیں بلکہ اس سے مانوس ہو چکی تھیں۔

سیلج انہیں امن کی جگہ چھپا کر دن میں باہر چلا جاتا اور کسی قریبی بستی سے ان کے لئے کھانے پینے کی چیزیں لے آتا۔ اس نے کئی جگہ گھوڑے حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن نہ مل سکے۔ اس کی خواہش تھی کہ زیادہ نہیں کم سے کم ایک ہی گھوڑا مل جائے اس پر یا تو دونوں عورتیں یا صبیحہ ہی سوار ہو کر سفر کرے تاکہ اسے زحمت نہ ہو۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ صبیحہ پیادہ سفر کرنے کی وجہ سے پھول کی طرح کملائی جاتی تھی

اُسے اس کی پژمردہ صورت دیکھ کر بڑا افسوس ہوتا تھا۔

ایک روز جب سیلج کھانا لایا اور ان تینوں نے کھا لیا تو اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ سیلج لطیفہ گوئی کر کے ان دونوں کو بہلایا اور انہیں ہنسایا کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہ بذلہ سنجی کر رہا تھا۔ صبیحہ نے پوچھا یا عم اے چچا آپ نے پادریوں کے خانقاہ کو آگ کیسے لگا دی تھی۔ اور وہ آگ بے ضرر کیوں تھی۔ اس میں دھواں کیوں نہ اٹھتا تھا۔

سیلج نے مسکرا کر کہا۔ بیٹی صبیحہ تو نے تو ایک سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔ اچھا سن میں جادو جانتا ہوں میرا استاد اس فن میں بڑا ماہر تھا۔ میں نظر بندی کے فن سے خوب واقف ہوں۔ اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ جب اور جو کچھ کہہ دیا جائے سننے والوں کے سامنے وہ بات ہونے لگتی ہے۔ میں نے کہا تھا آگ بھڑکتی اور پھیلتی ہوئی معلوم ہونے لگی حالانکہ وہاں آگ کا نام و نشان بھی نہ تھا پادری اور ننیں ڈر کر بھاگ گئیں۔ اور میں تمہیں وہاں سے نکال لایا۔

صبیحہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ خوب دھوکا دیا آپ نے۔

سیلج: میں نے دھوکا نہیں دیا بلکہ اپنے علم کے زور سے انہیں مرعوب کر دیا۔

رقیہ: لیکن سیلج تم آئندہ کے جاننے کا بھی دعویٰ کرتے ہو یہ سچ ہے؟

سیلج: ہاں میں جانتا ہوں حساب لگا کر اور کچھ قیاس آرائی ہے رقیہ اچھا بتاؤ کیا عیسائیوں اور مسلمانوں میں جنگ ہو گی؟

سیلج: یہ میں شرجیل کے سامنے پیشین گوئی کر چکا ہوں۔ نہایت خونریز جنگ ہو گی۔ ایسی کہ دیکھنے والوں کے دل الٹ جائیں گے سننے والے حیران رہ جائیں گے یہی جنگ عیسائیوں اور مسلمانوں میں اس وقت دشمنی کا باعث بنی رہے گی جب تک ان دونوں میں سے کوئی شکست نہ کھا جائے گی۔

رقیہ: اور اس جنگ کا انجام کیا ہو گا؟

سیلج: یہ میں بتانا نہیں چاہتا تم سن لو گی۔

اس وقت کسی عورت کے رونے کی آواز آئی تینوں نے کان کھڑے کئے۔

رقیہ نے کہا کوئی مظلوم عورت رو رہی ہے۔

سیلج: ہاں تم ٹھہرو میں دیکھتا ہوں۔

سیلج چلا گیا۔ صبیحہ نے کہا نہ معلوم بھائی جان اور ابا جان کہاں اور کس حال میں ہوں گے۔

رقیہ: خدا ہی کو علم ہے لیکن سیلج کہتا تھا کہ وہ خطرہ سے نکل گئے ہیں۔

صبیحہ: مگر ممکن ہے وہ ہماری تسلی کے لئے ایسا کہتا ہو۔

رقیہ: لیکن سیلج جھوٹ نہیں بولتا۔

صبیحہ: خدا ان کی حفاظت کرے۔

رقیہ: آمین۔

یہ دونوں خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگیں۔ ابھی سوچ ہی رہی تھیں کہ سیلج ایک کمسن عورت کو ساتھ لے کر آ گیا۔ اس کی گود میں ایک بچہ تھا۔ سیلج اور وہ عورت آ کر ان دونوں کے پاس بیٹھ گئے۔

یہ عورت حسین تھی۔ نوجوان تھی اس کے نقش و نگار نہایت ہی دلفریب تھے لیکن وہ غمگین و حزیں تھی۔

بچہ بھی خوشرو تھا۔ بڑا پیارا معلوم ہو رہا تھا ماں کے حسن کا عکس اس کے چہرہ میں بھی جلوہ فگن تھا۔ وہ ایک سال سے چھوٹا ہی تھا۔

رقیہ نے مظلوم عورت سے پوچھا۔ بہن تم کون ہو؟

اس نے رقیہ کی طرف دیکھا۔ جواب کچھ نہیں دیا۔ خاموش رہی رقیہ نے پھر سوال کیا۔ تم کیوں رو رہی تھیں۔

عورت نے پھر اس کی طرف دیکھا۔ اور پھر خاموش رہی رقیہ نے پھر دریافت کیا تمہیں کیا غم ہے۔ تم کیوں پریشان حال ہو؟

عورت اب بھی چپ رہی کچھ بھی نہ بولی۔ اس عرصہ میں بچہ نے پری پیکر صبیحہ کو دیکھا اور جھک کر اس کی گود میں جانے کی کوشش کرنے لگا۔

صبیحہ نے جلدی سے اسے لے کر اپنے گھٹنوں پر لٹا لیا بچہ اس کے چہرہ کو دیکھنے اور ہنسنے لگا۔

سیلج یہ سب کچھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ صبیحہ نے بچے کے گدگدی کی اور وہ

کلکاریاں کرنے لگا۔ عرصہ کے بعد آج صبیحہ کا چہرہ بھی چمک اٹھا وہ بھی ہنسنے لگی ہنسنے سے اس کے شاداب چہرہ پر حسن و جمال کی رو دوڑ گئی۔

رقیہ بھی مسکرانے لگی۔ مغموم و ستم زدہ عورت بھی کچھ مسرور نظر آنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے بھی شکر گذاری کی جھلک نمودار ہوئی۔

رقیہ نے کہا۔ کیسا پیارا بچہ ہے۔

سیلیج مسکراتے ہوئے بولا اور بچے والی۔

رقیہ: بڑی خوبصورت ہے۔ لیکن یہ بولتی کیوں نہیں۔

سیلیج: اس لیے کہ وہ تمہاری زبان نہیں سمجھتی۔

رقیہ: اوئی کیا یہ عربی نہیں جانتی؟

سیلیج: بالکل نہیں یہ ملک شام کی رہنے والی ہے۔ یہاں رومی زبان رائج ہے یہ صرف اپنی مادری زبان جانتی ہے۔

رقیہ: آپ نے مجھے پہلے ہی کیوں نہ بتا دی تھیں یہ باتیں۔

سیلیج: تم نے مجھ سے پوچھا ہی کب تھا۔

بچہ ہنس رہا تھا۔ صبیحہ اسے ہنسا کر خود بھی ہنس رہی تھی۔ مغموم عورت کا غم اس وقت دور ہو گیا تھا۔ اس کے نازک لبوں پر تبسم کھیلنے لگا تھا۔ آنکھیں فرط شادمانی سے چمکنے لگی تھیں۔ وہ مسرت بھری شکر گذارانہ نظروں سے کبھی اپنے بچہ کو دیکھ لیتی اور کبھی ماہ پیکر صبیحہ کو لیکن صبیحہ بچہ سے کھیلنے میں مصروف تھی۔

خدا ہی کو خبر ہے کہ حسن کیا ہے اور اس کا اثر بچے، بوڑھے اور جوانوں پر کیوں پڑتا ہے۔ ناسمجھ بچہ صبیحہ کی صورت تکے جا رہا تھا۔ خوش تھا اور ہنس رہا تھا۔

رقیہ نے سیلیج سے کہا ذرا اس سے پوچھئے تو کہ یہ کون ہے؟

سیلیج: میرے خیال میں اس عورت کو ایک عرصہ کے بعد اس وقت ذرا سی مسرت نصیب ہوئی ہے۔ اور یہ اپنی حالت کو بھول کر بچہ کی خوشی میں شریک ہو گئی ہے۔ جب تک یہ خوش رہے رہنے دو۔

رقیہ: نہ معلوم اس پر کیا پڑی ہے۔ کیوں اس نے اپنا گھر چھوڑ دیا ہے۔

سیلیج: ایک ذرا صبر کرو۔ یہ سب باتیں ابھی معلوم ہو جائیں گی! رقیہ بچہ کو

دیکھو صبیحہ کو دیکھ دیکھ کر کیسا خوش ہو رہا ہے۔ سیلیج اور صبیحہ خود کس قدر خوش رہی ہیں۔

رقیہ: اور بچہ کی ماں.....

سیلیج: سب سے زیادہ خوش ہے۔

رقیہ: لوگ نہیں جانتے کہ عورت ان سے کس قدر خوش ہوتی ہے جو اس کی اولاد کو پیار کرنے لگتے ہیں۔

سیلیج: یہ جذبہ عورتوں ہی میں پیدا ہوتا ہے اور وہ ہی اسے خوب جانتی ہیں۔

رقیہ: یہ سچ ہے جب میری صبیحہ چھوٹی تھی جو کوئی اسے گود میں لے کر پیار کرتا تھا۔ میرے دل میں اس کی عزت اور محبت پیدا ہو جاتی تھی۔ دل ہی دل میں اس کی شکر گذار ہوتی تھی۔

سیلیج: اس عورت کو دیکھا کیا اس کی نظروں سے شکر گذاری نہیں ٹپک رہی ہے۔

رقیہ: نہ صرف شکر گذاری بلکہ محبت بھی۔

سیلیج: اور مسرت بھی۔

رقیہ: اس کی مغموم آنکھوں میں مسرت کروٹیں بدل رہی ہے۔

سیلیج: اور اس کی تمام تر توجہ بچہ اور صبیحہ کی طرف مرکوز ہو گئی ہے۔

رقیہ: خود صبیحہ بچہ کے حسین قہقہوں میں گم ہو کر رہ گئی ہے وہ سن ہی نہیں رہی کہ ہم دونوں کیا باتیں کر رہے ہیں۔

سیلیج: تم نے بالکل درست کہا۔ معصوم لڑکی کو کھلونا ہاتھ آ گیا ہے۔

رقیہ: دیکھو اس کے سر سے دوپٹہ کا آنچل کھسک گیا ہے۔

اور اسے مطلق خبر نہیں..... صبیحہ

صبیحہ نے نشاط انگیز آنکھیں اٹھا کر رقیہ کو دیکھا۔ رقیہ نے کہا صبیحہ سر دھرو۔ سر کھلا رہنا بری بات ہے۔

صبیحہ شرما گئی۔ اس نے جلدی سے آنچل سر پر کھینچ لیا اور پھر بچہ کو کھلانے میں مصروف ہو گئی۔

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ آج کل کی نوخیز لڑکیاں قصداً سر کھول لیتی ہیں وہ نہیں جانتی کہ شریف لڑکیوں کو یہ بات زیبا نہیں ہے سر کھول کر بیٹھنا بد تہذیبی اور بے حیائی ہے' یہ وطیرہ بازاری عورتوں کا ہے۔ شریف گھروں کی بہو بیٹیوں کا نہیں۔

سیلج نے رقیہ سے کہا۔ دیکھو یہ عورت عیسائی ہے۔ عیسائی عورتیں قدرتاً عربوں سے مانوس نہیں ہوتی۔ لیکن اسے صبیحہ سے انسیت ہوتی جاتی ہے۔ وہ اسے پر محبت نگاہوں سے دیکھنے لگی ہے۔ رقیہ اس وقت اس کا دل بچہ کو خوش دیکھ کر باغ باغ ہو رہا ہے۔ کچھ دیر کے بعد رقیہ نے سیلج سے کہا۔ اب اس عورت سے اس کے حالات دریافت کیجئے۔

سیلج اچھا پوچھتا ہوں۔

اس نے عورت سے رومی زبان میں دریافت کیا۔ کیا آپ صفائی کر کے بتائیں گی کہ آپ کون ہیں؟

عورت کی خوشی کافور ہو گئی چپ ہو گئی۔ اس نے غمگین لہجہ میں کہا میں ایک ستم زدہ عورت ہوں۔

سیلج: تم پر کیا ستم ٹوٹا ہے۔ تم کیوں دشت نوردی کر رہی ہو اگر مناسب سمجھو تو اپنی داستان سنا دو۔ یہ خاتون رقیہ کی طرف اشارہ کر کے' تمہارا حال سننے کی بڑی مشتاق ہیں۔

عورت نے رقیہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ میں ان کی مشکور ہوں میری داستان نہایت غمناک ہے۔ انہیں سن کر رنج ہو گا۔

سیلج: انہیں آپ سے ہمدردی ہو گئی ہے۔ آپ کی داستان غم سن کر ہمدردی اور بڑھ جائے گی۔

عورت: اچھا میں اپنی دکھ بھری کہانی سناتی ہوں۔

عورت نے اپنی داستان شروع کی رقیہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

باب نمبر ۱۹

جس وقت حضرت جعفر نے اسلامی علم زید کے ہاتھ سے لیا اس وقت مسلمانوں کا ایک مختصر دستہ ان کے پاس پہنچ گیا۔ اس دستہ نے یہ جان لیا کہ حضرت زید شہید ہو گئے۔ اس دستہ کا ہر سپاہی پیکر جوش و غضب بن گیا۔ اور ہر شخص نے اپنے سامنے والے دشمن پر نہایت سختی سے حملے کر کے ٹھکانے لگانا شروع کر دیا۔

شیران اسلام دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور نہایت زور و قوت سے پھرتی اور چابکدستی سے قتل و خونریزی شروع کر دی۔ اس تیزی سے تلواروں پر تلواریں ماریں اور اس پھرتی سے عیسائیوں کے سروں کو قلم کیا کہ لاشوں پر لاشیں گر گئیں۔ سر اولوں کی طرح برسنے لگے۔ خون پانی کی طرح بہنے لگا۔

عیسائیوں کو بھی جوش آ گیا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو قتل ہوتے دیکھ کر جوش و غصہ سے دیوانے ہو کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے تھے چاہتے تھے کہ ان گنتی کے چند مسلمانوں کا خاتمہ کر ڈالیں گے ان میں سے جو لوگ غضبناک ہو کر مسلمانوں پر حملے کرتے تھے۔ مسلمانوں کی بے پناہ تلواریں انہیں کاٹ کر رکھ دیتی تھیں۔

مسلمان عیسائیوں میں ڈوب گئے تھے۔ تین ہزار مسلمانوں کی تعداد ہی کتنی تھی۔ ایک لاکھ عیسائیوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ ہر طرف سے ان پر تلواروں کی بارش ہو رہی تھی۔ جس طرف نگاہ جاتی تھی خون افشاں تلواریں اٹھتی نظر آتی تھیں۔

عیسائی مسلمانوں کو قتل کر ڈالنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے لیکن مسلمان گویا لوہے کے بن گئے تھے۔ ان پر تلواروں کی بارش ہو رہی تھی اور وہ نہایت استقلال اور جوانمردی سے بڑی پھرتی اور ہنرمندی سے ڈھالوں پر تلواروں کو روک کر جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کے دشمنوں کو قتل کر رہے تھے۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ جس عیسائی کو جس مسلمانوں کی تلوار چھو جاتی تھی ان کا خاتمہ کر ڈالتی تھی۔ گویا عیسائی موم کے بنے ہوئے تھے جو ذرا سے اشارہ پر ٹوٹ جاتے تھے۔

مسلمانوں کی تلواریں انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ رہی تھیں وہ جس تیزی کے ساتھ تھے اسی کثرت سے قتل ہو رہے تھے۔

رفتہ رفتہ تمام مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ ان کے سپہ سالار حضرت زید بن حارثہ شہید ہو چکے ہیں۔

اس خبر نے مسلمانوں کے جوش کو چار چند کر دیا۔ ہر مجاہد نے غضبناک ہو کر پہلے سے بھی زیادہ جوش و قوت سے حملے شروع کر دیئے۔ ان کی تلواریں نہایت پھرتی سے اٹھتے اور نہایت تیزی سے کاٹ کرنے لگیں۔ انہوں نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ خون کے چشمے بہا دیئے۔

حضرت جعفرؓ نے علم لے کر اسے اس طرح جھٹکا دیا کہ اس کا پھریرا رعب دار سرسراہٹ کے ساتھ لہرانے لگا۔ اور جوش میں آ کر انہوں نے پرزور حملہ کیا۔

وہ خاندان بنی ہاشم کے بہادر اور پرجوش مجاہد تھے۔ ابی طالب کے جنگجو اور دلیر بیٹے تھے۔ رگ ہاشمی جوش میں آ گئی تھی۔ انہوں نے عیسائیوں کے سامنے والی صف پر حملہ کیا اور کئی عیسائیوں کو قتل کر کے دوسری صف پر جا ٹوٹے۔

انہوں نے شرجیل کو دیکھ لیا تھا۔ اور وہ ان سے تین صفوں کے پیچھے ایک ٹیلہ پر زر بفتی سائبان کے نیچے کھڑا تھا۔ ٹیلہ کے نیچے اس کا خاص رسالہ لوہے میں غرق ننگی تلواریں لئے جنگ گاہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

حضرت جعفرؓ نے شرجیل کے پاس پہنچنے کی کوشش کر دی وہ عیسائیوں کو قتل کر کے صفوں پر صفیں توڑتے۔ مقابلہ پر آنے والے دشمنوں کو مار گراتے یا ادھر ادھر ہٹاتے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔

دو سو مجاہدین بھی ان کے پیچھے لگ گئے تھے۔ وہ بھی عیسائیوں کو قتل کرتے ان کی صفوں کو الٹتے دلیری اور جانبازی کے جوہر دکھاتے بڑھ رہے تھے۔

مسلمان کچھ ایسے مصروف جدال و قتال تھے کہ انہیں ایک دوسرے کی خبر نہ

تھی۔ دراصل وہ دشمنوں میں ایسے گھر گئے تھے کہ سوائے حملے روکنے اور حملے کرنے کے اور کسی بات کی طرف توجہ ہی نہ کر سکتے تھے۔

تاریخ عالم لڑائیوں کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ ہر قوم کے عروج کا ایک زمانہ گذرا ہے۔ اور ہر قوم بہادری کے کارنامے پیش کر چکی ہے۔

لیکن مسلمانوں نے جس جوش جس استقلال اور جس دلیری کے واقعات پیش کئے وہ اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ کسی قوم کے حالات ان سے لگاؤ نہیں کھاتے ان کے کارنامے عدیم النظیر ہیں۔

وہ ایسے بے خوف تھے کہ ایک ایک سرفروش ایک ایک ہزار دشمنوں کے سامنے ڈٹ جاتا تھا۔ ایسے بے باک کہ حق بات کہنے میں موت کا مطلق بھی اندیشہ نہ کرتے تھے۔ ان کے دلوں میں غیر اللہ خوف کا گذر ہی نہ ہوتا تھا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ راسخ العقیدہ تھے۔ ان کے پیش نظر کلام اللہ شریف کی یہ مقدس آیت رہتی تھی۔ فلاتخافوھم و خافون ان کنتم مومنین۔ یعنی اے ایمان والو! اگر تم مومن ہو تو کافروں سے نہ ڈرو صرف مجھ سے ڈرو وہ سوائے خدا کے اور کسی سے بھی نہ ڈرتے تھے اسی لئے خدا ان کی اعانت کرتا تھا۔ اور وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوتے تھے۔ انہیں شہرت' عزت' دولت' سلطنت سب کچھ مل گیا تھا دنیا ان سے تھراتی تھی۔

ایک ہم مسلمان ہیں کہ خدا کا خوف تو ہمارے دلوں سے اٹھ چکا ہے اور تمام طاقتوں سے ہم ڈرتے ہیں۔ موت کے خوف یا جیل خانہ کے ڈر سے حق بات کہتے ہماری روح لرزتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب خدا ہی کا خوف نہ رہا تو ہم ثواب اور گناہ میں کیا تمیز کر سکتے ہیں۔ اور جب ہم گناہ میں ڈوب گئے۔ ہمارے دل زنگ خوردہ ہو گئے۔ تو خدا کی اطاعت کیسے کر سکتے ہیں۔ اور جب ہم خدا کی اطاعت سے رو گردانی کرنے لگے تو وہ ہم پر لطف و کرم کیوں کرے۔

ایک غلام اپنے آقا سے بغاوت کر کے اس کی مہربانیوں کا امیدوار ہو کیا اس کی حماقت نہیں ہے۔ آقا اپنے اطاعت گذار خادم کو نوازتا ہے اگر ہم بھی پھر خدا کی اطاعت کرنے لگیں تو وہ پھر ہم پر مہربان ہو جائے پھر اس کی رحمت میں جوش آ جائے

پھر وہ ہمیں نوازے اور پھر ہمیں ہماری عظمت رفتہ مل جائے۔

یہ بات کچھ کم حیرت ناک نہیں ہے کہ تین ہزار مسلمان ایک لاکھ دشمنوں سے مصروف جنگ تھے۔ اور اس جوش سے لڑ رہے تھے کہ دشمن اتنی بھاری تعداد میں ہوتے ہوئے بھی خوفزدہ ہو گیا تھا۔

اس سے پہلے کبھی ان عیسائیوں کا مقابلہ مسلمانوں سے نہ ہوا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان بھی ان ہی کی طرح انسان ہیں تھوڑی تعداد میں دیکھ کر انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ جنگ ہوتے ہی انہیں ختم کر ڈالیں گے۔

مگر جب ان سے مقابلہ ہوا اور معرکہ کارزار گرم ہوا تو انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ مسلمان ان مٹ قوم ہے۔ اس کا مقابلہ آسان نہیں ہے ان کے دلوں پر مسلمانوں کی بے شمار دلیری کا سکہ بیٹھ گیا تھا۔

مسلمان نہایت سرفروش اور بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ ان کی تلواریں برابر کاٹ کر رہی تھیں اور عیسائی کٹ کٹ کر گر رہے تھے ہر طرف شور و ہنگامہ بپا تھا۔ میدان جنگ گونج رہا تھا فضا تھرا رہی تھی۔

خونخوار تلواریں کوند رہی تھیں۔ موت کا فرشتہ اپنی کھیتی بڑی سرعت سے کاٹ رہا تھا۔ سر کٹ کٹ کر اچھل رہے تھے۔ دھڑ گر گر کر تڑپ رہے تھے۔ نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ جعفر صفیں الٹتے ہوئے شرجیل کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ وہ ہر اس دشمن کا خاتمہ کر ڈالتے تھے جو ان کے سامنے آ جاتا تھا جس صف پر حملہ کرتے تھے اسے الٹ دیتے تھے۔ جس گروہ پر ٹوٹتے بھگا دیتے تھے۔

عیسائی قدم قدم پر انہیں روک رہے تھے ان پر تلواروں کی بارش کر رہے تھے۔ انہیں شہید کر ڈالنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔

لیکن وہ شیر دل انہیں مارتے کاٹتے آہستہ آہستہ بڑھتے جاتے تھے۔ عبداللہ بن رواحہ ایک طرف سے اور خالد بن ولید دوسری جانب سے حضرت جعفر کی مدد کے لئے بڑھ رہے تھے۔ یہ دونوں سرفروش نہایت جانبازی سے لڑ رہے تھے اور دشمنوں کو جام مرگ پلا کر قدم قدم بڑھتے جاتے تھے۔

شرجیل حضرت جعفر کو دیکھ رہا تھا۔ انہیں قریب سے قریب تر آتے دیکھ کر

اس کے دل میں ہول سماتا جاتا تھا۔ اسے اپنی موت کا یقین ہو چلا تھا۔ اس نے اشارہ سے ایک سوار کو قریب بلا کر کہا۔ تم ابھی ہرقل اعظم کے پاس دوڑ جاؤ اور میری طرف سے عرض کرو کہ دشمن ہماری سپاہ کو ہلاک کئے ڈالتا ہے۔ جلدی مدد کو پہنچیں۔

سوار یہ حکم سنتے ہی صفوں کو چیرتا ہوا تیزی سے دوڑ گیا۔ شرجیل دیکھ رہا تھا کہ عیسائی حضرت جعفر کو روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں مگر وہ شیر دل رکنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اسے رہ رہ کر تعجب ہو رہا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ آل ہاشم سے ہیں۔ ان کے زور بازو کا مقابلہ آسان نہیں ہے۔

آخر حضرت جعفر اس ٹیلہ کے قریب پہنچ گئے جس پر شرجیل کھڑا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے اپنے خاص رسالہ کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ عیسائیوں کا یہ [illegible] رسالہ ایک دم ان پر ٹوٹ پڑا۔ بے شمار تلواریں ان پر ایک دم پڑیں اور ان کا داہنا بازو کٹ کر دور جا گرا۔ دشمنوں نے ان کے گھوڑے کو بھی زخمی کر دیا گھوڑا زخموں سے چور ہو کر گرا۔ حضرت جعفر جلدی سے گھوڑے سے کود کر زمین پر کھڑے ہو گئے۔ اور رایت اسلام بائیں ہاتھ سے سنبھال لیا۔

عبداللہ بن رواحہ دور سے یہ کیفیت دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے جوش میں آ کر حملہ کیا اور دشمنوں کو قتل کر کے بچھا دیا۔ ان کے رسالہ نے بھی پرجوش حملہ کر کے بہت سے عیسائیوں کو مار ڈالا۔

عبداللہ نہایت تیزی سے عیسائیوں کو قتل کرتے بڑی پھرتی سے بڑھ رہے تھے۔ اور عیسائی قدم قدم پر انہیں روک رہے تھے۔ چونکہ حضرت جعفر کا داہنا ہاتھ کٹ چکا تھا۔ بائیں ہاتھ میں علم سنبھالے تھے اس لئے نہ اب وہ حملے کر سکتے تھے اور نہ دشمنوں کے وار روک سکتے تھے۔

عیسائی ان پر برابر تلواروں کی ضربیں لگا رہے تھے۔ ان کا جسم زخموں سے چور ہو گیا تھا۔ مگر وہ علم کو گرنے نہ دیتے تھے آخر ان کا بایاں بازو بھی کٹ کر دور جا پڑا۔ انہوں نے جلدی سے علم گردن کے سہارے سے روک کر سینہ سے سنبھال لیا۔ عیسائی جوش میں آ کر ان پر وار کر رہے تھے۔ ایک عیسائی کی تلوار بھی گردن پر پڑی اور سر بھی کٹ کر گرا اس طرح وہ شہید ہو کر گرے مگر شان خدا کہ ان کے شہید

ہوتے ہی عبداللہ بن رواحہ پہنچ گئے۔ اور انہوں نے علم کو زمین پر گرنے سے پہلے اپنے ہاتھ میں لے کر اٹھایا اور جھٹکا دے کر پھر لہرا دیا۔ اس طرح اسلامی علم زمین پر گرتے گرتے رہ گیا۔

باب نمبر ۲۰

بدکاری کا ہولناک انجام

رقیہ، صہیب، بیٹیج سب مغموم عورت کی طرف دیکھ رہے تھے عورت نے کہا۔

میرا باپ موتہ میں رہتا تھا۔ اب بھی رہتا ہے وہ کسان ہے کئی ہلوں کی کھیتی کرتا ہے۔ کئی ہالی اور کمیرے ملازم ہیں۔ اس کی صرف ایک میں ہی تنگ خاندان اولاد تھی۔ سنا ہے جب میں پیدا ہوئی تھی تو میرے باپ نے بڑی لٹائی کی تھی سینکڑوں مسکینوں کو کھانا کھلایا تھا سینکڑوں عزیزوں اور دوستوں کی دعوت کی تھی۔ کئی فوجی افسروں اور حکام کو مدعو کیا تھا۔ کئی روز تک جشن ہوتا رہا۔ اور داد عیش دی جاتی رہی تھی۔ شراب ارغوانی کے دور جاری رہے۔ رقص و سرود کی محفلیں گرم رہیں۔ کئی روز تک محلہ بھر کی دعوتیں ہوتی رہیں۔

میری والدہ نہایت خوبصورت تھی میں اس کی خوبصورتی کا ہلکا سا عکس ہوں میرے باپ کو اس سے والہانہ محبت تھی۔ مگر سنا ہے میری والدہ کو میرے والد سے محبت نہ تھی۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ میری والدہ نے شادی دولت کے لالچ میں کی تھی۔ میرے باپ بڑے دولت مند تھے۔ بہت ہی جس کھ۔ نرم طبیعت اور رحم دل تھے۔

ایک فوجی افسر کو میری والدہ سے محبت ہو گئی۔ والدہ بھی اس پر ریجھ گئیں دونوں کی ملاقاتیں چھپ چھپ کر ہوتی رہیں۔

چونکہ میرے والد کھیتی باڑی کے کام میں اس قدر مصروف رہتے تھے کہ کئی کئی دن گھر نہ آتے تھے۔ اس لئے انہیں مدت تک میری والدہ کی حرکتوں کی خبر نہ ہوئی۔ لیکن پڑوس میں چرچے ہونے لگے۔

جب میں دو سال کی تھی تو ایک روز اتفاق سے والد خلاف معمول اچانک گھر آ

گئے۔ فوجی افسر مکان میں موجود تھا۔ والد کے کانوں میں جن افواہوں کی بھنک پڑ چکی تھی۔ اس روز اس کی تصدیق ہو گئی۔

رومی حکومت کا یہ قانون ہے کہ فوجی افسر یا سپاہی کی توہین کرنے والے کو موت کی سزا دی جاتی ہے۔ والد نے جوش اور غصہ میں اس بات کا لحاظ نہ کیا۔ افسر نے ان کے خلاف دعویٰ دائر کیا۔ مقدمہ چلا گواہ کوئی نہ تھا۔ لیکن میری والدہ نے ہی والد کے خلاف شہادت دی والد کا دل ٹوٹ گیا۔ انہوں نے جواب دہی کی کہ افسر نے ان کے ننگ و ناموس کی دھجیاں اڑا دی تھیں۔ بدتہذیبی معصیت کی بری مثال قائم کی تھی۔ اس کی منکوحہ پر قبضہ جمانا چاہا تھا۔ انہیں جوش اور غصہ آگیا۔ اس لئے ان سے یہ جرم سرزد ہو گیا۔

لیکن فوجی عدالت نے اس جواب دہی کی طرف مطلق بھی توجہ نہ دی اور میرے والد کو سزائے موت کا حکم سنا دیا۔

اس وقت میں اتنی کمسن اور صغیر سن تھی کہ ان باتوں کو بالکل جانتی اور سمجھتی نہ تھی۔ یہ سب واقعات مجھے میری اما نے اس وقت سنائے جب میں جوان ہو گئی تھی۔

میرے والد کے کئی دوست تھے انہوں نے انہیں بچانے کے لئے سر توڑ کوشش کی۔ یہاں تک کہ گورنر اور قیصر اعظم ہرقل کے دربار تک پہنچے۔ بڑی مشکل سے انہیں معافی ملی۔ وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ وہ افسر سے معافی مانگیں اور تحریری معافی حاصل کر کے پیش کریں۔

میرے والد اس بات کو گوارا نہ کرتے تھے۔ مگر دوستوں کے کہنے سننے پر آمادہ ہو گئے۔ جب افسر سے اس بات کی تحریک کی گئی تو اس نے صاف کہہ دیا کہ یا تو میری والدہ کو ایسی آزادی دیں کہ وہ بے تکلف اس فوجی افسر سے ملتی رہے یا اسے چھوڑ دیں اور دس ہزار روپے نقد ادا کریں تب وہ تحریری معافی دے سکتا ہے۔

والد والدہ کی صورت سے بیزار ہو گئے تھے۔ انہوں نے پہلے ہی سے اسے گھر سے نکلوا دیا تھا۔ لیکن طلاق نہیں دی تھی طلاق اب بھی نہ دی۔ البتہ یہ کہہ دیا کہ انہیں اس کی کسی حرکت پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ دس ہزار روپے بھی دے دیئے۔ افسر

نے فوجی عدالت کو لکھ دیا کہ اس نے میرے والد کو معاف کر دیا ہے۔ چنانچہ انہیں رہا کر دیا گیا اور وہ پھر اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔

انہوں نے اپنے تمام ملازموں کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ میری والدہ کو مکان میں نہ گھسنے دیں۔ انہیں یہ بات معلوم تھی کہ میری والدہ کو مجھ سے بہت زیادہ محبت ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ والدہ نے افسر پر زور دیا تھا کہ وہ مجھے بھی والد سے مانگ لیں۔ لیکن اس نے نہیں مانا تھا۔ اسے کیا ضرورت تھی کہ وہ دوسرے کی اولاد کو پرورش کرنے کی زحمت اٹھاتا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ میری والدہ میرے والد کی غیبت میں اکثر آیا کرتی اور گھنٹوں میرے پاس بیٹھ کر مجھے کھلایا کرتی۔

یہ قدرتی بات تھی کہ مجھے اپنی والدہ سے محبت تھی میں اسے دیکھ کر خوش ہو جاتی تھی وہ بھی مجھے لپٹا کر پیار کرنے لگتی تھی۔

بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ میری والدہ فوجی افسر کے پاس ہی رہنے لگی تھی چونکہ میرے باپ نے اسے طلاق نہ دی تھی اس لئے وہ اس سے نکاح نہ کر سکتا تھا۔

چونکہ والدہ اکثر مجھے دیکھنے آتی اور گھنٹوں میرے پاس بیٹھی رہتی تھی اس لئے افسر کو یہ شک ہو گیا کہ جو سارا سارا دن غائب رہتی ہے کسی اور سے ملنے جاتی ہے۔

یہ بات اسے ناگوار گزری۔ شروع شروع میں تو اس نے زبانی طور پر اسے روکا کہیں آنے جانے کو منع کیا۔ جب والدہ نہ مانیں تو سختیاں کرنے لگا۔

والدہ نے ہر چند اسے سمجھایا کہ کہیں اور نہیں جاتی صرف اپنی بیٹی سے ملنے جایا کرتی ہے۔ لیکن اسے یقین نہ آیا۔ اس نے صاف طور پر کہہ دیا کہ جب اس نے نفس کی خاطر اپنے شوہر سے غداری اور بے وفائی کی ہے تو اس کی بات کا کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

بات بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ افسر میری والدہ کو بات بات پر تنگ کرنے اور نہایت بے دردی سے مارنے لگا۔

اب میری والدہ کو معلوم ہوا کہ اس نے اپنے شوہر کو چھوڑنے میں بڑی سخت غلطی کی ہے۔ اس نے کوشش کی کہ میرے والد اس کا قصور معاف کر دیں لیکن۔

اس کی صورت سے بے زار ہو چکے تھے۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ وہ اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔

ایک روز وہ افسر کی غیر حاضری میں مجھے دیکھنے آئی۔ جب واپس جا رہی تھی تو اتفاق سے میرے باپ سے دروازہ پر ملاقات ہو گئی اسے دیکھتے ہی والد کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے کہا بے حیاء اور بدکار عورت تجھے کیسے میرے گھر میں آنے کی جرات ہوئی۔

والدہ نے عاجزی سے کہا میں اپنی بچی مریم کو دیکھنے آئی تھی۔

میرا نام مریم تھا۔ والد نے کہا تجھے اس معصوم سے کیا واسطہ۔ والدہ وہ میری اولاد ہے۔

والد: بھول جاؤ اسے۔

والدہ: میں اس کی ماں ہوں کیسے اسے بھول جاؤں۔

والد: ایک آبرو باختہ عورت میری بچی کی ماں نہیں ہو سکتی۔ اگر آئندہ میں تجھے اپنے مکان کے دروازہ پر دیکھوں گا تو تیرے ٹکڑے کر ڈالوں گا یہ کہتے ہی والد نے نوکروں کو بلایا اور اسے دھکے دے کر نکلوایا۔

تحقیقات کرنے پر والد کو پتہ چل گیا کہ میری والدہ اکثر مجھ سے ملنے کے لئے آتی رہتی ہے۔ انہوں نے غصہ میں آ کر تمام نوکروں کو برطرف کر دیا البتہ میری انا کو اس کے رونے اور عاجزی کرنے سے رہنے دیا۔

شاید اس وجہ سے بھی کہ میں اپنی انا سے بہت مانوس تھی۔ لیکن اسے یہ ہدایت کر دی کہ آئندہ وہ میری والدہ کو میرے پاس نہ آنے دے۔ اگر وہ آئے تو نوکروں سے دھکے دے کر نکلوا دے۔

اس وقت میری عمر پانچ سال کی ہو گئی تھی۔ مجھ میں کچھ کچھ سمجھ آ چکی تھی۔ والد نے مجھے بھی سمجھا دیا کہ جو عورت یعنی میری ماں مجھ سے ملنے آتی ہے۔ وہ ڈائن ہے مجھے کھانے یا اٹھا لے جانے کے لئے آتی ہے۔ میں ڈر گئی۔ اسی روز جب والدہ گھر پہنچی تو افسر آ گیا تھا۔ وہ دیر سے بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جوں ہی والدہ نے گھر میں قدم رکھا اس نے غضب ناک لہجہ میں کہا او ذلیل کتیا تو کہاں گئی تھی۔

والدہ نے کہا مریم کو دیکھنے۔

افسر نے غصہ میں آ کر والدہ کو بری طرح زدو کوب کیا اور اسی اشتعال کی حالت میں اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا۔ وہ اس وقت جو کچھ بھی زیورات پہنے ہوئے تھی وہ بھی اس سے چھین لئے۔

اب والدہ کے لئے دنیا میں کوئی ٹھکانا باقی نہ رہ گیا تھا۔ اس کے عزیز دوست اور جاننے والے اس کی بری حرکتوں کی وجہ سے اس سے پہلے ہی بے زار ہو چکے تھے۔ کوئی اسے پاس بٹھانے کا بھی روادار نہ تھا وہ کئی عزیزوں اور دوستوں کے پاس گئی۔ لیکن کسی نے اسے اپنے گھر میں ایک دن رکھنے کی بھی حامی نہ بھری۔ سب نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ ایک بے عصمت اور آوارہ عورت کو اپنی بہو بیٹیوں کے پاس ایک لمحہ ٹھہرنے کی بھی اجازت نہیں دے سکتے۔

اب میری والدہ کو اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ اس نے اپنے خاوند سے بے وفائی کر کے اپنی زندگی کو تباہ کر لیا ہے۔ دنیا کے دروازے اس پر بند ہو گئے ہیں۔ کوئی نیک عورت اور کوئی نیک مرد اسے پناہ دینے کا روادار نہیں ہے۔

اسے ان عشرت خیز دنوں کی یاد آئی جب وہ اپنے شوہر کے مکان میں داد عیش دے رہی تھی۔ اس کی ہر خواہش پوری ہوتی تھی اسے بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ شریف گھرانے اس کے استقبال کے لئے تیار رہتے تھے۔

لیکن اب اسے بہت ہی نفرت و حقارت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ لوگ اس سے اس طرح بچتے تھے جیسے اسے کوئی متعدی بیماری لاحق ہو۔ اور یہ اندیشہ ہو کہ وہ بیماری کسی اور کو بھی لاحق نہ ہو جائے۔

اب اسے اپنی حرکتوں پر افسوس تھا۔ سخت افسوس۔ وہ پھر والد کے پاس گئی اور معافی کے لئے ان کے پیروں میں گر گئی۔ والد کو اب اس پر غصہ نہیں آیا۔ انہوں نے نرمی سے کہا۔

عزیزہ اب میرا دل ٹوٹ چکا ہے۔ میں اب کسی صورت میں بھی تجھے اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ البتہ تیرے گزارے کے لئے تجھے کچھ دیتا رہوں گا۔ مگر اس شرط پر کہ تو پھر کبھی میرے پاس آنا نہ اپنی بچی سے ملنے کی کوشش کرنا۔

میری والدہ کا نام مریا تھا۔ اس نے یہی غنیمت سمجھا اور ایک مختصر مکان کرایہ پر لے کر رہنے لگی۔ ایک غیر معروف محلہ میں والد اسے ششماہی وار خرچ بھیج دیا کرتے تھے۔

بدقسمتی سے میری محبت اس کے دل سے نہ گئی۔ وہ اکثر چھپ کر مجھ سے ملا کرتی۔ میری عمر آٹھ سال کی ہو چکی تھی۔ میں نے بھی والد سے اس کا قصور معاف کرنے کی سفارش کی۔ لیکن قبول نہ ہوئی ایک روز والد نے اسے مجھ سے باتیں کرتے دیکھ لیا۔ وہ برافروختہ ہو گئے۔ انہوں نے مجھے سرزنش کی اور اس روز سے والدہ کا خرچ بند کر دیا۔

اس واقعہ کے دو سال بعد شام کے وقت ایک عورت ہمارے دروازہ پر آ پڑی اس کے کپڑے میلے اور پھٹے ہوئے تھے جسم چرا ہوا چہرہ پر بے شمار جھریاں پڑی تھیں وہ دم توڑ رہی تھی میں اور والد باہر سے آ رہے تھے ہم دونوں نے دیکھا والد نے پہچان لیا انہوں نے کہا یہ ہے بدکاری کی بولتی ہولناک تصویر بدعصمت عورتوں کا بھی انجام ہوتا ہے

میں نے بھی پہچانا وہ میری والدہ تھی میں اس کے اوپر جھکنے لگی۔ والد نے سختی سے منع کرتے ہوئے کہا الگ رہو مریم! اس بدکار سے۔

والدہ نے آنکھیں کھولیں اور کہا پادری۔

والد نے کہا پادری نیک لوگوں کی باتوں پر آتے ہیں بدکاروں کی نہیں تو مر کر بھی نجات نہ پائے گی۔

ہم عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مرنے والے کے پاس بیٹھ کر اگر پادری اس کی نجات کے لئے دعا نہ مانگے تو اسے نجات نہیں مل سکتی۔ اسی لئے والدہ نے آخری وقت پادری کی خواہش کی۔ مگر پوری نہ ہوئی!

اسی حالت میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ والد نے چپ چاپ اسے دفن کرا دیا۔

یہاں تک بیان کر کے مریم چپ ہو گئی۔ رقیہ نے شیخ کے ذریعہ سے کہلوایا۔

ابھی تو تم نے اپنی والدہ کی داستان بیان کی ہے اب اپنا افسانہ بھی سناؤ۔

مریم نے روسی زبان میں یہ قصہ بیان کیا تھا جسے شیخ عربی میں کہتا جاتا تھا۔

مریم نے کہا۔ اب میرا قصہ شروع ہوتا ہے۔ ذرا دم لے کر بیان کروں گی۔ سب اس کی طرف دیکھنے اور بقیہ داستان سننے کا انتظار کرنے لگے۔

اس آیت کے ٹکڑے کو سنتے ہی عبداللہ بن رواحہ کے دل میں ایک نئی روشنی پیدا ہوئی۔ دماغ کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ انہوں نے کہا اے ارقم کے بیٹے! میں مسلمانوں پر شفقت کی وجہ سے متذبذب ہو گیا تھا۔ خدا میری لغزش کو معاف کرے آؤ ان ناکس عیسائیوں پر حملہ کریں۔

یہ کہتے ہی انہوں نے پھر علم کو جھٹکا دیا۔ پھریرا پھر نہایت رعب و دبدبہ کے ساتھ لہرایا۔ عبداللہ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور نہایت شدت سے حملہ کر دیا۔

ان کے نعروں کی آواز سن کر ہر جگہ مسلمان سنبھل گئے اور انہوں نے جوش میں آ کر اللہ اکبر کا پر شور نعرہ بلند کر کے اس جوش سے حملہ کیا جیسے وہ تازہ دم ہو گئے ہوں۔

عیسائی یہ سمجھ رہے تھے کہ کوئی دم میں مسلمانوں کو فنا کر ڈالیں گے اسی لئے وہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ لیکن جب مسلمانوں نے سنبھل کر از سر نو حملہ کیا اور ان کے خار اشگاف تلواروں نے انہیں کاٹنا اور چھانٹنا شروع کر دیا تو وہ پہلے تو کچھ حیران ہو گئے مگر فوراً ہی جوش و غضب میں بھر گئے اور نہایت دلیری اور جوانمردی سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔

مسلمان گویا اس حملہ کے منتظر ہی تھے انہوں نے بڑے استقلال سے ان کے حملے روکے اور نہایت دلیری سے ان پر وار کر کے انہیں ٹھکانے لگانے لگے۔

اب آفتاب نصف النہار پر آ کر مغرب کو ڈھلنے لگا تھا۔ اور ظہر کا وقت قریب آتا جاتا تھا۔

تیز دھوپ جانبازوں کے اوپر پڑ رہی تھی۔ کچھ لڑائی کی جدوجہد کے باعث آفتاب کی تپش کے سبب لڑنے والوں کو پسینے آ رہے تھے ادھر مقتولوں کا خون کپڑوں پر پڑ پڑ کر بہہ رہا تھا۔ ہر لڑنے والے کی کچھ عجب ہیئت ہو گئی تھی۔

سرفروش نہایت جوش و جرات سے لڑ رہے تھے عیسائی مسلمانوں کو پسپا کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ اول تو عام سپاہی یہ سمجھ کر مسلمان بہت ہی تھوڑے ہیں۔ نہایت بہادری سے لڑ رہے تھے دوسرے ان کے افسران ان کے بڑھا رہے تھے اور وہ غضبناک ہو ہو کر پر جوش حملے کر رہے تھے۔

باب نمبر ۲۱

عبداللہ بن رواحہ علم ہاتھ میں لے کر سوچنے لگے۔ شاید کہ جنگ جاری رکھنا مناسب ہے یا نہیں۔ انہوں نے نگاہ اٹھا کر میدان جنگ کی طرف دیکھا۔

جس طرف اور جہاں تک ان کی نگاہ گئی گھمسان کی لڑائی ہوتی نظر آئی خون آلودہ تلواریں بڑی پھرتی سے بلند ہو رہی تھیں۔ خون کے چھینٹے اڑ رہے تھے۔ سر کٹ کٹ کر اچھل رہے تھے۔ ہنگامہ دار و گیر بلند تھا۔

اگرچہ مسلمان نہایت جوش اور استقلال سے لڑ رہے تھے۔ لیکن دشمنوں سے مقابلہ کر رہے تھے۔ اور نہایت سرفروشی سے حملے کر رہے تھے۔ دشمنوں نے انہیں نرغہ میں لے لیا تھا ایک مسلمان پر کئی عیسائی لپٹ گئے تھے مسلمان مغلوب اور عیسائی غالب نظر آتے تھے۔

عبداللہ بن رواحہ یہ کیفیت دیکھ کر کچھ بے چین ہو گئے وہ اس تذبذب میں پڑ گئے کہ جنگ جاری رکھیں یا بند کر دیں۔

انہوں نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ اے مسلمانوں کے خدا میرے زیر علم مسلمانوں پر نہایت نازک وقت آ گیا ہے۔ میری اور مسلمانوں کی مدد کر مجھے یہ الہام کر کہ جنگ جاری رکھوں یا بند کر دوں۔

ابھی ان کے یہ فقرے پورے ہی ہوئے تھے کہ ایک مشہور مجاہد حارث بن ارقم ان کے قریب آ کر بولے۔ یا عبداللہ کیا تذبذب لاحق ہو گیا ہے تمہیں کیا تمہارے دل پر عیسائیوں کا خوف طاری ہو گیا ہے تو علم مجھ کو دو اور شخص کے حوالہ کر دو۔ مسلمانوں کو دشمنوں سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ اللہ پر بھروسہ رکھو وہ ضرور مدد کرے گا اس نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ ترجمہ۔ اور مسلمانوں کی مدد کرنی ہے۔

لیکن مسلمان حقیقت میں لوہے کے پتلے بن گئے تھے۔ نہ وہ مارے مرتے تھے نہ کٹتے تھے' بلکہ حملہ آوروں کو نہایت اطمینان بڑے استقلال اور کمال دلیری سے آہستہ آہستہ قتل کر رہے تھے۔

عیسائی جوش و غضب میں بھر بھر کر حملے کرتے تھے۔ ایک ایک مسلمان پر کئی کئی عیسائی ٹوٹ پڑتے تھے اور ہر حملہ میں یہ خیال کرتے تھے کہ جس پر حملہ کر رہے ہیں اس کا خاتمہ کئے بغیر نہ رہیں گے۔

لیکن جب ان کے حملے روک دیئے جاتے تھے اور سرفروش اسلامی مجاہد جوابی حملہ کر کے ان میں سے کئی حملہ آوروں کو مار ڈالتے تھے۔ تو عیسائی غصہ اور جوش میں آکر دیوانے ہو جاتے تھے۔

یہ درست ہے کہ نشہ اور غصہ کی حالت میں عقل سلیم باقی نہیں رہتی ہے۔ عیسائی بھی غصہ میں آپے سے باہر ہو کر یہ نہیں سمجھتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور انہیں کیا کرنا چاہئے۔

اس لئے ان کا زیادہ نقصان ہو رہا تھا۔ ان کے بہادر بھاری تعداد میں مارے جا رہے تھے۔ ان کی لاشوں سے میدان جنگ پٹتا جا رہا تھا۔ مسلمانوں میں جوش کا دریا تو بہہ رہا تھا۔ لیکن غصہ نہ تھا اس لئے وہ موقعہ اور محل کو دیکھ کر اطمینان اور استقلال سے لڑ رہے تھے۔ ان پر جو حملے کئے جاتے تھے وہ انہیں نہایت آسانی سے روک دیتے تھے اور موقعہ دیکھ کر پر زور حملے کر کے دشمنوں کو مار گراتے تھے۔

جنگ نہایت زور و شور سے ہو رہی تھی تلواریں بڑی پھرتی سے اٹھ رہی تھیں سر اچھل رہے تھے۔ خون کی بارش ہو رہی تھی جانباز خون میں نہا رہے تھے۔

ایاس اور خزیمہ دونوں ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔ دونوں نے اپنے گھوڑوں کی باگیں موڑ رکھی تھیں اور دونوں نہایت جوش و بہادری سے لڑ رہے تھے۔

ان دونوں کے دستوں کے کچھ جانباز سپاہی بھی ان کے ساتھ تھے۔ جس طرف یہ سب مل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ عیسائیوں کی صفیں الٹ دیتے اس جوش و خروش سے جدال و قتال کرتے تھے کہ دشمنوں کی لاشوں پر لاشیں بچھا دیتے تھے۔

جس طرف ان کا رخ ہو جاتا تھا اس کا قلع قمع ہو جاتا تھا۔ جو صف سامنے آ

جاتی تھی زیر و زبر کروائی جاتی تھی۔

ایاس اور خزیمہ دونوں نے اس قدر کشت و خون کیا تھا کہ مقتول عیسائیوں کا خون ان کے کپڑوں اور جسم کے کھلے ہوئے اعضا پر پڑ کر جم کر گوشت کے لوتھڑوں کی صورت میں ہو گیا تھا جیسے انہوں نے گوشت کی پوستین پہن لی ہو۔

انہیں اس ہیبت میں دیکھتے ہی عیسائیوں پر رعب و خوف چھا جاتا تھا۔ اور وہ ان کے سامنے کترانے لگتے تھے۔

لیکن یہ سرفروش انہیں چن چن کر قتل کر رہے تھے۔ جب کسی ایک عیسائی کو ان دونوں میں سے کوئی ایک مار ڈالتا تھا تو دوسرا اس وقت تک چین نہ لیتا تھا جب تک دوسرے عیسائی کو نہ مار ڈالتا تھا۔

گویا ان دونوں میں لاگ ڈاٹ ہو گئی تھی اور ان میں سے ہر ایک زیادہ سے زیادہ عیسائیوں کو قتل کر ڈالنے کی تگ و دو میں تھا۔

اگرچہ لڑائی صبح سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ اور اب ظہر کا وقت آ گیا تھا۔ اس وقت سے اب تک کھانا تو درکنار کسی نے پانی تک نہ پیا تھا اور اس عرصہ میں برابر جنگ کرتے رہے تھے اس لئے ان کا تھک جانا کچھ تعجب خیز نہ تھا لیکن وہ ایسے جفا کش تھے کہ تھکنا جانتے ہی نہ تھے۔ اب بھی اسی جوش و خروش سے لڑ رہے تھے جس سے علی الصبح انہوں نے لڑنا شروع کیا تھا نہ ان کے حملوں میں کمی آئی تھی نہ جوش و ولولہ میں انحطاط ہوا تھا۔

بلکہ جوں جوں وقت گذرتا جاتا تھا ان کا جوش جنگ بھی بڑھتا جاتا تھا۔ ان کے حملوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آفتاب غروب ہونے سے قبل ہی جنگ کا خاتمہ کر دینا چاہتے ہیں۔

لیکن دشمنوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ باوجود ان کی بھاری تعداد کے مارے جانے کے ان میں کمی نہ معلوم ہوتی تھی۔ حالانکہ ان کی لاشوں سے میدان پٹ گیا تھا۔

عبداللہ بن رواحہ اور ثابت بن ارقم دونوں نے نہایت شدت سے حملے کر کے شرجیل کے رسالہ خاص کو لڑنا شروع کر دیا تھا۔ ان دونوں جانبازوں نے دشمنوں کو

تلواروں کی دھاروں پر رکھ لیا تھا۔ وہ پھرتی سے حملے کر کے عیسائی جانبازوں کو ٹھکانے لگا رہے تھے۔

شرجیل کا رسالہ خاص ایک ہزار سواروں پر مشتمل تھا اگرچہ اس رسالہ میں سے دو تین سو جانباز کام آ چکے تھے لیکن اب بھی سات آٹھ سو باقی تھے۔ ان میں سے تقریباً پانچ سو جوان مردان و صف شکن دلیروں کے سامنے آ گئے تھے اور انہیں نرغہ میں لے کر ان پر تلواروں کی بارش کر رہے تھے۔

عبداللہ ان سواروں کو چیر کر ٹیلہ پر چڑھنا اور شرجیل پر حملہ کرنا چاہتے تھے سواروں نے ان کے ارادہ کو بھانپ لیا تھا اس لئے وہ جانیں دے رہے تھے لیکن عبداللہ کو ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دیتے تھے۔

مگر عبداللہ حملے کرنے میں کچھ زیادہ احتیاط نہ کر رہے تھے اس لئے ان کے جسم پر کئی زخم آ گئے تھے۔ اور ان میں دو یا تین زخم نہایت گہرے اور بڑے مہلک تھے۔ ان زخموں سے خون جاری ہو گیا تھا مگر انہیں ان زخموں کی مطلق بھی پرواہ نہ تھی۔ اگرچہ زخموں میں ٹیس اٹھ رہی تھی درد و کرب پیدا ہو گیا تھا' لیکن ان کی توجہ لڑائی کی طرف تھی۔ اور وہ لڑ رہے تھے۔ زخموں کی شدت اور تکلیف کی طرف کچھ بھی دھیان نہ تھا۔

تنہا انہوں نے پچاس ساٹھ عیسائیوں کو اب تک مار ڈالا تھا۔ اتنی تعداد کو قتل کرنے کی وجہ سے ان کے بازو بھاری ہو گئے تھے مگر اس کا بھی انہیں خیال نہ تھا۔ انہیں صرف ایک ہی دھن تھی شرجیل تک پہنچنے کی اور وہ اسی جدوجہد میں لگے ہوئے تھے سواروں کے پروں کو الٹتے عیسائی جانبازوں کو قتل کر کے بچھاتے ٹیلے کی طرف بڑھے جا رہے تھے۔

شرجیل کبھی رزمگاہ کی طرف کبھی عبداللہ کی طرف اور کبھی اپنی پشت کی طرف گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ہرقل اعظم کے تازہ دم لشکر کے آنے کا بڑی بے صبری سے انتظار کر رہا تھا۔ مگر ابھی لشکر کی آمد کی کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی تھی۔ اس لئے وہ کچھ بے چین نظر آنے لگا تھا۔ اس وقت عبداللہ اور ثابت پر عیسائیوں نے پر زور حملے کر کے انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا۔

عین اس وقت مسلمانوں کا ایک دستہ عیسائیوں کو مارتا کاٹتا ٹیلہ کے پیچھے آ پہنچا۔ شرجیل اس دستہ کو دیکھتے ہی زرد پڑ گیا۔ اس نے اپنے پشت والے لشکر کو فوراً آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

ادھر عیسائیوں کی کئی صفیں پرا جمائے کھڑی تھیں ان میں سے پہلی صف تیزی سے بڑھی اور مسلمانوں کے مقابلہ میں آ گئی۔

ان تازہ دم عیسائیوں کے آنے سے جنگ نہایت زور و شور سے شروع ہو گئی۔ عیسائی مسلمانوں پر اور مسلمان عیسائیوں پر جھک پڑے۔

تلواریں تیزی سے چلنے لگیں۔ موت کی گرم بازاری شروع ہو گئی لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں۔

اس وقت عبداللہ نہایت سرفروشی سے لڑ رہے تھے۔ اتفاق سے ان کے گھوڑے کے سم پھسل گئے وہ آگے کی طرف جھکا۔ عبداللہ بھی جھک گئے ان کے جھکتے ہی کئی تلواریں ان کی پشت پر پڑیں۔ ان کے بدن کے ٹکڑے ہو گئے وہ شہید ہو کر گرے ساتھ ہی رایت اسلام بھی زمین پر آ رہا۔

مسلمان جھنڈا اٹھانے کے لئے بڑی بے تابی سے بڑھے۔ ایک طرف سے ایاس اور خزیمہ اور دوسری طرف سے خالد اور ثابت لپکے ادھر عیسائی ٹوٹ پڑے وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا جھنڈا کچل ڈالیں۔ لیکن ثابت نے پیش قدمی کر کے جھنڈا اٹھا لیا۔ اور نہایت بلند آواز سے کہا۔

یا معشر المسلمین! اے گروہ مسلمانان کسی شخص کو اپنا سردار بنا لو۔

چند لوگوں نے پکار پکار کر کہا یعنی ہم تمہاری سرداری پر رضا مند ہیں۔ ثابت نے کہا۔ نہیں میں اس قابل نہیں ہوں۔ تم خالد بن ولید کو اپنا سردار بنا لو۔

ہر طرف سے آوازیں آئیں ہمیں منظور ہے۔

ثابت نے علم حضرت خالد کو دے کر انہیں سردار مقرر کئے جانے پر مبارک باد دی۔

حضرت خالد نے ان کا شکریہ ادا کر کے یہ علم ہاتھ میں لیا اور پکار کر کہا مسلمانو ایک طرف ہٹ کر ایک جگہ جمع ہو جاؤ۔

یہ کہتے ہی وہ خود پیچھے ہٹے اور ایک پہاڑی کے دامن میں جا کھڑے ہوئے مسلمان جھنڈہ کو دیکھ کر اس طرف آنے اور جمع ہونے لگے۔

باب نمبر۲۲

تاریخی دربار

ظہر کا وقت ہے اور دربار رسول صلعم مسجد نبوی فرزندان توحید سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے۔ ظہر کی نماز ہو چکی ہے۔ نماز پڑھتے ہی یعنی فرض ادا کرتے ہی آنحضور صلعم نے ارشاد فرمایا تھا کہ سب لوگ بیٹھے رہیں آپ اس لشکر کے واقعات بیان فرما دیں گے جو ملک شام میں عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے گیا ہے اور موتہ کے مقام پر بے شمار دشمنوں سے مصروف جنگ ہے۔

مسلمانوں کے دل اور نگاہیں اس لشکر کی طرف لگی ہوئی تھیں اُس زمانہ میں نہ تار تھے نہ ڈاک کا کوئی معقول انتظام تھا۔ اس لئے جب سے لشکر گیا تھا اس کی کوئی خبر نہ آئی تھی۔ عام مسلمانوں کو اس کی بڑی فکر و تشویش تھی سب لوگ نہایت خاموشی سے بیٹھے تھے اگرچہ گرمی کی شدت سے انھیں پسینے آ رہے تھے۔ لیکن گرمی سے گھبرا کر کوئی بھی اٹھنے کہیں جانے یا سرکنے پر آمادہ نہ تھا۔

آنحضور صلعم نہایت خاموشی سے مصلہ پر بیٹھے تھے آپ کے عین پیچھے حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان غنیؓ حضرت علی شیر خداؑ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف' حضرت ابو عبیدہؓ اور کئی اور جلیلُ القدر صحابہؓ بیٹھے تھے۔

یہ سب وہ مقتدر ہستیاں تھیں جنہیں نہ صرف اہل حجازی ہی جانتے تھے بلکہ ان کی شجاعت' تدبر' فراست اور راست بازی سے گرد و نواح کے ممالک بھی خوب واقف تھے۔ حجاز کے کفار ان سے لرزتے اور مدینہ منورہ کے منافق ان سے کانپتے تھے۔

عام مسلمان خاموش بیٹھے کچھ نہ کچھ پڑھ رہے تھے۔ مگر اس آہستگی کے ساتھ کہ کسی کی بھی آواز نہ نکلتی تھی۔ مسجد میں اس درجہ خاموشی طاری تھی کہ سانس

لینے کی آوازوں کے علاوہ اور کسی قسم کی کوئی آواز نہ آ رہی تھی۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد وفعتہ" رسول خدا احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ممبر پر تشریف لائے۔

آپ کا چہرہ منور اس وقت سرخ ہو رہا تھا۔ صورت سے ایسا جلال ظاہر تھا جس سے دلیر سے دلیر اور بہادر سے بہادر انسان کو بھی آپ کے چہرہ اقدس کی طرف دیکھنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔

یوں تو آپ بڑے حلیم تھے۔ غصہ کبھی آپ کو آتا ہی نہ تھا۔ بڑے صابر اور نہایت مستقل مزاج تھے۔ پیکر عفو و کرم اور منبع جود و سخاوت تھے آپ کا چہرہ روشن آفتاب کی طرح نور افشاں رہتا تھا۔ آپ کی آنکھوں میں مروت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

لیکن اس وقت قدرے برہمی اور کچھ گرفتگی کے آثار ظاہر تھے۔ مسلمان حضور کے پر جلال چہرہ کی طرف دیکھ نہ سکے۔ آپ نے نہایت شیریں لہجہ میں فرمایا۔ یا ایھا المسلمین۔ یعنی اے مسلمانو! پروردگار عالم نے مجھے اس اسلامی لشکر کی خبر دی ہے جو عیسائیوں سے مصروف جنگ ہے۔ آپ کو یہ سن کر تعجب ہو گا کہ سرزمین موتہ میں عیسائیوں کا دو لاکھ لشکر موجود ہے اور تمہارے بھائی توحید کے متوالے' شہادت کے تمنائی' جہاد کے فدائی صرف تین ہزار ہیں۔

مقدس فرشتہ نے مجھے خبر دی ہے کہ اتنا عظیم الشان لشکر سن کر مسلمان کچھ متذبذب ہو گئے تھے۔ لیکن عبداللہ بن رواحہ نے پرجوش تقریر کر کے انہیں گرما دیا تھا اور وہ جوش جہاد اور شوق شہادت میں سر ہتھیلیوں پر رکھ کر عیسائیوں سے جا بھڑے خدا کو ان کی یہ بہادرانہ ادا اس درجہ پسند آئی کہ فرشتوں کے لشکر کو مسلمانوں کی اعانت کا حکم دے دیا گیا۔ لیکن مدد اس وقت کی جائے گی جب اس کا وقت آئے گا۔

مسلمانوں نے مسرور خوش ہو کر اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا اس پر شور نعرہ سے تمام مسجد گونج اٹھی۔

آنحضور صلعم نے پھر کہنا شروع کیا۔ اے فرزندان توحید جنگ شروع ہوئی۔ نہایت جوش و خروش اور زور قوت سے زید نے حق جہاد ادا کیا وہ دل کھول کر لڑے

ان کے جسم پہ بے شمار زخم آئے خدا اور فرشتے ان کی ثابت قدمی۔ اولوالعزمی اور بہادری کو دیکھ رہے تھے ان کے دل میں شہادت کی تمنا تھی۔ خدا نے ان کی آرزو پوری کی اور وہ عین معرکہ میں شہید ہو گئے۔

زید کے عزیزوں نے یہ سن کر کہا۔ خدا کا شکر ہے انسان کے دل کی آرزو پوری ہو جائے۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہئے جس راستہ پر وہ گئے ہیں خدا ہم سب کو وہ راستہ نصیب کرے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ اے شہادت کے تمنائیوں جب تم میں جہاد کا جذبہ اور شہادت کا شوق باقی رہے گا کوئی قوم تم پر فتح مند نہ ہو سکے گی۔ لیکن جب یہ جذبہ مٹ جائے گا جب تم عیش و آرام میں پھنس جاؤ گے۔ جب دنیا کی رنگینیوں میں مبتلا ہو کر خدا کو بھول بیٹھو گے روزہ نماز اور احکام خداوندی سے گریز کرنے لگو گے۔ اس وقت تم ذلت پستی' افلاس اور نکبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

ایک صحابی نے دریافت کیا۔ کیا حضور ایسا بھی کوئی زمانہ آئے گا جب مسلمان احکام خداوندی سے روگردانی کرنے لگیں گے۔ روزہ نماز سے غافل ہو جائیں گے۔

حضورؐ نے فرمایا ہاں ایسا زمانہ آئے گا لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہیں گے لیکن ان میں اسلامی خو نہ ہو گی وہ لہو و لعب میں مصروف ہو جائیں گے۔ عقبیٰ کی عزت پر دنیا کی عزت کو ترجیح دیں گے مسلمان مسلمان کا دشمن ہو گا۔ شیطان ہر مسلمان کے دل میں دنیاوی عز و جاہ حاصل کرنے کی خواہش پیدا کر دے گا۔ مسلمان گمراہ ہو جائیں گے خدا اس نازک زمانہ میں مسلمانوں کی مدد کرے گا۔

یہ سن کر مسلمانوں کو بڑا تعجب اور افسوس ہوا۔

جس طرح زمانہ کے ناواقف مسلمانوں کو اس بات کا مشکل سے یقین آتا ہے کہ ان کے بزرگوں نے بڑی بڑی سلطنتیں الٹ دی تھیں۔ ساٹھ ساٹھ مسلمان ساٹھ ساٹھ ہزار دشمنوں سے جا بھڑے تھے اس طرح اس وقت کے پابند صوم و صلوۃ کو اس بات کا یقین نہ آیا کہ ایسے مسلمان بھی کسی زمانہ میں ہوں گے جو روزہ نماز سے جی چرائیں گے۔

میرے پاس اکثر انگریزی داں طبقہ کے خطوط آتے رہتے ہیں ان میں بی اے

اور ایل ایل بی یعنی وکیل زیادہ تر یہی وہ پوچھتے رہتے ہیں کیا یہ حقیقت ہے کہ مسلمان معمولی تعداد سے دشمنوں کی کثیر تعداد سے جا لڑتے ہیں اور فتح یاب ہوتے ہیں۔

ان بے چاروں نے وہی تاریخیں پڑھی ہیں جو ان کے درس میں ہیں اور زیادہ تر وہ تاریخیں غیر مسلموں کی لکھی ہوئی ہیں پھر نہایت مجمل' مہمل اور انتہا درجہ مختصر ہیں ان میں کچھ لکھا ہی نہیں اگر لکھا بھی ہے تو یہی کہ مسلمانوں نے لوٹ مار کے لئے حملے کئے اور مسلمان ڈاکو' لٹیرے اور وحشی تھے۔

ہمارے انگریزی داں طبقہ کی معلومات ان لایعنی تاریخوں ہی تک محدود ہے اسی لئے انہیں مجاہدین اسلام کے ان بے نظیر کارناموں کا یقین نہیں آتا جس سے اقوام عالم ان سے تھرانے لگے تھے۔

کاش وہ عربی تاریخیں دیکھتے۔ عربی کی لیاقت نہ تھی فارسی کی تاریخوں کا مطالعہ کرتے اگر فارسی بھی سمجھ میں نہ آتی تھی تو اردو کے تراجم پڑھتے کم سے کم وہی تاریخیں اٹھا کر پڑھ جاتے جن کا حوالہ اپنے افسانوں میں دیتا رہتا ہوں۔

اگر وہ اسلامی تاریخیں پڑھیں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں وہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے اور سچ پوچھو تو حقیقت ہی حقیقت ہے۔

مسلمانوں نے جوش شجاعت کا وہ مظاہرہ کیا تھا جو اس وقت تک کوئی قوم نہ کر سکی تھی۔ ان کے خونریز معرکے دل دہلا دیتے ہیں ناواقف لوگ پڑھ کر حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔ دنیا بھر میں ان کی شجاعت نے تہلکہ ڈال دیا تھا۔ جس طرف ان کا رخ ہو گیا فتوحات کا سیلاب بڑھتا چلا گیا۔ کوئی قوم اور کوئی ملک ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔ تاریخیں دیکھو تو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

آنحضور صلعم نے ارشاد فرمایا۔ مسلمانو! زید کی شہادت کے بعد میں رایت اسلام جعفر نے سنبھالا۔ انہوں نے بھی حق جہاد ادا کیا اس بے جگری اور سرفروشی سے لڑے کہ دشمنوں پر پراگندگی پھیل گئی۔ انہوں نے بے شمار دشمنوں کو قتل کر ڈالا۔ لیکن خود بھی اس قدر مجروح ہو گئے کہ سانس لینا تک دشوار ہو گیا۔ مگر آل ہاشم کے اس دلیر فرزند کی پیشانی پر بل تک نہیں آیا۔ یہاں تک کہ آپ کا داہنا ہاتھ کٹ گیا تو گردن کے سہارہ سے رایت اسلام کو سنبھالے رکھا۔ آخر وہ شہید ہو گئے۔

فرشتے انہیں بھی جنت میں لے گئے اور وہ اس وقت فردوس بریں میں تخت زریں پر بیٹھے ہیں۔

آل ہاشم ان واقعات کو نہایت غور سے سن رہے تھے۔ ان میں سے کسی نے بلند آواز سے کہا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یعنی جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والا ہے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا مسلمانوں جب کوئی اس قسم کی خبر سنا کرو تو آیت کا یہ ٹکڑا پڑھا کرو۔ خدا نے یہی حکم دیا ہے۔

کچھ دیر توقف کرنے کے بعد آنحضور صلعم نے ارشاد فرمایا۔ جعفر کے شہید ہونے کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے علم لیا اور وہ بھی نہایت ہی جانبازی سے لڑے انہوں نے بھی دشمنوں کی کثیر تعداد کو مار ڈالا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔۔۔۔اور عبداللہ بن رواحہ انصار میں سے تھے یعنی مدینہ منورہ کے باشندے جو انصاری اس وقت وہاں موجود تھے وہ منتظر رہے کہ ان کے متعلق حضور کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی بخش دیا۔ وہ بھی زرنگار تخت پر بیٹھے ہیں۔ لیکن ان کا تخت زید اور جعفر کے تختوں سے گھٹیا قسم کا ہے۔

ایک انصار نے دریافت کیا۔ مگر حضورؐ انہیں گھٹیا تخت کیوں عطا ہوا۔۔؟

حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ جب انہوں نے رایت اسلام ہاتھ میں لیا تو وہ کچھ متذبذب ہو گئے کہ جنگ جاری رکھیں یا ملتوی کر دیں اگرچہ ان کا یہ تذبذب مسلمانوں پر شفقت کی وجہ سے تھا۔ لیکن خدا کو پسند نہیں آیا۔ اس لئے انہیں گھٹیا قسم کا تخت ملا۔

کچھ وقفہ کے بعد حضورؐ نے ذرا جوش آمیز لہجہ میں فرمایا۔ مسلمانو! جہاد کے وقت تذبذب ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ اکثر اس سے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کی۔ حضورؐ پر میرے ماں باپ فدا ہوں عبداللہ کی شہادت کے بعد کیا ہوا؟

حضورؐ نے فرمایا عبداللہ کی شہادت کے بعد رایت اسلام کو سیف من سیوف اللہ (اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار) خالد بن الولید نے لیا اور لڑائی کی مگڑی

ہوئی حالت کو سنبھال لیا۔

اسی روز سے حضرت خالد کا لقب سیف اللہ مشہور ہو گیا۔ بعض انھیں سیف الاسلام بھی کہتے ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا اس وقت جعفر باغ ارم میں اڑتے پھر رہے ہیں۔ پروردگار عالم نے انھیں دو پر عطا فرما دیئے ہیں۔

اسی روز سے حضرت جعفر کا لقب طیار ہو گیا۔ انھیں لوگ جعفر طیار کہنے لگے۔ تاریخوں میں بھی یہی نام لکھا ہوا ملتا ہے۔

حضورؐ نے پھر فرمایا۔ ابھی جنگ ہو رہی ہے۔ مسلمانو! تم زید جعفر اور عبداللہ کے عزیزوں اور دوستوں کے پاس تعزیت کے لئے جاؤ مسلمان اٹھ اٹھ کر چلے گئے۔ اور یہ تاریخی دربار رسالت برخاست ہو گیا۔

آنحضور صلعم نے اس وقت جبکہ نہ تار تھے نہ ٹیلی فون معرکہ کارزار کی پوری کیفیت سنا دی اور اس تمام حال سے انھیں خود خدا نے خبردار کیا تھا۔

یہ تمام واقعات ابن اثیرؒ فتوح الشام' فتوح العجم اور دوسری تاریخوں میں بعینہ مرقوم ہیں۔

باب نمبر ۲۳

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مریم کو اپنی والدہ یاد آ گئی ہو یا کوئی اور واقعہ پیش نظر ہو گیا ہو۔ کیونکہ وہ غمگین ہو گئی تھی دیر تک وہ اسی عالم میں بیٹھی رہی جب زیادہ دیر گذری تو رقیہ نے پھر تقاضا کیا اور اس نے اپنی داستان بیان کرنی شروع کی۔

اس نے کہا اپنی والدہ کی اس عبرتناک حالت کو دیکھ کر میرے دل پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ جیسی اسے میرے ساتھ محبت تھی۔ ایسی ہی مجھے اس کے ساتھ تھی۔

جب تک وہ زندہ رہی مجھے اس کی محبت کا احساس نہ ہوا لیکن اس کے مرنے پر میرے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ میں کئی روز تک نہ سنبھل سکی۔ ہر وقت وہ یاد آتی تھی اور میں اسے یاد کر کر کے آنسو بہایا کرتی تھی۔

ہم عیسائیوں میں قاعدہ ہے کہ کسی عزیز کے مرنے پر سیاہ پوش ہو جاتے ہیں۔ لیکن میرے والد نے منع کر دیا کہ میں سیاہ پوشاک نہ پہنوں سوگوار نہ رہوں۔ اسے یاد کر کر کے نہ روؤں۔

میں والد کے سامنے طبیعت پر جبر کر کے بیٹھی رہتی۔ لیکن تنہائی ہوتے ہی رونے لگتی کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ میں رو رہی تھی اور والد اچانک آ گئے وہ خفا نہیں ہوئے بلکہ سمجھانے لگے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ بیٹی تیری والدہ نے مجھ سے بے وفائی کر کے اپنے عیش و آرام میں لات ماری تھی۔ وہ اچھا کھاتی اچھا پہنتی۔ نوکروں پر حکومت کرتی اور دولت سے کھیلتی تھی لیکن اس نے حظ نفس کے لئے ان سب چیزوں کو ٹھکرا دیا۔ بدکاری کی خدا نے سزا دی۔

عورت کی عفت اور عصمت ہی اس کی آب و تاب ہے۔ اس کی عزت موتی کی سی آب ہے جب وہ جاتی رہتی ہے وہ ذلیل و خوار ہو جاتی ہے اس نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی۔ تمھیں اس کی حالت سے عبرت حاصل کرنی چاہئے ایسی آبرو باختہ

عورت کے لئے رونا بے وقوفی ہے۔

رفتہ رفتہ میری طبیعت بھی سنبھلنے لگی اور میں اپنی ماں کو بھول گئی میرے والد کو عورتوں سے اس قدر نفرت ہو گئی تھی کہ نہ انہوں نے دوسری شادی کی اور نہ کسی دوسری عورت کو اپنے گھر میں آنے دیا۔

صرف میری ایک آیا تھی۔ وہ بڑھیا ہو گئی تھی۔ وہ تو گھر میں رہتی تھی اور کوئی عورت داخل نہ ہونے پاتی تھی۔

اب میری عمر تیرہ سال کی ہو گئی تھی۔ میں اپنے نیک و بد کو سمجھنے لگی تھی مجھے والد نے کچھ تعلیم دلا دی تھی لیکن یہ تعلیم مقدس انجیل تک محدود رہی تھی۔

میں اپنے گھر میں نہایت آرام سے رہتی تھی۔ کبھی کبھی کھیتوں پر بھی چلی جاتی تھی۔ اور سبزہ سے لدے ہوئے لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو دیکھ کر خوش ہوا کرتی تھی۔

کچھ عرصے پہلے کھیتوں میں عورتیں اور مرد کام کیا کرتے تھے لیکن اب والد نے عورتوں کو یک قلم برخاست کر دیا تھا۔ میری ہم سن کی لڑکیاں تھیں جن کو جواب دے دیا گیا تھا اور صرف مرد رہ گئے تھے۔

میں کھیتوں کی مینڈوں پر دور تک کام کرنے والوں کو دیکھتی جو بات میری سمجھ میں نہ آتی ان سے پوچھتی۔

ان کام کرنے والوں میں جوان، ادھیڑ اور بڈھے سب ہی قسم کے لوگ تھے چونکہ میں ان کی آقازادی تھی۔ شوخ چنچل اور حسین تھی اس لئے سب میرا لحاظ کرتے اور مجھے خوش رکھنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

ان میں ایک نوجوان تھا جب میں اس کے پاس جاتی تو ایسی گرم نگاہوں سے مجھے دیکھتا کہ میں شرما جاتی۔

مجھے اس کا اس طرح اپنی طرف گھور کر دیکھنا برا معلوم ہوتا۔ ارادہ کر لیتی کہ اس کے پاس نہ جاؤں لیکن نہ معلوم ایسا ارادہ کرنے پر بھی پھر جاتی مگر بات نہ کرتی کن انکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے پاس سے نکل جاتی۔

مگر اس کی یہ کیفیت تھی کہ مجھے دیکھتے ہی کام چھوڑ دیتا اور میری طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگتا۔ اس کی نگاہیں میرا تعاقب کیا کرتیں۔ پورے دو سال اسی طرح گذر گئے۔ اب میں پندرھویں سال میں تھی۔ شباب کا آغاز ہو گیا تھا۔ شوخی اور چنچل پن جاتا رہا تھا۔ سنجیدگی آ گئی تھی اور حیا بڑھتی جاتی تھی۔

جوں جوں میں شباب کی طرف دوڑ رہی تھی میری مسرتوں میں اضافہ ہوتا تھا۔ میری دلچسپیاں بڑھتی جاتی تھیں۔ یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ کب دن نکلا اور کب رات ہوئی میں کیا کر رہی ہوں اور مجھے کیا کرنا چاہئے۔

وہ مزدور ابھی تک کھیتوں میں کام کرتا تھا جو میری ذات سے دلچسپی رکھتا تو اب اس کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ مجھے دیکھتے ہی دیوانہ وار اشارے کرتا۔ میں دیکھتی تھی کہ وہ مجھ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ لیکن حوصلہ نہیں ہوتا۔

اب مجھے بھی اس کی ذات سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ پہلے اگر میں کبھی کبھی اس کے پاس سے ہو کر نکلتی تھی۔ تو اب اکثر جاتی تھی۔

ایک روز میں پھولوں کا گچھا لے کر جا رہی تھی۔ میں نے قصداً گچھا اس نوجوان مزدور کے سامنے گرا دیا۔ مگر اس طرح کہ اس نے سمجھا بے خبری میں گر گیا ہے۔

اس نے جلدی سے گچھا اٹھایا۔ میں نے کن آنکھوں سے دیکھا وہ اس گچھے کو غور سے دیکھتا رہا پھر سینہ سے لگایا اور جلدی سے میری طرف بڑھ کر بولا۔ آقازادی آپ کا یہ پھولوں کا گچھا گر گیا ہے۔

میں لوٹ کر اس کے پاس آئی اور مسکراتے ہوئے اس گچھا کو لے کر بولی آپ کا شکریہ۔

وہ مبہوت ہو کر رہ گیا غالباً مرعوب ہو گیا تھا مجھے اس کی یہ ادا بھا گئی میں نے اسے جرات دلانے کے لئے گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیا۔ میں نے پوچھا نوجوان تمہارا کیا نام ہے؟

اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ میرا نام ارجون ہے۔ میں۔ تم کتنے کھیتوں میں عرصے سے کام کرتے ہو۔

ارجون: جی ہاں کئی برس گذر گئے ہیں۔

مگر میں تمہیں کام کرتے ہوئے کم دیکھتی ہوں۔ تم زیادہ تر ادھر ادھر دیکھتے رہتے ہو یہ کیا بات ہے۔

یہ سن کر وہ کانپ گیا۔ شاید اس وجہ سے کہ کہیں میں اس کی کام چوری کی شکایت اپنے والد سے نہ کر دوں۔ اور چونکہ یہ بات تمام مزدوروں کو معلوم تھی کہ میرا باپ وہی کرتا ہے جو میں کہتی ہوں۔ اس لئے اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری شکایت پر وہ برخاست نہ کر دیا جائے۔

وہ گڑگڑا کر کہنے لگا میں اپنا کام بڑی محنت سے کرتا ہوں۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے کہا اس سے میرا یہ مطلب نہ تھا کہ تم کام کرتے ہی نہیں بلکہ اس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا آئندہ میں احتیاط رکھوں گا اور کسی طرف نہ دیکھا کروں گا۔

میں چلی آئی مجھے بھی کچھ زیادہ گفتگو کرنے کا حوصلہ نہ ہوا حالانکہ جی ضرور چاہتا تھا کہ اس سے باتیں کئے جاؤں۔ مجھے وہ مزدوروں میں نہایت شریف معلوم ہوا۔ اس کا طرز گفتگو نہایت شائستہ تھا۔

اس کے بعد میں جب کبھی اس مزدور کے پاس سے گذری اسے کام میں مصروف دیکھا اس قدر کہ وہ نظر اٹھا کر بھی میری طرف نہ دیکھتا تھا میں اس لئے اس کے پاس جاتی تھی کہ وہ میری طرف دیکھے مجھ سے باتیں کرے مگر اس کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ میری موجودگی کو نظر انداز کر کے اپنے کام میں لگا رہتا تھا۔

اس سے مجھے کوفت اور تکلیف ہونے لگی۔ کئی مرتبہ مجھے خیال ہوا کہ شاید اس نے مجھے دیکھا نہیں۔ میں نے کسی نہ کسی طرح سے اپنی موجودگی کو اس پر ظاہر کر دیا مگر اس نے سوائے اس کے کہ مجھے ایک نظر بھر کر دیکھ لیا۔ اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا بلکہ زیادہ توجہ نہ کی۔

یہ بات مجھے ناگوار گذری میں اس سے ناخوش ہو گئی۔ اور کئی روز اس کے پاس نہیں گئی۔ مگر یہ دن بڑی کلفت سے گذرے۔ آخر مجبور ہو گئی ایک دن پھر پہنچی وہ اب بھی اپنے کام میں مصروف تھا میں نے اس سے کہا ارجون اب تو تم ہر وقت کام میں لگے رہتے ہو؟

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا میں آپ کے حکم کی ہی تو تعمیل کر رہا ہوں۔

میں مگر میں نے یہ کب کہا تھا کہ ہر وقت کام میں لگے رہنا۔

ارجون میں نے تو یہی سمجھا تھا۔

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ اس طرح تو تم اپنی صحت خراب کر لو گے۔ اس نے حسرت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ میری صحت....

اب مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا کیوں؟

ارجون: اس لئے کہ زندگی کا کوئی نصب العین ہوتا ہے میرا کوئی بھی نہیں۔

میں آخر کیوں نہیں کیا تم تنہا ہو تمہارے متعلقین نہیں ہیں؟

ارجون: کوئی بھی نہیں ہے۔ میں دنیا میں تنہا ہوں۔

میں اپنی شادی کر لو۔

اس نے ٹکٹکی لگا کر میری طرف دیکھا اس کی نگاہوں نے مجھ سے وہ بات کہہ دی جو وہ کہنا تو چاہتا تھا لیکن کہہ نہ سکتا تھا اس نے کہا شادی میں شادی نہ کر سکوں گا۔

میں کس وجہ سے؟

ارجون: وجہ.... شاید میں کسی وقت آپ کو بتا سکوں۔

میں سمجھ گئی کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ لیکن رعب و خوف کی وجہ سے کہہ نہیں سکتا۔ میں نے کہا اچھا جب مناسب سمجھو بتا دینا۔ لیکن تم زیادہ کام میں مصروف نہ رہا کرو۔

اس نے مشکورانہ نظروں سے مجھے دیکھ کر کہا۔ میں آپ کی اس ہمدردی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں اس روز چلی آئی۔ اب جو میں نے غور کیا تو اسے مسکراتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے چہرہ پر ہر وقت حسرت سی برستی رہتی تھی میں نے رات کو تہیہ کر لیا کہ اسے ہنسا کر رہوں گی۔

دوسرے روز جب میں اس کے پاس گئی تو وہ مجھے دیکھ کر کھڑا ہو گیا میں بھی کھڑی ہو گئی۔ میں نے کہا رات پاپا (والد) تمہارا تذکرہ کر رہے تھے۔

اس نے اشتیاق آمیز نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر پوچھا کیا کہہ رہے تھے۔

میں نے کہا کہتے تھے کہ ارجون بڑا کام چور ہے۔ جب دیکھو نظر اٹھائے ادھر

ادھر نکلا رہتا ہے۔ جانتے ہو میں نے کیا کہا ہے ان سے؟

ارجون نے کہا مجھے کیا خبر۔

میں نے کہا کہ تمام مزدوروں میں سب سے زیادہ وہی کام کرتا ہے۔ ارجون میں آپ کا مشکور ہوں۔

میرے پاپا کہنے لگے کہ ارجون اپنی شادی کر لے تو زیادہ کام کرنے لگے۔

میں نے کہا کوئی گڑیا ڈھونڈ دیں آپ اسے۔ انہوں نے ہنس کر کہا گڑیوں کی کیا کمی ہے اس کے لئے۔

ارجون مسکرانے لگا۔ آج پہلا روز تھا کہ میں نے اس کے چہرے پر مسرت کی سرخی دیکھی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ مگر جس گڑیا کو میں جانتا ہوں۔

بے ساختہ میری زبان سے نکلا میں جانتی ہوں؟

اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ آپ کیا جانتی ہیں؟

میں تم کو......

وہ ایک دم اچھل پڑا۔ اس نے کہا۔ تو تم جانتی ہو مریم..... دفعتہً مجھ پر حیرت نے غلبہ کیا۔ میرا چہرہ سرخ ہو گیا۔ مجھ سے وہاں کھڑا نہ رہا گیا میں شرما کر چلی آئی۔

کچھ ہی دور چلی تھی کہ خانقاہ کے پادری ملے میں اس پادری کے سامنے ہر ہفتہ اعتراف گناہ کر کے معافی طلب کیا کرتی تھی۔

میں یہ بتانا بھول گئی ہماری قوم میں یہ دستور ہے کہ اول تو روزانہ ورنہ ہر ہفتہ یا ہر مہینہ یا کم سے کم ہر سال کسی پادری کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے عفو معصیت کی جاتی ہے۔ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ جب پادری ہمارے گناہ معاف کر دیتا ہے تو خدا بھی معاف کر دیتا ہے۔

یہ پادری ادھیڑ عمر کا تھا۔ اس نے میرے چہرے کو دیکھ کر کہا مریم آج کیا بات ہے تیرا چہرہ معمول سے زیادہ سرخ کیوں ہے؟

میں پادری کے سامنے جھوٹ بولنا بڑا گناہ سمجھتی تھی۔ میں نے اسے تمام داستان اپنی اور ارجون کی سنا دی۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اور مجھے ساتھ لے کر گھر کی طرف چل پڑا۔ یہی ایک بات میری تباہی کا باعث ہوئی۔

باب نمبر ۲۲

پہلی شاندار فتح

ہم ۸ھ کے واقعات بیان کر رہے ہیں۔ جنگ موتہ کے حالات ہم لکھتے چلے آ رہے ہیں۔ ماہ جمادی الاول ۸ھ میں ہوئی تھی۔

حضرت خالد نے علم لے کر مسلمانوں کو ایک طرف جمع ہونے کا حکم دے دیا تھا۔ مسلمان جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔

یہ بات تمام مسلمان بخوبی جانتے تھے کہ حضرت خالد نہایت بہادر جنگجو اور بڑے تجربہ کار ہیں۔ وہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے تھے اس سے پہلے وہ متعدد لڑائیاں مسلمانوں سے لڑ چکے تھے۔ وہ مکہ کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے۔

ایک روز عسفان کے مقام پر آنحضور صلعم عشاء کی نماز پڑھا رہے تھے۔ قرات سے کلام مجید پڑھ رہے تھے۔ حضرت خالد کھڑے سنتے رہے ان کا دل کلام اللہ شریف سن کر بہت کچھ نرم ہو گیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ آسانی سے اسلام قبول نہ کر سکے۔

اتفاق سے عمرو بن العاص نے مسلمان ہونے کا قصد کیا۔ حضرت خالد کے خاص دوستوں میں تھے۔ انہوں نے ان سے ذکر کیا۔ ان کا دل پہلے ہی اسلام کی طرف راغب ہو چکا تھا۔ وہ بھی تیار ہو گئے اور انہوں نے اپنے تیسرے دوست عثمان بن طلحہ کو بھی آمادہ کر لیا۔ یہ تینوں مکہ معظمہ سے چل کر مدینہ منورہ میں آئے اور مسلمان ہو گئے۔

اسلام کے حلقہ بگوش ہونے کے بعد وہ پہلی مرتبہ اس مہم پر بھیجے گئے تھے گویا مسلمان ہونے کے بعد انہیں پہلی مرتبہ اسلام کی طرف سے جوہر شجاعت دکھانے کا موقعہ ملا تھا۔

جب مسلمان ان کے علم کے پیچھے جمع ہو گئے تو انہوں نے میسرہ اور میمنہ قائم

کے قلب میں خود رہے اور اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگا کر رومی عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔

اس عرصہ میں عیسائیوں نے بھی اپنے منتشر لشکر کو ایک جگہ جمع کر کے ترتیب سے صف بندی کر لی تھی۔ گویا دونوں لشکر از سر نو مرتب ہو کر ایک مرتبہ پھر خونریزی کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

جوں ہی مسلمان اللہ اکبر کا فلک بوس نعرہ لگا کر بڑھے عیسائی لشکر میں بھی طبل جنگ اور فوجی باجے بجنے لگے۔

لشکر کے یک جا ہونے کی وجہ سے شرجیل کو بہت کچھ اطمینان ہو گیا تھا چونکہ اسلامی دستے اس کے رسالے خاص کو چیر کر اس کی طرف بڑھنے لگے تھے اس لئے اسے قدرے تشویش پیدا ہو گئی تھی۔ اگر حضرت خالد نے مسلمانوں کو پیچھے ہٹ کر ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا اور وہ اس کے قریب سے ہٹ گئے اسے بڑی مسرت ہوئی تھی۔ اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ خالد کچھ ہوشیار سپہ سالار نہیں ہیں۔

مگر جب دوبارہ مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگا کر حملہ کیا اور وہ عیسائیوں پر اس طرح ٹوٹ کر گرے جس طرح شیر اپنے شکار پر گرتا ہے تو اسے حقیقت کھلی کہ حضرت خالد نے مسلمانوں کو مجتمع کر کے ان کی قوت بڑھا دی ہے اور وہ اس تھوڑے سے عرصہ میں جنگ سے باز رہ کر تازہ دم ہو گئے ہیں۔

اب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ سوچنے لگا کہ کاش وہ مسلمانوں کو ایک جگہ جمع ہونے کی مہلت نہ دیتا۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔

مسلمانوں نے نہایت زور و قوت سے حملہ کیا۔ ان کے میمنہ اور میسرہ دونوں عیسائیوں کی صفیں توڑ کر عیسائی لشکر میں جا گھسے اور مسیحی جانبازوں کو نہایت بے تکلفی سے قتل کرنے لگے۔

خود حضرت خالد نے نہایت شدت سے حملہ کیا اور ان کی تلواروں نے عیسائیوں کو کھیرے اور ککڑی کی طرح سے کاٹنا شروع کر دیا۔

وہ علم کا جھنڈا دے کر کسی صف میں گھس جاتے تھے اور نہایت پر زور حملے کر کے رومیوں کو قتل کرتے رہتے تھے اگلوں کو پچھلوں پر الٹتے اپنے سامنے سے ان کی جمعیت کو ہٹاتے بڑھتے چلے جاتے تھے۔

عیسائی بھی نہایت جوانمردی سے لڑ رہے تھے لیکن ان کی تلواریں جیسے زنگ آلود ہو گئی تھیں۔ وہ بڑی قوت سے حملے کرتے تھے مگر مسلمانوں پر کارگر ہی نہ ہوتی تھیں۔ اوچھے وار ڈھالوں پر پڑ کر اچٹ جاتے تھے عیسائی بھی بہادر تھے۔ رومی قوم کی شجاعت کا شہرہ اطراف عالم میں تھا۔ ان کی یہ شہرت اس وقت سے زیادہ ہو گئی تھی جب سے انہوں نے ایرانیوں پر فتح حاصل کی تھی۔

جس زمانہ کا ہم حال قلم بند کر رہے ہیں اس وقت دنیا میں دو ہی قومیں جنگجو اور بہادر تھیں۔ ایک ایرانی اور دوسری رومی۔

ان میں ایرانی(1) جو رستم و سہراب' زال و سام' گیو اور گودرز جیسے پیل تن اور بہادر شجاع لوگوں کی اولاد سمجھے جاتے تھے۔ بڑے دلیر اور جوانمرد مشہور تھے مگر رومیوں نے انہیں شکست دے کر دنیا پر اپنی بہادری کا سکہ بٹھا دیا تھا۔

رومی اپنے سامنے عربوں کی کوئی حقیقت ہی نہ سمجھتے تھے۔ انہیں یہ فخر تھا کہ جب وہ ایرانیوں کو نیچا دکھا چکے ہیں تو عرب ان کے سامنے کیا چیز ہے۔

لیکن آج جب مسلمانوں سے سابقہ پڑا اور تین ہزار فرزند توحید نے ایک لاکھ رومیوں کا مقابلہ شروع کیا تو انہیں حیرت بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا۔ انہوں نے جوش و غضب میں آ کر اپنی شہرت کو برقرار رکھنے کے لئے نہایت سختی سے حملے کئے۔

مگر مسلمانوں نے ان کے حملوں کو کوئی وقعت ہی نہ دی۔ وہ نہایت صبر و استقلال اور کمال جوانمردی سے سینہ سپر ہو گئے۔

چونکہ مسلمان پھر دور تک عیسائی لشکروں کی صفوں میں گھس گئے تھے اور جہاں تک وہ پہنچ گئے تھے۔ تلواروں نے وہاں تک کاٹ چھانٹ شروع کر دی تھی۔ اس لئے جنگ کی لہریں ہر طرف پھیل گئی تھیں۔

مسلمانوں کو یہ تو خواب میں بھی خیال نہ تھا کہ وہ فتح مند ہوں گے البتہ یہ ضرور سمجھ رہے تھے کہ شہادت کا مرتبہ حاصل کر لیں گے۔

اسی لئے وہ چاہتے تھے کہ جس قدر زیادہ ممکن ہو عیسائیوں کو قتل کر کے ثواب میں اضافہ کر لیں۔

یہی وجہ تھی کہ ہر مسلمان تو تلوار شیر بن گیا تھا اور شیروں کی طرح حملے کر کے

پیادہ مسلمان عیسائی سواروں سے نہایت دلیری اور جوانمردی سے لڑ رہے تھے۔ اور جب کسی مسلمان کو موقعہ ملتا۔ عیسائی سوار کو مار کر اس کے گھوڑے پر سوار ہو لیتا تھا۔

اگرچہ سینکڑوں مسلمانوں نے اسی طرح گھوڑے حاصل کر لئے تھے مگر اب بھی بہت مسلمان پیادہ ہی تھے۔

ظاہر ہے کہ سواروں سے پیادوں کا مقابلہ ہی کیا۔ مگر مسلمانوں کو اس بات کی مطلق بھی پرواہ نہ تھی۔ جنگ میں کود پڑنے کے بعد انہیں مارنا اور مرنا ہی یاد رہ جاتا تھا۔ اور سب کچھ بھول جاتے تھے۔

جو مسلم پیدل دستے لڑ رہے تھے۔ ان میں سے بہت ہی کم لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ وہ گھوڑے حاصل کر لیں اور انہوں نے گھوڑے لے لئے۔ ورنہ اگر انہیں سب کو یہ خیال آ جاتا تو عیسائی اس قدر مارے جا چکے تھے اور ان کے گھوڑے اتنی تعداد میں دولتیاں جھاڑتے پھرتے تھے کہ ہر مسلمان دو گھوڑے پکڑ سکتا تھا۔

مگر اب مسلمانوں کو کچھ خیال ہو گیا تھا۔ اور وہ عیسائیوں کو قتل کر کر کے ان کے گھوڑوں پر سوار ہونے لگے تھے۔

عیسائی یہ کیفیت دیکھ دیکھ کر نہایت برافروختہ ہو رہے تھے۔ اور غضبناک ہو ہو کر حملے کر رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح مٹھی بھر مسلمانوں کو پیس کر رکھ دیں۔

چنانچہ وہ جوش میں آ آ کر اپنی صفوں سے آگے بڑھ بڑھ کر پرزور حملے کر رہے تھے مگر مسلمان انہیں نہایت آسانی سے قتل کر ڈالتے تھے۔

غرض نہایت گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ نہایت پھرتی سے تلواریں اٹھ اٹھ کر نہایت تیزی سے کاٹ رہی تھیں۔ بڑی خونریزی ہو رہی تھی سر اچھل اچھل کر گر رہے تھے۔ دھڑ گر گر کر تڑپ رہے تھے۔ خون کے چشمے بہہ رہے تھے۔ لاشوں پر لاشیں گرتی جاتی تھیں۔ میدان جنگ وادی موت بن گیا تھا۔ ہر طرف موت کی گرم بازاری تھی۔ تلواریں دوست اور دشمن کو بے دریغ قتل کر رہی تھیں۔ کسی کی زندگی بھی محفوظ نہ تھی عیسائی مسلمانوں پر اور مسلمان عیسائیوں پر پلے پڑتے تھے معرکہ

دشمنوں کو چیر پھاڑ رہا تھا۔

مسلمان یہ بات بھی خوب جانتے تھے کہ عیسائیوں سے ان کی یہ پہلی جنگ تھی اگر اس جنگ میں وہ پسپا ہو گئے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عیسائی ان پر غالب آ جائیں گے اور پھر مشکل ہی سے وہ انہیں مغلوب کر سکیں گے۔

اس کے علاوہ ہر مسلمان کو پروردگار عالم کا یہ ارشاد بھی یاد تھا۔ ترجمہ۔ مسلمانو! جنگ کفار کے سامنے سے پسپا ہو کر اپنی پشت نہ پھیرو اگر کوئی پیچھے ہٹے گا کروا ئے اس کے کہ وہ حملہ کرنے کی نیت سے یا مسلمانوں کی دوسری جماعت سے ملنے کے لئے ایسا کرے تو اس پر خدا کا غضب نازل ہو گا۔ اور وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔

خدا کے اس صاف و صریح حکم کی وجہ سے کوئی مسلمان میدان جنگ سے بھاگ ہی نہ سکتا تھا۔ بھاگنے پر مرنے کو ترجیح دیتا تھا۔

اللہ اللہ کس قدر احکام خداوندی کو ماننے والے تھے وہ لوگ جانتے تھے کہ میدان جنگ سے بھاگنے پر جہنم کے سزاوار ہوں گے اور شہید ہونے سے جنت کے حقدار ہو جائیں گے اسی لئے ہر مسلمان نہایت جوش و خروش اور بڑی ہی جوانمردی سے لڑ رہا تھا۔

چونکہ مسلمانوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی اس لئے وہ پھر عیسائی لشکر کی عظیم تعداد میں گھس کر غائب ہو گئے۔ لیکن پہلے کی طرح وہ منتشر نہیں ہوئے بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکا ایک ہی جگہ رہے یعنی ان کی صفیں قائم رہیں اور ہر صف عیسائیوں کی صفوں کو توڑتی سینکی جانبازوں کو جام مرگ پلاتی۔ عیسائی سواروں کو فرش خاک پر گراتی ان کے کشتوں کو پامال کرتی بڑھتی چلی جاتی تھی۔

غالباً قارئین کرام کو یہ بات یاد ہو گی کہ مسلمانوں کے پاس گھوڑے بہت ہی کم تھے اور اونٹ بھی کچھ زیادہ نہ تھے۔ اور اگر کچھ اونٹ تھے تو ان پر سوار ہو کر لڑنا دشوار تھا۔ اس لئے ان کی کثیر تعداد پیادہ تھی اور وہ پیدل ہی لڑ رہے تھے۔

دنیا کی کوئی قوم ایسی نظیر پیش نہیں کر سکتی کہ پیدل سواروں سے لڑ کر فتحیاب ہوئے ہوں۔ یہ شرف مسلمانوں کو ہی حاصل رہا۔

جدال و قتال گرم تھا۔ مسلمان اس زور سے حملے کر رہے تھے کہ عیسائیوں کی لاشوں پر لاشیں گرتی اور صفوں پر صفیں الٹتی چلی جاتی تھیں۔

حضرت خالد بڑی ہی سرفروشی دلیری اور پھرتی سے لڑ رہے تھے ان کی تلوار وہی تلوار جسے سیف اللہ کا خطاب عطا ہوا تھا جس عیسائی کو چھو بھی جاتی تھی وہ مر کر لمبا لیٹ جاتا تھا۔

بہت سے عیسائی تو ان کی ہیبت میں آ کر جان بچانے کے لئے گھوڑوں سے کود پڑتے تھے لیکن بے چاروں کو گھوڑے روند ڈالتے تھے اور پھر انہیں اٹھنا نصیب نہ ہوتا تھا۔

حضرت خالد عیسائیوں کو مارتے کاٹتے ان کی صفوں میں رخنے ڈالتے شرجیل کے قریب پہنچ گئے۔

شرجیل برابر میدان جنگ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی تھی۔ حضرت خالد کا رعب طاری ہو گیا تھا وہ انہیں اپنے قریب آتے دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اپنے سپہ سالار کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر تمام عیسائیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اور وہ پسپا ہوئے۔

مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرنا شروع کیا۔ لیکن ابھی وہ زیادہ دور نہ گئے تھے کہ سامنے سے ہرقل اعظم اپنا لشکر جرار لئے نمودار ہوا۔

عیسائی اس تازہ دم اور عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر پناہ کے لئے اس کی طرف دوڑے۔

حضرت خالد نے مسلمانوں کو روک کر پھر جمع ہونے کا حکم دیا اور مسلمان عیسائیوں کے تعاقب سے لوٹ کر رایت اسلام کے سایہ میں جمع ہونے لگے۔

(۱) یہ سب ایران کے وہ مشہور جنگجو ہیں جنہوں نے دنیا بھر کو ہلا دیا اور جن کی شہرت دنیا بھر میں آج تک باقی ہے (صادق صدیقی)

باب نمبر ۲۵

مریم کی بقیہ داستان

جب میں اپنے مکان پر پہنچی تو والد موجود تھے۔ پادری کو میں اپنا سارا دکھڑا سنا ہی چکی تھی۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں پادری وہ تمام داستان میرے والد سے نہ بیان کر دے۔

مریم نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

رقیہ صبیحہ اور سیلیج تینوں اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور نہایت توجہ سے اس کی داستان سن رہے تھے۔

اس کا بچہ ابھی تک صبیحہ کی گود میں تھا۔ صبیحہ نے اسے گھٹنے کھڑے کر کے اس طرح لٹا رکھا تھا کہ اس کا منہ صبیحہ کے چہرہ کے سامنے تھا۔

اگرچہ صبیحہ مریم کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ لیکن بچہ اس کے روئے منور کو دیکھ دیکھ کر ہنس رہا تھا۔ گویا وہ اپنی ان معصومانہ حرکتوں سے اس حوروش کو اپنی طرف مخاطب کرنا چاہتا تھا۔

صبیحہ کو بھی جب کبھی بچہ کا خیال آ جاتا تھا تو وہ اسے دیکھ کر ہنسنے لگتی تھی اور جب وہ اس معصوم کو دیکھ کر ہنستی اور اس کی طرف کوئی اشارہ کرتی تو بچہ بھی ہنس کر اچھل پڑتا۔

مریم بھی کبھی کبھی اپنے لخت جگر کو ہنستے ہوئے دیکھ کر مسکرانے لگتی تھی۔ جب وہ مسکراتی تو سیلیج کے چہرہ پر مسرت کی سرخی دوڑ جاتی تھی۔

مریم نے کہنا شروع کیا۔ میں ہر لیں کھا رہی تھی اور پچھتا رہی تھی کہ میں نے کیوں اپنا کچا چٹھا پادری سے کہہ دیا۔ اگر اس نے والد سے کہہ دیا تو۔۔۔ میں یہ بات بیان کرنا بھول گئی کہ والد نے میری والدہ کے انتقال کے بعد مجھ سے یہ کہہ دیا تھا کہ

وہ عورتوں سے اس درجہ نفرت کرنے لگا ہے کہ اگر اس کا بس چلے تو وہ دنیا بھر کی عورتوں کو سمندر میں ڈبو دے یا کسی جنگل میں جمع کر کے آگ لگا کر سب کو بھسم کر ڈالے۔ اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ میں اگرچہ اس کی لڑکی ہوں۔ لیکن مجھے اس کے حکم کی تعمیل کرنی ہو گی شادی بیاہ کے معاملہ میں میرے شوہر کے انتخاب کا حق اس کو ہو گا مجھے نہیں اگر میں نے کسی مرد سے محبت کی اور اسے معلوم ہو گیا تو اس نے دھمکی دی تھی کہ میں اسی روز مار ڈالی جاؤں گی۔

اسی لئے مجھے رو رو کر پچھتاوا آ رہا تھا۔ اور میں اپنی اس بے وقوفی پر پچھتا رہی تھی کہ میں نے کیوں مقدس باپ کے گوش گذار اپنا حال کیا۔ میں اور پادری دونوں ایک کمرہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ والد بھی وہیں بیٹھے تھے اب اتنا موقعہ نہ تھا کہ میں محترم و بزرگ پادری کی منت سماجت کر کے انہیں منع کر دوں کہ وہ والد سے میری داستان بیان نہ کریں۔

پادری بار بار میرے چہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا غالباً اس نے میری نگاہوں اور میرے چہرہ کے اڑے ہوئے رنگ سے سب کچھ معلوم کر لیا تھا اس نے والد سے کہا۔ آپ ذرا دوسرے کمرہ میں چلے جایئے میں مریم سے اعتراف کرا لوں۔

والد اٹھ کر چلے گئے قاعدہ یہی تھا کہ پادری کے پاس اعتراف معصیت کے وقت سوائے اعتراف کرنے والے اور کوئی نہ ہوتا تھا والد کے جاتے ہی پادری نے مجھ سے کہا تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟

میں نے شرم سے گردن جھکا کر کہا جی ہاں۔

کہو میں نے اسی لئے تمہارے والد کو یہاں سے ٹال دیا ہے۔

آپ نے بڑی مہربانی کی مجھ پر میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ میری محبت کی داستان میرے والد سے بیان نہ کریں۔

پادری نے میرے چہرہ کی طرف دیکھ کر کہا کیوں؟

میں: اس لئے کہ وہ خفا ہوں گے۔

پادری: مگر تھوڑی دیر کے لئے خفا ہو جائیں گے پھر معاف کر دیں گے۔

میں: ہرگز نہیں۔ وہ کبھی معاف نہ کریں گے۔ انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اگر میں

نے کسی سے محبت کی تو وہ مجھے مار ڈالیں گے۔

پادری کچھ دیر میرے چہرے کو دیکھ کر بولا۔ اچھا تم آج شام کو گرجہ میں آنا وعدہ کرو آؤ گی۔

میں وعدہ کرتی ہوں آؤں گی مگر آپ بھی وعدہ کریں کہ میرے باپ سے میری داستان نہ کہیں گے۔

پادری: اس وقت نہ کہوں گا۔

میں: اس وقت نہیں ہمیشہ کے لئے وعدہ کیجئے۔

پادری: یہ بات شام کی ملاقات پر طے ہو گی۔

میں: بہت اچھا۔

پادری: اچھا اب تم جاؤ اور اپنے باپ کو بھیج دو۔

میں نے والد کو بھیج دیا اور ڈرتی رہی کہ کہیں پادری ان سے میرا حال نہ کہہ دے آج مجھے معلوم ہوا کہ کسی سے اپنا راز کہنا کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے۔

تھوڑی دیر میں پادری چلا گیا والد میرے پاس آئے وہ نہایت خوش تھے انہوں نے کہا بیٹی پادری تیری بڑی تعریف کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ نہایت ہی معصوم اور بڑی نیک دل لڑکی ہے۔ آج وہ تجھے اپنی خانقاہ میں بلا گئے ہیں۔ غالباً نوں سے تیری ملاقات کرائیں گے تو ان کے پاس چلی جانا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ پادری نے میری تعریف کر کے مجھ پر احسان کیا ہے شام کو میں خانقاہ میں پہنچ گئی۔ پادری میرا انتظار کر رہا تھا۔ وہ مجھے ایک خفیہ دروازہ سے خانقاہ کے ایسے حصہ میں لے گیا جہاں کوئی بھی نہ تھا۔

ہم دونوں ایک کمرہ میں داخل ہو کر ایک ہی کوچ پر بیٹھ گئے۔

پادری نے کہا مریم انسان سے گناہ ہو ہی جاتے ہیں۔ لیکن ہم مذہبی لوگوں کے گناہ بھی ثواب میں داخل ہیں۔ ہمارے گناہوں کی معافی کی ذمہ داری آسمانی باپ (حضرت عیسیٰ) نے لے لی ہے۔

میں نے کہا آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔

پادری: ارجون بڑا خوش قسمت ہے کہ اس پر مریم جیسی حسین مہ پارہ فریفتہ ہو

گئی ہے۔

اس کی آنکھیں میرے چہرہ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ میں شرما گئی میں نے آنکھیں جھکا لیں۔

پادری نے کہا۔ اب ہمیں معاملہ طے کر لینا چاہئے۔

میں نے حیرت سے پادری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیسا معاملہ۔

پادری انجان نہ بنو۔ تم اپنی محبت کا اخفا چاہتی ہو۔ ہے نہ یہی بات۔

میں: بے شک۔

پادری: اور میں اپنے دل کی تسکین چاہتا ہوں۔

میں: وہ کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔

پادری: تمہاری نظر عنایت سے۔

میں اتنی بھولی اور ناداں نہ تھی۔ جو پادری کا مطلب نہ سمجھ جاتی۔ مجھے غصہ بھی آیا اور افسوس بھی ہوا جن لوگوں کو اپنا مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں ان کے ایسے رکیک خیال۔

پادری نے غالباً میرے چہرہ سے معلوم کر لیا کہ میں کبیدہ خاطر ہو گئی ہوں۔

اس نے کہا اگر تم نے میری خواہش پوری کرنے سے انکار کیا تو صبح ہی میں تمہارے والد سے تمام حال بیان کر دوں گا۔ اور پھر جو کچھ ہو گا اس کا ذمہ دار میں نہیں ہوں۔

میں نے کہا نہیں نہیں تم مقدس لوگ ہو ایسا نہ کرو گے۔

پادری: اس صورت میں جب تم میری آرزو پوری کرو۔

میں: مگر یہ تو بڑی گناہ کی بات ہے۔

پادری: اس سے زیادہ نہیں کہ ایک اجنبی شخص سے محبت کر کے اپنے والد کو دھوکا دیا جائے مریم۔ میں تیرے تمام گناہوں کی معافی کی ذمہ داری لیتا ہوں۔

میں: لیکن اگر میں پھر بھی انکار کروں تو۔۔۔

پادری: تو صبح کو جب میں تمہارے والد سے تمہاری بے وفائی کا ذکر کروں گا تو وہ یا تو خودکشی کر لے گا یا تمہیں مار ڈالے گا۔

مجھے یہ دونوں باتیں منظور نہیں تھیں لیکن میں مجبور ہو گئی اور مجھے اس کی ہوس رانیوں کا شکار ہونا پڑا۔

چند ہی مہینوں کے بعد گناہ اپنا رنگ لایا اور مجھے امید ہو گئی میں نے پادری سے ذکر کیا۔ وہ کچھ گھبرا گیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے والد کو چھوڑ کر علیحدہ رہنے لگوں وہ موقعہ محل دیکھ کر یا تو مجھے خانقاہ میں داخل کرے گا یا مجھ سے نکاح کر کے اپنی بیوی کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کرے گا۔

باپ کے خوف سے میں نے اس کی یہ بات مان لی اور اپنے باپ کے پاس سے بھاگ کر خانقاہ میں آ گئی۔ پادری نے قریب ہی ایک گاؤں میں میرے رہنے کا انتظام کر دیا۔ اور میرے اخراجات کے لئے خرچہ دینے لگا۔ یہاں تک کہ یہ بچہ پیدا ہوا۔ اب وہ رفتہ رفتہ کھینچنے لگا اور یا تو میرے پاس اکثر آتا رہتا تھا یا اب بالکل بند کر دیا۔

ایک شب کو میں اسے خانقاہ سے نکال لائی اور اس سے کہا کہ تم مجھے کیوں اپنی خانقاہ میں نہیں رکھ لیتے۔

رقیہ نے سیلخ کے ذریعہ سے دریافت کرایا۔ کیا اس وقت تمہارے پاس بچہ بھی تھا؟

مریم نے جواب دیا جی ہاں بچہ بھی تھا۔

رقیہ: میں نے تمہاری اور پادری کی اس رات کی تمام گفتگو سنی تھی۔ جب تم نے کہا تھا کہ میں بچہ کو غار میں پھینک دوں گی تو اس نے جواب دیا تھا کہ ضرور پھینک دو۔ یہ ننھی سی جان ہی میری اور تمہاری گناہوں کی یادگار اور رسوائی کا باعث ہے۔

مریم نے حیران ہو کر رقیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تم کہاں تھیں اس وقت؟

رقیہ نے مختصر طور پر اسے بتا دیا کہ وہ کس طرح وہاں پہنچ گئی تھی۔ سیلخ نے مریم سے کہا۔ کیا پادری اب بھی تمہارے اخراجات ادا کرتا ہے۔

مریم نہیں اب وہ بدنامی کے خوف سے میرے سایہ تک سے بھاگتا ہے۔ حالانکہ میری زندگی اس نے تباہ کی ہے۔

سیلخ نہیں بلکہ تمہارے اس مذہبی مسئلہ نے کہ ہر شخص ہر گناہ کا اعتراف

پادری کے سامنے کر کے عفو کا طالب ہو۔ نہ معلوم کتنی عورتوں کی زندگیاں ان درندہ پادریوں کے ہاتھوں سے تباہ ہوئی ہوں گی۔

مریم: آپ نے سچ فرمایا۔ یہ پادری بھی حسن کے ڈاکو ہوتے ہیں۔

سیلمٰی: اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟

مریم: میں اس بچے کے لئے جی رہی ہوں۔ اگر اس کی پرورش کا انتظام ہو جائے تو میں خودکشی کر لوں۔ اسے اپنے ساتھ لے کر مرنا نہیں چاہتی۔

سیلمٰی: اگر تم پسند کرو تو ہمارے ساتھ رہو۔

رقیہ: ہاں ہماری بہن بن کر۔

مریم: کیا تم ایک گنہگار کو اپنی بہن بنا لوگی۔

رقیہ: کیوں نہیں تم نے خود گناہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ تم پر ناجائز دباؤ ڈال کر گنہگار بنا دیا گیا ہے۔ ہم تمہاری خدمت کریں گے۔

مریم: اوہ تم کس قدر نیک ہو۔ لیکن تم مسلمان تو نہیں ہو۔

رقیہ: ہم مسلمان ہی ہیں۔

مریم: مگر میں نے تو سنا ہے کہ مسلمان عورتیں اور مرد وحشی سنگدل اور ناخدا ترس ہوتے ہیں۔

رقیہ: اب چند دن وحشیوں ہی میں رہ کر دیکھ لو۔

مریم: اس تھوڑی ہی دیر میں نے تمہارے پاس بیٹھ کر یہ اندازہ کر لیا ہے کہ تم وہ نہیں جو تمہیں بتایا جاتا ہے۔ میں ضرور تمہارے پاس رہوں گی۔

اس روز یہ سب وہیں رہے اور دوسرے روز آگے روانہ ہو گئے۔

باب نمبر ۲۶

عظیم الشان فتح

حضرت خالد نہایت پختہ کار سپہ سالار تھے انہیں فوجوں کی ترتیب اور حملے کے ڈھنگ خوب آتے تھے۔ ان کی بہادری کی ایام جاہلیت میں ہی خوب شہرت تھی۔

مسلمان ہونے کے بعد کفار سے ان کی یہ پہلی جنگ تھی رایت اسلام کے زیر سایہ انہیں اپنی بے نظیر شجاعت دکھانے کا یہ موقع ملا تھا۔

عیسائیوں اور مسلمانوں کی بھی یہ پہلی جنگ تھی۔ اور اس جنگ کا آغاز عیسائیوں نے خود کیا تھا۔

غالباً ابتدائے آفرینش سے ہوتا آیا ہے کہ مغرور و سرکش لوگ کمزور اور ناتواں لوگوں کو اور قوی قومیں زبوں حال قوموں کو زور قوت کے بل پر کچلنے اور غلام بنانے کی کوشش کرتی رہی ہیں۔

لیکن خدا جو کمزوروں کا حامی' ناتوانوں کا مددگار اور زبوں حالوں کا معاون ہے۔ متکبر طاقتوروں کو بے کس و بے بسوں کے ہاتھوں سے مقہور و ذلیل کر کے انہیں عبرتناک سزائیں دیتا رہتا ہے۔

فرعون جو نہایت مغرور اور باعظمت و شان شاہنشاہ خود کو کہلاتا تھا بنی اسرائیلوں پر طرح طرح کے مظالم کرتا تھا۔ انہیں بنی اسرائیلوں کے ہاتھوں دریائے نیل میں غرق ہوا نہ اس کی طاقت کام آئی نہ لشکروں کی کثرت نہ دولت نہ سلطنت کچھ بھی کام نہ آیا۔

نمرود جسے اپنی جلیلۃ القدر سلطنت پر بڑا ناز تھا بڑا ہی متکبر اور ظالم تھا۔ ایک مچھر کے ہاتھوں سے ہلاک ہوا۔

شداد جو ایسا عظیم المرتبت بادشاہ تھا کہ اس نے بہشت تک بنا ڈالی تھی بہشت

کے دروازہ میں داخل ہوتا ہوا موت سے ہمکنار ہو گیا۔

یہ تمام تاریخی واقعات ہیں اور دنیا جہاں کو معلوم ہیں۔ لیکن پھر مغرور و سرکش لوگوں کو عبرت حاصل نہیں ہوئی۔

عیسائیوں نے عربوں کو حقیر و ناچیز سمجھ کر ان کے قاصد کو شہید کر ڈالا سمجھتے تھے کہ مسلمان ان کا کیا بگاڑ لیں گے۔ یہ انہیں خواب میں بھی خیال نہ تھا کہ مسلم عرب قاصد کا انتقام لینے کے لئے ان پر حملہ آور ہوں گے۔

وہ نہ سمجھے اس بات کو کہ اگر کمزوروں کی خدا مدد نہ کرے تو ہر قوی ہر کمزور کا خاتمہ کر ڈالے۔ اور دنیا کا انتظام درہم برہم ہو جائے۔

تین ہزار مسلمانوں کو دیکھ کر عیسائیوں نے ان کی کوئی وقعت و پروا نہ کی۔ کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ ان کا اپنا لشکر دو لاکھ تھا۔ تین ہزار آدمی دو لاکھ کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

لیکن وہ اس بات سے واقف نہ تھے کہ مسلمانوں میں کئی ایسے جانباز اور بہادر سرفروش ہیں جو ایک ایک مجاہد ایک ایک ہزار کافروں پر بھی بھاری ہیں۔

اس کے علاوہ وہ نہیں جانتے تھے کہ خدا ان کا حامی و مددگار ہے۔ وہ خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ خدا ان کی مدد کرتا ہے اور جن کی خدا مدد کرے انہیں کون زیر کر سکتا ہے۔

اس زمانہ کے ہم مسلمانوں کو بھی قرون اولیٰ کے جنگی کارنامے پڑھ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ خصوصاً ہماری قوم کا انگریزی داں طبقہ تو یقین ہی نہیں کرتا۔ وہ مقابلہ کرتے ہیں۔ اس زمانہ کے مسلمانوں کا اس زمانہ کے مسلمانوں سے۔

وہ نہیں جانتے کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کا مرنا اور جینا محض خدا کے لئے تھا۔ وہ نفس پروری کے لئے نہ جیتے تھے۔ ان کی زندگی اطاعت خدا میں بسر ہوتی تھی خدا ان کی حفاظت و اعانت کرتا تھا۔

ہم عیش پسند ہیں۔ خدا ہم سے ناخوش ہو گیا ہے۔ نہ وہ ہماری حفاظت کرتا ہے نہ مدد۔ اس لئے نہ ہم میں جوش شجاعت رہا اور نہ ہم بہادر رہے۔

ہم اس گئے گزرے زمانہ میں بھی جب ہم کسی مہم کے لئے خدا کا نام لے کر اس کے بھروسہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں تو ضرور کامیاب ہوتے ہیں۔

جنگ عظیم میں جو [illegible] میں ہوئی سلطنت ترکی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی عیسائیوں نے اس عظیم الشان سلطنت کے حصے بخرے بھی کر لئے تھے لیکن ترک خدا کا نام لے کر اٹھ کھڑے ہوئے باوجود انتہائی بے سروسامانی کے انہوں نے دشمنوں کو ہزیمت دی۔ ساری دنیا ان کے اس ایک کارنامہ کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

دراصل یہ بات مسلمانوں کے اپنے ہاتھوں میں ہے کہ وہ خدا کی عبادت کر کے اسے خوش کر دیں اور دوسری قوموں کے غلام بن کر رہ جائیں۔ غرض مسلمان پھر حضرت خالد کے پاس اسلامی علم کے نیچے جمع ہو گئے۔

اب عصر کا وقت آ گیا تھا۔ مسلمان صبح سے لڑ رہے تھے۔ کھانا اور پانی کیا انہیں نماز پڑھنے کا موقعہ بھی نہ مل سکا تھا۔ وہ ایسے لوگ تھے کہ کسی اور چیز کی تو مطلق بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ لیکن اگر نماز قضا ہو جاتی تھی تو انہیں بے حد ملال ہوتا تھا۔ اور مدتوں تک یہ ملال رہتا تھا۔

ایک ہم مسلمان ہیں کہ ہماری نمازیں برابر قضا ہوتی چلی جا رہی ہیں اور ہمیں بالکل بھی احساس نہیں ہوتا۔ ایک وہ مسلمان تھے کہ تلواروں کی دھاروں کے سایہ میں بھی نماز پڑھتے تھے۔

مسلمان نہیں جانتے کہ روز محشر سب سے پہلے نماز ہی کے متعلق پوچھا جائے گا۔

روز محشر کہ جاں گداز بود
اولیں پرسش نماز بود

بے نمازی کے کتنے بھی نیک کام ہوں سب ضائع ہو جائیں گے۔ مسلمانوں ڈرو اس جہنم کی آگ سے جس کا ایندھن انسان ہیں تہیہ کر لو کہ آج سے نماز پڑھو گے نماز پڑھنے سے ہر کام میں خیر و برکت ہوتی ہے۔

مسلمانوں کو اس بات پر بے حد غصہ آ رہا تھا کہ عیسائیوں کی وجہ سے آج ان کی ظہر کی نماز قضا ہو گئی تھی اور عصر کی نماز پڑھنے کا موقعہ نہ تھا۔

حضرت خالد نے رایت اسلام کو جو جھٹکا دیا۔ پھر انہایت رعب دار آواز سے لرایا۔ انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا تمام لشکر نے اس مبارک نعرہ کی تکرار کی اور مسلمان شیروں کی طرح عیسائی لشکر کی طرف جھپٹے۔

یہ مسلمانوں ہی کا دل گردہ تھا کہ وہ صبح سے اب تک ایک لاکھ دشمنوں سے لڑ چکے تھے اور اب تازہ دم ایک لاکھ کے لشکر پر حملہ کرنے کے لئے جھپٹ رہے تھے۔

شرجیل کے وہ لشکری جو مسلمانوں کی جنگ کا ہولناک نظارہ دیکھ چکے تھے ان کی صورتوں سے ڈرنے لگے تھے ان کے دلوں پر مجاہدین اسلام کی ہیبت طاری ہو گئی تھی۔ وہ مسلمانوں کو تیزی سے آتا ہوا دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے۔

مسلمانوں نے جھپٹ کر نہایت سختی سے حملہ کیا۔ ان کی تلواروں نے قتل عام شروع کر دیا۔ سر کٹنے اور سینے کھلنے لگے۔ خون کے فوارے ابل آئے۔

مسلمانوں نے کچھ اس زور سے شور سے حملہ کیا تھا کہ عیسائیوں کی پہلی صف الٹ کر دوسری صف پر جا پڑی۔ جس سے دوسری صف والے سراسیمہ ہو گئے اور ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ مسلمانوں نے اس دوسری صف پر بھی شدت سے حملہ کر دیا۔

عیسائیوں نے یہ حماقت کی تھی کہ صفیں نہایت قریب قریب رکھی تھیں اگر فاصلہ زیادہ ہوتا تو ہر صف سنبھلنے کی کوشش کرتی۔ لیکن صفیں تنگ تھیں درمیان میں کچھ بھی فاصلہ نہ تھا۔ اس لئے دوسری صف تیسری پر پلٹ گئی اور دوسری صفوں کے بے شمار عیسائی مارے گئے۔ چونکہ اس لشکر میں عیسائیوں کا شہنشاہ خود ہرقل اعظم موجود تھا اسی لئے سرداران فوج یہ کوشش کرنے لگے کہ عیسائی سنبھل کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں اور مٹھی بھر مجاہدین اسلام کا خاتمہ کر ڈالیں۔

ان کی غیرتیں دلانے سے عیسائیوں میں کچھ جوش پیدا ہوا اور وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔

مسلمانوں نے حملہ آور عیسائیوں کو تلواروں کی دھاروں پر رکھ کر بے دریغ انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔

اس مرتبہ مسلمانوں نے اپنے لشکر کی تین صفیں قائم کی تھیں اور یہ تینوں

صفیں کافروں کے لشکر میں گھس گئی تھیں مسلمان دور تک پھیل گئے تھے اور وہ جہاں تک پھیل گئے تھے وہیں تک جنگ و پیکار کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ تلواریں نہایت پھرتی سے بلند ہو رہی تھیں۔ سروں پر سر کٹ کٹ کر اچھل رہے تھے دھڑوں پر دھڑ گر رہے تھے۔ خون پانی کی طرح زمین پر بہہ رہا تھا۔ نہایت گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ ایسی کہ لڑنے والوں کی چھاتیاں فرط خوف و دہشت سے پھٹنے لگی تھی۔

ایاس اور خزیمہ دونوں اس وقت بھی گھوڑوں کی باگیں ملائے نہایت جانبازی سے جنگ کر رہے تھے۔ ان کے دستہ کے پچاس سوار ان کے ساتھ تھے جس طرف یہ لوگ ٹوٹ کے گرتے تھے کشتوں کے پشتے لگا دیتے تھے۔ عیسائی اس طرح قتل ہو ہو کر گر رہے تھے جیسے انہیں کسی مشین سے کاٹا جا رہا ہو وہ اپنی لاشوں سے اس وسیع میدان کو بھرتے جاتے تھے۔

عیسائیوں کی عادت تھی کہ شور و غوغا زیادہ کیا کرتے تھے اور طبل جنگ بھی زور زور سے بجایا کرتے تھے۔ ان سب آوازوں سے میدان جنگ گونج رہا تھا۔

ایاس اور خزیمہ نے دیکھا کہ ان سے اگلی صف پر آٹھ دس مسلمان نہایت سرفروشی سے حملے کر رہے ہیں۔ ان کی تلواریں عیسائیوں کو بے دریغ قتل کر رہی ہیں۔ عیسائیوں نے بھی ان پر نرغہ کر دیا ہے۔ یہ دونوں ان کی مدد کے لئے جھپٹے اور چشم زدن میں ان کے پاس پہنچ گئے۔

انہوں نے جاتے ہی حملہ آور کافروں پر تلواروں کا مینہ برسا دیا۔ بہت سے کافروں کو مار ڈالا جو باقی بچے وہ گھبرا کر ادھر ادھر ہٹ گئے۔ اس وقت اگلے ان لڑنے والے مسلمانوں میں سے ایک نے پیچھے پھر کر دیکھا وہ مرۃ تھے۔ ایاس کے والد۔ ایاس کی نظر بھی ان پر جا پڑی۔ وہ حیران رہ گئے انہوں نے کہا۔ پیارے باپ تم ہو۔ خدا کا شکر ہے۔

مرۃ نے کہا۔ ہاں بیٹا میں ہوں۔ میرے ساتھ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ظالم عیسائیوں نے گرفتار کر لیا تھا اور تم نے رہائی دلائی تھی۔ ہم شروع جنگ سے ہی تمہارے ساتھ ہیں۔

ایاس لیکن ابا آپ کب آئے۔۔۔۔

مرۃؓ: بیٹا! یہ وقت باتیں کرنے کا نہیں ہے۔ جہاد کرنے کا ہے۔ قدرت نے قسمت سے یہ موقعہ دیا ہے۔ اس مبارک وقت کو باتوں میں ضائع نہ کرو اگر زندگی ہے تو یہ باتیں پھر بیان کی جائیں گی۔

یہ کہتے ہی انہوں نے عیسائیوں پر نہایت شدت سے حملہ کیا۔

ایاس اور خزیمہ بھی ان کے ساتھ ہی حملہ آور ہوئے ان کے دستہ نے بھی حملہ کر دیا۔

یہ سب لوگ عیسائیوں کو مارتے کاٹتے قلب لشکر کی طرف بڑھنے لگے جو عیسائی ان کے سامنے آگیا۔ اسی کو انہوں نے موت کی گود میں پہنچا دیا جس صف پر حملہ کیا اس میں رخنے ڈال دیئے۔

مرۃ: اور ان کے ساتھی انتقام کے جوش میں بڑی پھرتی اور جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ عیسائی ان پر زغہ کرتے تھے۔ لیکن ایاس خزیمہ اور ان کے ساتھی زغہ کرنے والوں کو مار مار کر ہٹا دیتے تھے۔

نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ ہر مسلمان بڑی جوانمردی سے لڑ رہا تھا عیسائیوں کو حیرت تھی کہ تھوڑے سے مسلمان کس دلیری سے لڑ رہے ہیں۔

حضرت خالد علم ہاتھ میں لئے گھوڑے کو ادھر ادھر دوڑا کر پرزور حملے کر رہے تھے۔ وہ جس طرف مسلمانوں پر کافروں کی یورش دیکھتے تھے اسی طرف حملہ آور ہوتے تھے۔

ان کے ساتھ ان کے خاص رسالہ کے سوار تھے جس طرف اور جس گروہ پر حضرت خالدؓ حملہ کرتے تھے ان کے سوار بھی اسی طرف اور اسی گروہ پر ٹوٹ پڑتے تھے۔

اور جس دلیری سے حضرت خالدؓ لڑتے تھے اسی دلیری سے ہر سوار لڑتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ دشمنوں کا ستھراؤ کر ڈالتے تھے۔

اتفاق سے مسلمانوں کی ایک جماعت نے شرجیل کے ان ساتھیوں پر حملہ کر دیا جو پہلے شکست کھا چکے تھے۔ وہ خوفزدہ تو تھے ہی بھاگ کھڑے ہوئے ادھر ایاس اور خزیمہ نے ایک طرف سے اور حضرت خالدؓ نے دوسری طرف شدت سے حملے کر کے

عیسائیوں کی کئی صفیں الٹ دیں اس سے عیسائی گھبرا گئے۔

اگرچہ مسلمانوں کو اس سے بڑی مسرت ہونی چاہئے تھی۔ لیکن وہ پھر بھی خوش نہیں ہوئے۔ کیونکہ اس معرکہ میں کئی ایسے مسلمان شہید ہو گئے جو بے شمار دشمنوں میں گھس جاتے تھے اور کفار کی فوجوں کی صفیں الٹ دیتے تھے۔

اس کے علاوہ حضرت (۱) جعفرؓ بھی شہید ہو گئے تھے جو حضرت علی کے بھائی تھے اور جن سے عام طور پر مسلمان بہت زیادہ محبت کرتے تھے ان کی شہادت کا مجاہدین اسلام کو بے حد رنج و قلق ہوا تھا۔

مسلمانوں نے مغرب کی نماز پڑھ کر زخمیوں کی مرہم پٹی کی۔ اور چونکہ وہ سارا دن بے آب و دانہ لڑتے رہے تھے اس لئے اب کھانا تیار کرنا شروع کیا اور عشاء کی نماز پڑھ کر کھانا کھایا اور آرام کرنے لگے۔

صبح بہت سویرے بیدار ہوئے فجر کی نماز پڑھی اور اب رومیوں کے کیمپ میں مال غنیمت جمع کرنے کے لئے بکھر گئے۔

رومی عیسائی بڑے عیش پسند تھے۔ گھر سے باہر بھی وہ اتنا سامان لے کر نکلتے تھے جس سے کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ خصوصاً معمولی افسر بڑے سردار اور سپہ سالار کھانا کھانے کے سونے چاندی(۲) کے برتن پہننے کے ریشمیں کپڑے اور سونے کے مرصع بہ جواہر زیورات مکلف فرش بے شمار ہتھیار اپنے ساتھ لائے تھے اور یہ تمام سامان چھوڑ بھاگے قدم اکھڑ گئے۔ سب سے پہلے ہرقل اعظم بھاگا۔ اس کے پیچھے تمام لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ مسلمانوں نے ان بھگوڑوں کا تعاقب کر کے انہیں بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔

دن چھپے تک تعاقب جاری رہا۔ عیسائی بڑے بے ترتیبی سے چاروں طرف بھاگے تھے اور مسلمانوں نے چاروں طرف ہی ان کا تعاقب کیا تھا۔ اس لئے ہر طرف ہر راستہ پر عیسائیوں کی لاشیں میلوں تک بچھ گئیں۔

آخر جب آفتاب غروب ہو گیا۔ جب مسلمان واپس لوٹ آئے اور انہوں نے آتے ہی سب سے پہلے مغرب کی نماز پڑھنی شروع کی۔ اسی طرح مٹھی بھر مسلمانوں کو بے شمار دشمنوں پر عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔

جس خونریز جنگ کے واقعات ہم لکھتے چلے آ رہے ہیں اس میں یہ تو حیرت خیز بات تھی ہی کہ تین ہزار مسلمانوں نے دو لاکھ عیسائیوں کا نہ صرف مقابلہ کیا بلکہ عدیم النظیر جرات اور دلیری سے جنگ کر کے انہیں ہزیمت دی۔

لیکن سب سے زیادہ تعجب خیز یہ امر ہے کہ جب مسلمانوں نے مغرب کی نماز پڑھ کر میدان جنگ میں نکل کر دیکھا تو صرف بارہ آدمی شہید ہوئے تھے۔ اور عیسائی چھبیس ہزار سے : مارے گئے تھے۔

باقی عیسائی سامان ہوں کا توں چھوڑ کر صرف اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے تھے۔

اس تمام سامان پر مسلمانوں نے قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ ہر شخص ہر وہ چیز جو اس کے ہاتھ آتی لا کر حضرت خالد کے سامنے جمع کرتا جاتا تھا۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں یہ خوبی تھی کہ وہ کسی چیز کو بھی خواہ وہ کیسی ہی حقیر اور کم قیمت یا کیسی ہی اچھی اور بیش قیمت ہوتی علیحدہ نہ کرتے بلکہ سب چیزیں لا کر جمع کر دیتے۔

جبکہ مال غنیمت اکٹھا کیا جا رہا تھا اس وقت ایاس اور خریمہ دونوں اتفاق سے اس خیمہ میں جا نکلے جس میں پری چہرہ ایرتنل قید تھی۔

جب ایاس خیمہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے ایرتنل کو اور ایرتنل نے انہیں دیکھا تو دونوں کو حیرت ہوئی۔ ایاس نے استعجاب بھرے لہجے میں کہا۔

ایرتنل تم ہو..... لیکن میں تمہیں کس حال میں دیکھ رہا ہوں۔ کیا تمہیں قید کر دیا گیا تھا؟

ایرتنل: ..... ہاں۔

ایاس: کیوں؟

ایرتنل: یہ نہ پوچھئے۔

خریمہ نے کہا۔ بھائی ایاس شاید یہی وہ لڑکی ہے جس نے تمہیں رہائی دلائی تھی۔

ایاس نے جواب دیا جی ہاں۔

خریمہ: تو سب سے پہلے اس کی زنجیریں کاٹو۔

ایاس کو اس کا خیال ہی نہیں ہوا تھا۔ ایرتنل چاندی کی زنجیروں سے جکڑی ہوئی تھی۔ ایاس نے کہا۔ اوہ مجھے اس بات کا خیال ہی نہیں ہوا۔

انہوں نے زنجیریں کھولدیں ایرتنل اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ ایاس نے کہا اگر تمہارے قید کئے جانے میں کوئی ایسی بات تھی جسے تم بتانا مناسب نہ سمجھو تو نہ بتاؤ.....

ایرتنل نے شرمیلی نظروں سے ایاس کو دیکھ کر کہا نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

ایاس: تب بتاؤ.....

ایرتنل: جب تم نے دو عیسائی بہادروں کو مار ڈالا تو میرے والد شرجیل نے یہ اعلان کیا کہ جو تمہیں گرفتار کر کے لائے گا اس کے ساتھ وہ میرا عقد کر دیں گے۔

میں نے اس پر اعتراض کیا اور کہہ دیا کہ جسے آپ گرفتار کرانا چاہتے ہیں اسے نہیں جانتے کہ وہ کون ہے۔ انہوں نے حیران ہو کر پوچھا کہ کیا میں اسے جانتی ہوں۔ میں نے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ میں نے کہا۔ ہاں جانتی ہوں۔ لیکن بتانا نہیں چاہتی اس پر وہ خفا ہو گئے اور انہوں نے مجھے قید کر دیا۔

ایاس: خدا کا شکر ہے کہ میں نے ہی تمہیں رہا کیا۔

ایرتنل: میں آپ کی مشکور ہوں کیا میرے والد کو شکست ہو گئی؟

ایاس: ہاں۔

ایرتنل: اور رومی شہنشاہ ہرقل اعظم.....

ایاس: وہ بھی ہزیمت اٹھا کر بھاگ گیا۔

ایرتنل: کیا تمہارے لئے اور مدد آ گئی تھی۔

ایاس: نہیں ہماری مدد ہمارے خدا نے کی۔

ایرتنل: کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس کا چہرہ کہہ رہا تھا کہ اسے اس بات کا یقین نہیں آیا۔ آؤ باہر نکل کر دیکھو کہ مسلمانوں کا لشکر اتنا ہی ہے یا نہیں جتنا تم نے دیکھا تھا۔

ایرتنل باہر نکلی۔ اس نے مسلمانوں کی طرف نظر کی اسے مسلمان اتنے ہی تھوڑے نظر آئے جتنے اس نے جنگ سے پہلے دیکھے تھے اسے بڑی حیرت ہوئی۔

ایرتنل کے خیمہ کے گرد اس پرستاروں اور کنیزوں کے خیمے تھے ان میں سے کئی

تو رات ہی کو خاموشی سے بھاگ گئی تھیں۔ لیکن زیادہ تر موجود تھیں جو مسلمانوں کے خوف سے ڈری اور سہمی ہوئی خیموں کے اندر بیٹھی تھیں اور کبھی کبھار جھانک کر دیکھ لیتی تھیں کہ اب مسلمان کیا کر رہے ہیں جوں ہی انہوں نے ایزبتل کو باہر کھڑے دیکھا وہ بھی نکل کر اس کے گرد آ کھڑی ہوئیں کئی مسلمان بھی آ کر ان کے چاروں طرف کھڑے ہو گئے تھے۔

ایزبتل نہایت بے تکلفی اور بے خوفی سے کھڑی ایاس سے گفتگو کر رہی تھی اس نے پوچھا۔ اس جنگ میں مسلمان کس قدر شہید ہوئے۔

ایاس نے جواب دیا صرف بارہ۔

ایزبتل: اور عیسائی کس قدر مارے گئے۔

ایاس: تقریباً پچیس ہزار۔

ایزبتل کو بڑی حیرت ہوئی۔ ایاس نے کہا۔ ایزبتل تمہیں امان ہے ایزبتل نے ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ آپ کا شکریہ اور میری ان کنیزوں کے لئے۔

ایاس انہیں بھی امان ہے۔ تمہارے اور تمہاری کنیزوں کے خیمے بھی محفوظ رہیں گے۔

ایزبتل میں آپ کی بے حد شکر گزار ہوں۔

ایاس تم نے جو احسان مجھ پر کیا ہے اس کے مقابلہ میں جو صلہ تمہیں دیا جا رہا ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے۔

ایزبتل کچھ افسردہ خاطر ہو گئی۔ اس نے کہا۔ آپ کو میرا صرف وہ احسان ہی یاد ہے؟

ایاس: ہاں اور میں اسے مدت العمر یاد رکھوں گا۔ تم یہاں رہو۔ میں تمہیں کسی وقت اپنے سپہ سالار کے سامنے پیش کروں گا۔

ایاس نے چند مسلمانوں کو ان خیموں کے گرد اس لئے کھڑا کر دیا تاکہ مال غنیمت فراہم کرنے والے جب اس طرف آئیں تو یہ مسلمان ان سے کہہ دیں کہ خیمہ نشینوں کو امان دے دی گئی ہے ان سے یا ان کے مالوں سے کوئی تعرض نہ کریں اور خود خزیمہ کے ساتھ واپس لوٹ گئے۔

دوپہر تک مسلمان اس کثیر التعداد سامان کو جمع کر سکے۔ حضرت خالد نے ثابت بن ارقم کو اس مال غنیمت کی فہرست تیار کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز کو لکھتے جاتے تھے کچھ مسلمان گھوڑوں کو پکڑتے پھر رہے تھے۔ دوپہر تک پانچ چھ ہزار گھوڑے پکڑ لئے۔

دوپہر کو مسلمانوں نے کھانا کھایا۔ ایاس اور خزیمہ دونوں تلاش کرتے ہوئے مرۃ کے پاس پہنچے۔ سلام و دعا کے بعد گفتگو شروع ہوئی ایاس نے پوچھا۔ ابا جان کیا آپ حجاز مقدس نہیں گئے۔

مرۃ نے جواب دیا۔ نہیں بیٹا میں راستہ ہی میں تھا کہ یہ اسلامی لشکر آتا ہوا ملا۔ ہم سب لوگ خاموشی سے ساتھ ہو گئے۔ خدا کا شکر ہے آج ہم نے مغرور و سرکش کافروں سے اپنے بھائی کا انتقام لے لیا۔ اگرچہ مہم نہ آتی اور ان بدکیش اور بدقماش عیسائیوں پر یورش نہ کی جاتی تو وہ بہت زیادہ دلیر اور چیرہ دست ہو جاتے غالباً یہ مہم تم ہی لے کے آئے۔

ایاس: جی ہاں۔

انہوں نے تمام واقعہ اپنے جانے اور اس لشکر کے آنے کا سنا دیا۔ اب ایاس مرۃ اور ان کے ساتھیوں کو اپنے پاس ہی لے آئے۔ ظہر کے وقت حضرت خالد نے مال غنیمت کو دیکھا۔ کافی اور بیش قیمت سامان تھا۔ انہوں نے اس مال غنیمت کو اس وقت تقسیم کر دینا مناسب نہیں سمجھا۔ بلکہ اسے باندھ کر مدینہ منورہ لے چلنے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام سامان باندھ دیا گیا۔

اب ایاس نے حضرت خالد سے ایزبتل کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا۔ تم نے خوب کیا۔ ایاس کہ اسے اور اس کی کنیزوں کو امان دے دی اسے بلاؤ۔ میں خود تمہاری رہائی پر اس کا شکریہ ادا کروں گا۔

ایاس نے فوراً ایزبتل کو بلایا۔ وہ اس قدر حسین تھی کہ حضرت خالد پر بھی اس کے حسن کا اثر پڑا۔ انہوں نے کہا۔ بی بی ایزبتل میں اور تمام مسلمان تیرے مشکور ہیں کہ تو نے ایاس کو رہائی دی اور مرۃ اور دوسرے مسلمانوں کو رہائی دلانے میں مدد دی۔ کوئی مسلمان کسی کے احسان کو بھول نہیں سکتا۔ تم آزاد ہو۔ اپنی کنیزوں کو لے

باب نمبر ۲۷

محبت کا انجام

چونکہ مسلمانوں کو یہ پہلی عظیم الشان فتح حاصل ہوئی تھی اس لئے وہ ہر نماز کے بعد سجدہ شکر ادا کرتے تھے۔ کہتے تھے پروردگار عالم تیرا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ تو نے ہماری تھوڑی سی جمعیت کو کافروں کی بھاری تعداد پر فتح عنایت فرمائی۔

اگرچہ مسلمانوں کو معلوم تھا کہ ایک لاکھ عیسائی شرجیل کے ہمراہ تھے اور ایک لاکھ ہرقل اعظم کے اور اس دولاکھ کی جمعیت میں سے تقریباً پچیس ہزار مارے گئے تھے باقی بھاگ گئے تھے۔ ممکن تھا یہ بھگوڑے پھر جمع ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے لیکن انھیں ان کے پلٹ پڑنے کا بالکل اندیشہ نہ تھا شاید وہ عیسائیوں کی جرات و ہمت کا اندازہ کر چکے تھے۔ رات انھوں نے آرام اور اطمینان سے بسر کی صبح سویرے بیدار ہو کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور حضرت خالد نے لشکر کو کوچ کے لئے تیار ہو جانے کا حکم دیا۔

خیمہ گرائے جانے اور سامان ان اونٹوں پر بار کیا جانے لگا۔ جن پر مسلمان سوار ہو کر آئے تھے۔

چونکہ انھوں نے گھوڑے کثیر تعداد میں پکڑ لئے تھے اس لئے ہر مجاہد نے ایک ایک گھوڑا لے لیا۔ فالتو گھوڑوں پر بھی مال غنیمت لاد دیا گیا۔

اس وقت حضرت خالد نے ایزتیل کو طلب کیا۔ وہ آئی انھوں نے پوچھا بتاؤ ایزتیل تم کیا چاہتی ہو؟

ایزتیل نے کہا مجھے تنہائی میں ایاس سے گفتگو کر لینے دیجئے۔ تو عرض کروں گی۔

ایاس اس وقت وہاں نہ تھے حضرت خالد نے کہا۔ تب تم ایاس کے خیمہ پر چلی

کے صبح اپنے وطن چلی جانا۔

ایزتیل کے چہرہ سے رنج و فکر کے آثار ظاہر ہوئے اس نے ایاس کی طرف دیکھا۔ ایاس نے کہا۔ شہزادی ہمارے محترم سردار نے تمہیں آزادی کی خوش خبری سنا دی ہے۔ اگر تم اس وقت روانہ ہونا چاہتی ہو تو......

ایزتیل نے محزوں لہجہ میں کہا۔ مگر میں جانا نہیں چاہتی۔

جو مسلمان وہاں کھڑے تھے انھیں یہ سن کر حیرت ہوئی۔ ایاس نے کہا۔ شاید تم اپنے والد سے ڈرتی ہو۔

ایزتیل: نہیں۔

خالد نے نرمی سے کہا۔ اور جو بات ہو تم صاف کہو۔ تمہاری ہر خواہش پوری کی جائے گی۔

ایزتیل: میری خواہش اچھا میں صبح عرض کروں گی۔

خالد: ہاں تم صبح مجھ سے کہنا۔

ایزتیل رخصت ہو کر چلی گئی۔ خالد اور تمام مسلمان عصر کی نماز پڑھنے چلے گئے۔

(۱) جنگ موتہ میں تین سپہ سالاروں زید بن حارث' جعفر بن ابی طالب' عبداللہ بن رواحہ کے علاوہ نو آدمی مسعود بن الاسود' وہب بن سعد' عباد بن قیس' حرث بن النعمان' ابو کلیب' جابر پسران عمرو بن زید' سراقہ بن عمرو بن عطیہ و عمرو عامر پسران اسعد بن الحریث اور ہوئے تھے تاریخ ابن خلدون جلد سوئم صفحہ نمبر ۵۲ (ان شہیدوں کی تعداد بارہ ہی لکھی ہے لیکن انھوں نے نام نہیں لکھے (صادق صدیقی سردھنوی)

(۲) یہ بات تمام تاریخوں میں بالتفریق موجود ہے کہ ہندوستان کے راجاؤں کی طرح رومی افسر بھی سونے اور جواہرات کے زیورات اظہار تمول کے لئے پہنا کرتے تھے۔

جاؤ۔

ایک اعرابی کو ایزبل کے ساتھ کر دیا گیا اور وہ اسے ایاس کے خیمہ پر چھوڑ آئے۔

ایاس اور خزیمہ بھی اپنا سامان بار کرا رہے تھے۔ مرۃ ایک طرف کھڑے تھے انہوں نے ایزبل کو دیکھا چونکہ وہ اسے پہلے بھی دیکھ چکے تھے اس لئے پہچان گئے۔ انہوں نے پاس آ کر کہا۔ ایزبل نے ہم پر احسان کیا تھا۔ اب ہم احسان کرنا چاہتے ہیں۔ ترجمہ۔ احسان کا بدلہ احسان ہے۔ پروردگار عالم نے یہ فرمایا ہے۔

ایزبل نے کہا۔ مسلمانوں کو غیر مہذب، وحشی اور سفاک کہا جاتا ہے لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ ایسے مہذب اور ایسے خوش اخلاق ہیں کہ میں نے کوئی دوسری قوم اب تک نہیں دیکھی۔ ادنیٰ مسلمان سے لے کر اعلیٰ تک سب میرے احسان کا ذکر کر رہے ہیں۔ میرے دل پر ان کی باتوں کا گہرا اثر ہوا ہے۔ میں ایاس سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔

مرۃ: شوق سے کرو۔

ایزبل آگے بڑھی۔ ایاس نے دیکھا۔ وہ سامان بار کر چکے تھے بڑھ کر اس کے پاس آئے اور اسے ساتھ لے کر ایک درخت کے قریب کھڑے ہو گئے اس وقت ان کے آس پاس کوئی دوسرا آدمی نہ تھا جو ان کی گفتگو سنتا یا ان کی باتوں میں مخل ہوتا۔

ایزبل نے ایاس کی طرف دیکھ کر کہا۔ خدا نے تمہیں فتح دی ایاس۔

ایاس نے کہا ہاں اس کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ مسلمان قاصد کا انتقام لینے کے لئے آئیں گے۔

ایزبل کہا تھا۔ مسلمان آئے اور انہوں نے انتقام لے لیا۔

ایاس: نہیں ایزبل! ابھی انتقام نہیں لیا گیا۔ یہ تو پہلی یورش تھی انتقام تو اس وقت پورا ہو گا جب اس رومی سلطنت کو الٹ دیا جائے گا۔ اور قیصر روم کو یا تو گرفتار کر لیا جائے گا یا قتل کر ڈالا جائے گا۔ یا وہ روپوش ہو جائے گا۔

ایزبل: تو کیا مسلمان پھر حملہ کریں گے؟

ایاس: یقیناً عیسائیوں نے مخالفت کر کے مسلمانوں کو دعوت جنگ دی ہے۔ آگ

اسی وقت بجھے گی جب دونوں قوموں میں سے کوئی ایک قوم دوسرے کی حلقہ بگوش ہو جائیں گی۔

ایزبل: خیر مجھے ان باتوں سے کیا۔ میں آپ سے کچھ کہنے آئی ہوں۔

ایاس: شوق سے فرمایئے۔

ایزبل: کیسے کہوں میں مگر تم اپنے وطن جانے کی تیاریاں کر چکے ہو اگر اب بھی چپ رہوں تو......

ایاس: مگر چپ ہی کیوں رہو تم جو بات ہو کہہ ڈالو۔

ایزبل: کیا تم ابھی تک نہیں سمجھے ایاس۔

ایاس: میں غیب داں نہیں ہوں۔ ایزبل۔

ایزبل: میں چاہتی ہوں تم یہیں رہو۔

ایاس: کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ عیسائی مسلمانوں کے کس قدر دشمن ہو گئے ہیں۔

ایزبل: جانتی ہوں لیکن میری موجودگی میں کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔

ایاس: لیکن ایزبل میں مجبور ہوں کہ اپنا پیارا وطن اپنی پیاری قوم اور سب سے زیادہ اپنے رسول اللہ صلعم کو چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتا۔

ایزبل: آزردہ خاطر ہو گئی۔ اس نے اپنا روشن چہرہ جھکا لیا اس وقت آفتاب نکل آیا تھا اور اس کی گستاخ سنہری شعاعیں ایزبل کے سرخ و سپید چہرہ پر پڑ کر سنہرا غازہ پھیر رہی تھیں۔ جس سے اس کی صورت بڑی ہی دلکش ہو گئی تھی۔

اس نے مغموم چہرہ اٹھا کر کہا۔ ایاس مجھ سے جدا ہو کر نہ جاؤ

ایاس: مجبوری ہے ایزبل۔

ایزبل: کاش تمہیں کسی سے محبت ہوتی......

ایاس کے دل پر چرکا لگا۔ بدرۃ القمر سے محبت ہو گئی تھی لیکن وہ اس کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے کہا۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ محبت کا انجام نہایت خطرناک ہوتا ہے۔

ایزنتل نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ کاش میں اس بات کو پہلے سے جانتی.....

ایاس: میری زندگی برباد ہو جائے گی..... نہ جاؤ..... کہہ دو نہ جاؤں گا۔

ایاس کے دل پر اس کی حسرت بھری گفتگو کا اثر ہوا۔ انہوں نے کہا۔

ایزنتل: میں اگر یہاں رہوں تو میری زندگی تباہ ہو جائے گی! ایزنتل کو ناامیدی میں امید کی جھلک نظر آئی۔ اس نے کہا۔

ایاس: یہاں رہ کر تم ... ہی جنت میں پہنچ جاؤ گے۔ دولت تمہارے قدموں میں ہو گی۔ خادم اور کنیزیں تمہاری خدمت کو ہوں گی جنت زار باغات تمہاری تفریح کے لئے ہوں گے۔ کہسار اور مینو سواد سبزہ زار تمہارے شکار کے لئے ہوں گے۔ چشمے تمہارے نہانے کے لئے ہوں گے اور عیسائی دنیا تمہاری تعظیم کرے گی۔ قسم قسم کے پھل، لذیذ لذیذ میوے عمدہ عمدہ کھانے کو ہوں گے۔ خدا کی ان نعمتوں سے انکار نہ کرو تم اس ملک کو باغ ارم کا ایک ٹکڑا سمجھو۔

ایاس: میں جانتا ہوں۔ لیکن.....

ایزنتل: یہاں نہیں رہ سکتے۔

ایاس: ہاں۔

ایزنتل: بڑے بے درد ہو تم۔

ایاس: ایزنتل سوچو ایک مسلمان کس طرح ... دوسری قوم میں رہ کر خوش رہ سکتا ہے۔ اور تمہاری قوم ایک مسلمان کی تعظیم کیسے کر سکتی ہے۔

ایزنتل: اس سے مطمئن رہو۔ میں سب سے تمہاری تعظیم کراؤں گی۔

ایاس: لیکن میں اسے پسند نہیں کر سکتا۔ ہر شخص اپنی قوم ہی میں رہ کر خوش ہو سکتا ہے۔

ایزنتل پر ایسی حسرت طاری ہو گئی۔ اس نے درد ناک نگاہوں سے ایاس کو دیکھ کر کہا۔ تمہارے سینہ میں دل نہیں پتھر کا ٹکڑا ہے تم پر میری عاجزی میرے غم میری مایوسی کا کچھ اثر نہ ہوا اچھا دعا کرو کہ خدا مجھے جلد موت دے۔

اس کی آواز بھرا گئی۔ اور نرگسی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو موٹے قطرے نکل کر اس کے پھول سے رخساروں پر بہنے لگے۔ ایاس کو بڑا رنج ہوا۔ انہوں نے کہا

ایزنتل! سوچو تمہارے میرے درمیان میں مذہب کی خلیج حائل ہے۔

ایاس: لیکن اس وقت جب دونوں میں سے کوئی اپنا مذہب چھوڑ دے اور مذہب ایسی چیز نہیں جسے آسانی سے چھوڑا جا سکے۔

ایزنتل: تم نہ چھوڑنا مگر میں.....

ایاس: تم مسلمان ہو کر یہاں کیسے رہ سکتی ہو۔

ایزنتل: تم جہاں رکھو گے رہوں گی۔

ایاس: مگر تمہیں شاید یہ بات معلوم نہیں ہے کہ ہم رسول اللہ صلعم کے فرمانبردار ہیں۔ اگر انہوں نے تمہارے ساتھ رہنے کی اجازت نہ دی تب.....

ایزنتل: تب ہم دونوں اس دنیا سے دور کسی اور دنیا میں چلے جائیں گے۔ وہاں جہاں محبت ہی محبت ہو۔ اپنی دنیا الگ بسا لیں گے۔

ایاس: مگر کوئی مسلمان رسول اللہ صلعم کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہیں ہو سکتا۔

ایزنتل: تب ناشادی اور نامرادی ہی میری قسمت میں لکھی ہے۔

ایاس: میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا تم سے ایزنتل۔

ایزنتل: میں سمجھتی تھی کہ تم مان جاؤ گے یہ نہ جانتی تھی کہ ایسے سنگدل نکلو گے میرے آنسوؤں کا بھی تمہارے دل پر اثر نہ ہو گا اچھا جو تمہاری مرضی.....

اس وقت اسلامی لشکر نے کوچ شروع کر دیا تھا۔ ایزنتل نے حسرت بھری نظروں سے دیکھا ایاس نے کہا۔ ایزنتل لشکر نے کوچ شروع کر دیا ہے۔

ایزنتل نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ میں دیکھ رہی ہوں۔

ایاس: چلو میں تمہیں کچھ دور پہنچا آؤں۔

ایزنتل: میری فکر نہ کرو میں خود چلی جاؤں گی۔

اس وقت وہ غم و درد میں ڈوب گئی تھی۔ ایاس کا دل بھی بحر رنج و فکر میں غوطے کھانے لگا۔ انہوں نے کہا۔ ایزنتل غم نہ کرو.....

ایزنتل نے قطع کلام کر کے کہا۔ غم تو میری قسمت میں لکھ دیا گیا ہے۔ اعرابی ان کا حکم تھا کہ اگر آپ کچھ کہنا چاہیں تو آپ کو کچھ دور تک پہنچا آئیں۔

ایزنتل: ان سے کہہ دیجئے کہ میں خود چلی جاؤں گی۔

اعرابی چلے گئے۔ لشکر روانہ ہو رہے تھے۔ سب سے آگے مال غنیمت سے لدے ہوئے اونٹوں کی قطار روانہ ہوئی تھی۔ ان کے پیچھے ہر سردار اپنا اپنا دستہ لے کر یکے بعد دیگرے کوچ کر رہے تھے۔

خزیمہ نے بلند آواز سے کہا۔ ایاس آ جاؤ۔ اب ہمارا دستہ کوچ کرے گا ایاس نے ایزبیل کی طرف دیکھا۔ وہ مجسمہ غم بنی ہوئی تھی۔ اس نے غم بھرے لہجہ میں کہا..... جاؤ..... تم بھی جاؤ۔

ایاس: مگر تمہیں اس عالم میں چھوڑ کر.....

ایزبیل: درد بھرے لہجہ میں مسکرائی اس نے کہا۔ مجھے میری حالت پر چھوڑ دو۔

ایاس: اچھا خدا حافظ۔

وہ لوٹنے ایزبیل بے قرار ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر درخت سے اپنی پشت لگائی۔ اور حسرت بھری نظروں سے ایاس کو دیکھنے لگی۔

ایاس اپنے دستہ میں پہنچ کر گھوڑے پر سوار ہو گئے ان کے دستہ نے بھی کوچ کیا۔ ایزبیل حسرت ناک اور پردرد نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ جو اس وقت سلب ہوتے جاتے تھے جب ایاس دور نکل گئے تو اس نے جگر دوز آہ کی اور غش کھا کر گر پڑی۔

پہلے سیلج تنہا تھا۔ پھر رقیہ اور صبیحہ مل کر تین ہو گئے۔ اب مریم اور اس کا بچہ ملنے سے پانچ کس ہو گئے تھے۔ پانچوں ساتھ قیام کرتے اور ساتھ چلتے تھے۔

اس نواح میں سیلج عرصہ سے دورہ کرتا رہتا تھا عیسائی اسے جادوگر سمجھتے تھے۔ اس سے ڈرتے بھی تھے اور یہ بھی چاہتے تھے کہ وہ ان کے پاس نہ آئے مگر خوف کی وجہ سے روک بھی نہ سکتے تھے۔

وہ جب کسی آبادی میں جاتا تو وہاں کے لوگ اسے کھانے پینے کا سامان دے دیتے اور وہ چلا آتا جس قدر مل جاتا اسی پر قناعت کر لیتا۔

یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ وہ تنہا تھا۔ مگر اب جبکہ تین آدمی اور کھانے والے جمع ہو گئے تھے اور ان میں دو مسلمان عورتیں تھیں وہ عیسائیوں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہ کھاتی تھیں اس لئے وہ خام جنس یا پھل لانے لگا۔ اور وہ بھی اتنی مقدار میں جس سے سب کا گذر ہو جائے۔

رقیہ اور صبیحہ حیران تھیں کہ وہ روزانہ کچھ نہ کچھ منزل طے کر لیتی ہیں۔ لیکن ابھی تک کفار کے ملک سے باہر نہیں نکلیں۔ حالانکہ کافی مدت سفر کرتے گذر چکی تھی۔ رقیہ کو خیال ہوا کہ شاید سیلج راستہ نہیں جانتا اور اسی لئے دشمنوں کے ملک میں بھٹک رہا ہے ایک روز اس نے پوچھا۔ سیلج کیا تم راستہ نہیں جانتے؟

سیلج نے جواب دیا جانتا ہوں۔

رقیہ پھر کفار کے ملک میں کیوں بھٹک رہے ہو۔

سیلج اس ہولناک جنگ کا انجام معلوم کرنے کے لئے جس کی آگ کو عیسائیوں نے دانستہ ایک اعرابی قاصد کو قتل کر کے چنگاری ڈال کر بھڑکایا ہے۔

رقیہ: کیا جنگ شروع ہو گئی ہے؟

سیلج: ہاں۔

رقیہ: جنگ کہاں ہو رہی ہے؟

سیلج: موتہ کے مقام پر۔

رقیہ: یہاں سے کتنی دور ہے۔

سیلج: اب قریب ہی ہے۔

رقیہ: تب چلو ہم بھی شریک جنگ ہو جائیں۔

سیلج: تم سب یہیں ٹھہرو میں پتہ لگا لاؤں کہ جنگ کی کیا کیفیت ہے یہ لوگ پہاڑ کے اوپر چٹانوں کے پیچھے موتہ کے قریب ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں سیلج واپس آیا۔ اس کے چہرہ سے خوشی ٹپک رہی تھی۔ اس نے آتے ہی کہا۔ مبارک ہو خدا نے مسلمانوں کو فتح عظیم عطا فرمائی۔

رقیہ اور صبیحہ دونوں خوش ہو گئیں۔ دونوں نے سجدہ شکر ادا کر کے کہا۔ خداوند عالم تیرا شکر و احسان ہے۔

رقیہ نے پوچھا کچھ معلوم ہوا کہ مسلمان کتنے تھے اور عیسائیوں کا لشکر کس قدر تھا۔

پہنچا وہ ایک دم بھاگ کھڑے ہوئے وہ ان کے پیچھے چلا تینوں بھی لپکیں۔ رقیہ نے مریم سے کہا۔ تم ٹھہر جاؤ مریم۔ ایک تو تمہاری گود میں بچہ ہے دوسرے تم کمزور ہو۔

مریم مگر میرا جی تمہارے ساتھ دوڑنے کو چاہتا ہے جب تھک جاؤں گی بیٹھ جاؤں گی۔

رقیہ اچھا۔

تینوں تیزی سے لپکیں اس عرصہ میں سیلج نے دو گھوڑے پکڑ لئے گھوڑوں کے اوپر کاٹھیاں کسی ہوئیں اور لگامیں چڑھی ہوئی تھیں جو گھوڑے بھاگتے تھے تو لگاموں کی باگیں ان کے پیروں میں آ الجھتی تھیں اور وہ بے قابو ہو جاتے تھے۔

ایک گھوڑے کے پیچھے صبیحہ دوڑی۔ گھوڑا تیزی سے بھاگا۔ صبیحہ بھی دوڑی رقیہ اور سیلج نے دیکھا وہ بھی اس کے پیچھے بھاگ پڑی کچھ دور چل کر گھوڑا اس درخت کے قریب جا پہنچا جس کے نیچے ایزبل بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی۔ اتفاق سے گھوڑے کی باگ اس کے اگلے پیروں میں پھنس گئی۔ وہ بے قابو ہو کر کھڑا ہو گیا۔ صبیحہ نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا۔

اس عرصہ میں رقیہ اور سیلج دونوں وہاں پہنچ گئے۔ رقیہ نے کہا۔ شاباش میری بچی تو بڑی بہادر ہے۔ ارے تیرا چہرہ کس قدر سرخ ہو گیا ہے۔ حقیقت صبیحہ کا چہرہ آتشناک ہو گیا تھا۔ اس کے عارض تیز گلابی ہو گئے تھے۔ اس نے شرما کر نظریں جھکا لیں۔

سیلج نے اس گھوڑے کو بھی قابو میں کر لیا۔ اس وقت صبیحہ کی نظر درخت کے نیچے گئی۔ اس نے وہاں کئی عیسائی لڑکیاں کھڑی دیکھیں اسے حیرت ہوئی۔ اس نے رقیہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ امی جان دیکھنا وہ لڑکیاں کون ہیں۔؟

رقیہ اور سیلج دونوں نے دیکھا رقیہ نے کہا۔ شاید لڑکیاں لشکر کے ساتھ تھیں آؤ دیکھیں۔

دونوں یعنی رقیہ اور صبیحہ درخت کے نیچے پہنچیں ایزبل کو اس وقت ہوش آ گیا تھا۔ اس کے پاس اس کی کنیزیں کھڑی تھیں۔ ان دونوں عورتوں کو کنیزوں نے خوف و حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔ ایزبل نے بھی دیکھا۔ جب اس کی نگاہ صبیحہ پر

سیلج نے جواب دیا۔ نہایت حیرت ناک باتیں معلوم ہوئی ہیں مسلمان کل تین ہزار تھے اور عیسائی دو لاکھ۔ نہایت خونریز جنگ ہوئی مسلمان کل بارہ شہید ہوئے جنہیں مسلمانوں نے دفن کر دیا ہے اور عیسائیوں کی بے شمار لاشیں میدان جنگ میں پڑی ہوئی ہیں۔

رقیہ: مسلمان اب کہاں ہیں۔

سیلج: آج ہی مظفر و منصور ہو کر واپس لوٹ گئے ہیں۔

رقیہ کو یہ سن کر بڑا افسوس اور فکر ہوا اس نے کہا اب کیا ہو گا۔ ہم کیسے ان تک پہنچیں گے۔

سیلج: فکر نہ کرو۔ ہم آج شام تک ان کے پاس پہنچ جائیں گے۔ بہشیار گھوڑے میدان جنگ میں کودتے پھر رہے ہیں۔ میں جا کر گھوڑے پکڑ لاتا ہوں اس وقت تمہیں خوشخبری سنانے دوڑا چلا آیا۔

رقیہ: تمہیں مسلمانوں کی فتح سے مسرت ہوئی ہے۔

سیلج: ہاں اور اس کی دو وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ عربوں اور رومیوں کی جنگ تھی۔ میں عرب ہوں۔ اگرچہ مسلمان نہیں قدرتی طور پر قومی لگاؤ کی وجہ سے مجھے خوشی ہونی چاہئے تھی۔ اس کے علاوہ ان عیسائیوں نے دنیا پر بڑا ظلم کیا ہے قاصد کو کسی قوم نے آج تک قتل نہیں کیا تھا۔ یہ وحشیانہ سفاکی اور کمینہ پن انہوں نے کیا ہے۔ انہیں اپنے کئے کی سزا مل گئی۔ اس لئے بھی مجھے خوشی ہوئی ہے۔

رقیہ: تو کیا دونوں لشکر روانہ ہو چکے ہیں۔

سیلج: ہاں۔

رقیہ: پھر چلئے ہم بھی چلیں۔ گھوڑے پکڑنے میں ہم بھی مدد کریں گے۔ سیلج شوق سے چلو۔

یہ سب اٹھ کر چلیں اور پہاڑی سے اتر کر اس وسیع میدان کی طرف بڑھیں جو لاشوں سے پٹا ہوا تھا جدھر نظر جاتی تھی لاشیں بکھری ہوئیں اور زمین خون سے سرخ نظر آ رہی تھی۔ لاشوں سے دور گھوڑے چرتے پھر رہے تھے یہ سب گھوڑوں کی طرف بڑھے۔ گھوڑے ہرنوں کی طرح چوکنے ہو رہے تھے جوں ہی سیلج ان کے قریب

پڑی تو وہ بیساختہ اٹھ کر اس کے پاس آئی اور پوچھا کیا تم ایاس کی بہن ہو؟

صبیحہ کو اس کے اس سوال سے بڑا تعجب ہوا۔ اس نے جواب دیا جی ہاں آپ کون ہیں؟

ایزبیل: میں والئی موتہ کی بیٹی ہوں۔ کیا تم اب تک پہاڑ پر چھپی ہوئی تھیں۔

صبیحہ: جی نہیں ہم راستہ بھول گئے تھے۔ آج ہی اس وادی میں آئے ہیں۔ لیکن آپ بھائی جان کو کیسے جانتی ہیں۔

ایزبیل: انہیں میرے باپ نے قید کر دیا تھا۔ میں نے رہائی دلائی لیکن وہ میری محبت کو ٹھکرا کر اور مجھے بے ہوش چھوڑ کر چلے گئے کیا تم بھی اپنے بھائی کی طرح بے رحم و سنگدل ہو۔

صبیحہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ رقیہ نے کہا۔ میرا ایاس ایسا نہیں ہے ایزبیل نے رقیہ کو دیکھا کچھ دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد بولی پہلے میں بھی انہیں ایسا ہی سمجھتی تھی۔ لیکن..... خیر جانے دو اس ذکر کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔

رقیہ: تم ہمارے ساتھ چلو۔

ایزبیل: تمہارے ساتھ..... کیا ہو گا میں ایاس کے ساتھ جانا چاہتی تھی۔ لیکن وہ نہیں لے گئے۔ انہوں نے ایک دفعہ بھی چلنے کے لئے نہیں کہا۔ میں اس کی وجہ سمجھتی ہوں۔

رقیہ: شاید تمہارے عیسائی ہونے کی وجہ سے۔

ایزبیل نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ انہوں نے بھی کہا تھا مجھ سے مگر یہ بات نہیں ہے۔ انہیں کسی عرب دوشیزہ سے محبت ہے۔ اور انہوں نے اس کی وجہ سے میرے دل کو توڑا ہے۔ ان سے کہہ دینا کہ ایزبیل نے یہ عہد کر لیا ہے کہ وہ جب تک زندہ رہے گی تمہیں یاد کرے گی مرتے دم بھی اس کے لبوں پر تمہارا ہی نام ہو گا۔

اس نے صبیحہ سے دریافت کیا۔ تمہارا نام کیا ہے بہن؟

صبیحہ نے جواب دیا۔ میرا نام صبیحہ ہے۔

ایزبیل نے دردناک لہجہ میں کہا۔ صبیحہ! کاش تمہارے بھائی مجھے بہن ہی بنا

لیتے۔ میں تب بھی ان سے محبت کرتی۔ ان کی اور ان کی رفیقہ حیات کی خدمت کرتی اور خدمت کرتے ہی مر جاتی۔ اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر صبیحہ اور رقیہ دونوں بہت زیادہ متاثر ہوئیں۔ اس وقت سیتھ بھی اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا اور مریم بھی آ گئی۔

رقیہ نے کہا۔ ایزبیل! تم میرے ساتھ چلو۔ ایاس میرا فرمانبردار بیٹا ہے۔ میں اس سے کہوں گی۔ وہ تمہاری دلدہی میں کوئی کوتاہی نہ کرے گا۔

ایزبیل: تمہاری اس ہمدردی کا شکریہ لیکن میں جانتی ہوں کہ وہ اس بات سے کچھ خوش نہ ہوں گے۔ اور میں ان کی خوشی چاہتی ہوں۔ میں ان سے دور رہ کر بھی ان کے لئے دعا کرتی رہوں گی اور ان کے تصور سے اپنا دل بہلانے کی کوشش کروں گی۔ میں سمجھتی ہوں کہ اب میری زندگی کے دن بہت تھوڑے باقی رہ گئے ہیں۔ ان سے صرف اتنا کہہ دینا کہ اگر میں کبھی یاد آ جاؤں تو میری موت کی دعا وہ فرط رنج و قلق سے فقرا پورا نہ کر سکی۔ اور سسکیاں لے لے کر زار و قطار رونے لگی۔ رقیہ، صبیحہ اور مریم کی آنکھوں میں بھی آنسو چھلک آئے۔ رقیہ نے بڑھ کر ایزبیل کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

بیٹی! نہ روؤ تمہارے رونے سے ہمارے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔

ایزبیل نے اپنا سر رقیہ کے سینہ سے لگا دیا۔ اور اس قدر روئی کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔ صبیحہ بھی رونے لگی۔ رقیہ کے بھی آنسو جاری ہو گئے کچھ دیر کے بعد رقیہ نے کہا۔ میں اپنی بیٹی کو اپنے ساتھ ضرور لے جاؤں گی۔

ایزبیل نے سیدھی کھڑی ہو کر آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ میری یہی خواہش تھی میں تمہاری بیٹی بن کر رہتی اور بیٹی سے زیادہ تمہاری خدمت کرتی لیکن قسمت میں یہ نہ تھا کہ تم جیسی رحم دل اور نیک عفیف کی خدمت کروں۔ مجھے اپنے وطن جانے دیجئے۔ لیکن ان سے یہ نہ کہئے گا کہ میں رو پڑی تھی۔ اس سے انہیں ممکن ہے تکلیف پہنچے۔ ان کا دل دکھے اور یہ مجھے گوارا نہیں۔

صبیحہ: مگر تم چلتی کیوں نہیں ہو؟

ایزبیل: اس لئے کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تھے زرا ادھر تو

صبیحہ وہ صبیحہ کو ایک طرف لے گئی اور اپنے گلے سے چند جواہرات کے ہار اتار کر اس کے گلے میں ڈال کر کہا۔ یہ اپنی بہن کا ہدیہ قبول کرو۔

صبیحہ: مگر مجھے تو زیورات پہننے کا کچھ شوق نہیں ہے۔

ایزبیل: میری خوشی کے لئے پہنے رہو۔

صبیحہ: میں تمہیں ناخوش کرنا نہیں چاہتی۔

اب ایزبیل نے ایک آبدار موتیوں کی مالا صبیحہ کو دے کر کہا۔

یہ مالا اپنی بھاوج یعنی اپنے بھائی ایاس کی دلہن کو میری طرف سے پیش کر دینا۔

صبیحہ نے وہ مالا بھی لے لی۔ ایزبیل نے صبیحہ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا۔

میری اچھی بہن خدا حافظ۔

پھر اس کا دل بھر آیا۔ لیکن اس نے ضبط کیا۔ اور کنیزوں کو بلایا کنیزیں آئیں ایزبیل نے گھوڑے طلب کئے۔ کنیزیں دوڑ کر گھوڑے لائیں اور یہ سب سوار ہو کر موتہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

ان کے چلے جانے کے بعد رقیہ۔ صبیحہ مریم اور سیلج بھی گھوڑوں پر سوار ہو کر اسلامی لشکر کے نقش قدم پر چل پڑے۔

صبیحہ اور رقیہ دونوں گھوڑے پر سوار ہونا خوب جانتی تھیں۔ لیکن مریم گھوڑے کی سواری سے اچھی طرح واقف نہ تھی سیلج تو عربی نژاد تھا۔ عربوں کا بچہ بچہ گھوڑے پر سوار ہونا جانتا تھا۔ وہ بھی اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے مریم کے لڑکے کو اپنی گود میں لے لیا تھا۔ اور چاروں قدرے تیزی سے گھوڑے اڑائے چلے جا رہے تھے۔

صبیحہ اس وقت وہ ہار اور مالا پہنے ہوئے تھی جو ایزبیل نے دیئے تھے یہ مجلا جواہرات کے تھے ان پر آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی تھیں جن سے ان میں آنکھوں کو خیرہ کرنے والی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ یہ چمک جب اس کے آئینہ تمثال رخساروں میں عکس ریز ہوتی تھی تو اس کے چہرہ میں بجلیاں سی کوندنے لگتی تھیں۔

مریم بار بار اپنے بچے کو دیکھ لیتی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ سیلج نے اسے اس طرح اپنے سینہ سے لگا رکھا تھا جس سے اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو وہ آنکھیں

کھولے ادھر ادھر دیکھتا کبھی خود بخود ہنستا ہوئے آرام سے جا رہا تھا۔

مریم کا سینہ سیلج کے شکریہ سے لبریز تھا۔ کبھی کبھی سیلج بھی مریم کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ جب کبھی دونوں کی نگاہیں چار ہو جاتیں تو مریم منہ پھیر لیتی لیکن سیلج اسے تکتا ہی رہتا۔

رقیہ صبیحہ کو دیکھ لیتی تھی اور صبیحہ رقیہ کو۔ غرض چاروں ایک دوسرے کو دیکھتے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ اسلامی لشکر ان کے روانہ ہونے سے تقریباً تین گھنٹے پہلے چلا تھا۔ اور چونکہ وہ آہستہ آہستہ سفر کر رہا تھا اس لئے انہوں نے دوپہر کے بعد اسے جا پکڑا۔

ان سے فاصلہ پر گرد و غبار چرخ کھا کر آسمان کی طرف بلند ہو رہا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے صحرائے عرب میں مرغولے اٹھ رہے ہوں۔

سیلج نے کہا۔ ہم اسلامی لشکر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔

صبیحہ نے کہا۔ نہ معلوم بھائی جان اور ابا جان بھی اس لشکر میں موجود ہیں یا نہیں؟

سیلج: قیاس کہتا ہے کہ وہ ضرور اس لشکر میں شامل ہوں گے۔

رقیہ: خدا کرے وہ لشکر میں موجود ہوں۔

مریم: میں تھک گئی ہوں۔ لشکر قریب ہی جا رہا ہے۔ اگر اب آہستہ آہستہ چلتے تو اچھا تھا۔

سیلج: معلوم ہوتا ہے تمہیں گھوڑے کی سواری کا ملکہ نہیں ہے۔

مریم: میں بہت کم گھوڑے پر سوار ہوتی تھی۔

سیلج: اب کوئی اندیشہ باقی نہیں رہا ہے۔ اس لئے آرام اور اطمینان سے چلو

اگرچہ رقیہ اور صبیحہ دونوں یہ چاہتی تھیں کہ جلد سے جلد اڑ کر لشکر میں پہنچ جائیں۔ اور دیکھیں کہ ان کے عزیز اس میں شامل ہیں یا نہیں مگر مریم کی تکلیف کے خیال سے انہوں نے اپنے گھوڑوں کی رفتار دھیمی کر لی اور چاروں آہستہ آہستہ چلنے لگے۔

کچھ دیر کے بعد جو گرد و غبار سامنے اڑ رہا تھا وہ غائب ہو گیا۔

صبیحہ نے کہا۔ دیکھا اب تو غبار بھی نظر نہیں آتا۔ کہیں لشکر دور تو نہیں چلا

گیا۔

سمیع: نہیں میرے خیال میں لشکر نے قیام کر دیا ہے۔ اور چونکہ درختوں کے جھنڈ سامنے آ گئے ہیں اس لئے وہ نظر نہیں آ رہا ہے۔

سامنے بے شمار درخت کھڑے ہوئے تھے۔ جب یہ درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ اسلامی لشکر ایک سرسبز وادی میں دور تک پھیلا ہوا ہے۔

اس وادی میں ایک چشمہ جاری تھا۔ مسلمان چشمہ کے کنارے پر بیٹھے ہوئے یا تو منہ ہاتھ دھو رہے تھے یا وضو کر رہے تھے۔

اگرچہ ابھی ظہر کا وقت نہیں آیا تھا۔ ظہر کی نماز میں بہت عرصہ تھا۔ لیکن زیادہ تر مسلمان ہر وقت باوضو رہتے تھے۔ انہوں نے سن رکھا تھا کہ جو لوگ ہر وقت وضو سے رہتے ہیں انہیں ثواب ملتا ہی ہے لیکن یہ بات بھی ہے کہ ان پر کوئی بلا نہیں آتی بلکہ اس سے پریشانیاں اور بلائیں دور ہو جاتی ہیں۔

کچھ لوگ لکڑیاں فراہم کر رہے تھے اور بعض نے لکڑیاں جمع کر کے کھانا تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔

جب یہ سب لشکر میں داخل ہوئے تو مسلمان انہیں حیرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ یہ چاروں بے مدعا بڑھے چلے جا رہے تھے ان میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ اس لشکر کا سردار کون ہے کہاں ہے البتہ انہوں نے دور سے اسلامی علم کو دیکھ لیا تھا۔ جو چشمہ کے کنارہ پر زمین میں گڑا ہوا تھا اور جس کا پھریرا ہوا سے اٹکھیلیاں کر رہا تھا قیاس سے انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ سردار علم کے آس پاس ہی ہوں گے اسی لئے وہ اسی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

لیکن ابھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ ایک گروہ وضو کر کے داڑھیوں سے پانی کے قطرے پونچھتا ہوا ان کی طرف بڑھا۔ ان میں سے ہر ایک ان عورتوں اور سمیع کو حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ دفعتہً مرۃ آ گئے وہ بھی وضو کر کے آ رہے تھے۔ جوں ہی انہوں نے رقیہ اور صبیحہ کو دیکھا جوش مسرت سے بے خود ہو کر بڑھے اور بولے او بیٹی صبیحہ اور رقیہ تم۔۔۔ خدا کا شکر و احسان ہے۔

وہ فوراً سجدہ میں گر گئے۔ جب سر اٹھایا تو ان کی پیشانی اور ناک پر مٹی لگ گئی

تھی۔

اس عرصہ میں یہ چاروں گھوڑوں سے اتر پڑے تھے اور مرۃ کے سجدہ سے سر اٹھاتے ہی صبیحہ بڑھ کر ان کے سینہ سے جا لگی۔ اس نے کہا۔

ابا جان خدا کا شکر ہے اس نے پھر ہمیں ملا دیا۔

اس کی نرگسی آنکھوں سے فرط مسرت سے آنسو بہنے لگے تھے۔ مرۃ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دینی شروع کی۔

رقیہ بھی مرۃ کے قریب آ کھڑی ہوئی اور مسرت بھری شرمیلی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

مرۃ نے کہا۔ رقیہ میں خدا کا بے حد شکر گزار ہوں اس نے مجھے میرے عزیزوں سے ملا دیا۔

رقیہ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔ صبیحہ بھی رو رہی تھی۔

مرۃ نے کہا۔ بیٹی اب رونے کی کیا بات ہے۔ اب تو خدا کا شکر ادا کرو۔

صبیحہ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے بھائی جان کہاں ہیں؟

مرۃ: پڑاؤ میں ہیں۔ رقیہ تم بھی رو رہی ہو۔ کیا ایک عرب خاتون کو ایسا بے صبر ہونا چاہئے۔

رقیہ: میں بے صبری کی وجہ سے نہیں رو رہی ہوں بلکہ میرے آنسو خدا کی شکر گزاری کو ظاہر کر رہے ہیں۔

مرۃ: تب کوئی حرج نہیں ہے۔ آؤ ایاس سے ملیں۔

یہ سب مرۃ کے پیچھے چل پڑے۔ کچھ دور چل کر رقیہ اور صبیحہ نے اپنے آنسو پونچھے صبیحہ نے کہا۔ کیا ہمارے سب ساتھی بخیریت ہیں۔

مرۃ: خدا کے فضل سے سب بخیریت ہیں۔

صبیحہ: لیکن ابا قاصد کے شہید ہو جانے کی خبر کس نے آنحضور صلعم تک پہنچائی۔

مرۃ: تمہارے بھائی ایاس نے۔

انہوں نے مختصراً تمام واقعہ کہہ سنایا۔ اس وقت وہ اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔

یہاں ایاس اور خزیمہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔

جوں ہی ایاس کی نظر اپنی والدہ اور بہن پر پڑی وہ مسرور دل خوش ہو کر ایک دم اٹھے اور یہ کہتے ہوئے بڑھے اوہ میری پیاری بہن اور امی جان......

صبیحہ جلدی سے بڑھ کر بھائی کے شانہ سے آ لگی۔ ایاس نے اسے پیار کیا اور پھر فوراً ہی رقیہ کی طرف بڑھ کر ادب سے اس کے سامنے جھک گئے رقیہ نے اس کی پیشانی کا بوسہ لے کر کہا۔ بیٹا خدا کا شکر ہے اس نے ہمیں پھر ملا دیا۔ ایاس اس وقت بہت خوش تھا۔ اس نے کہا۔ بے شک خدا نے یہ بڑا احسان کیا ہے۔ ہم سب اس کے بے حد شکر گذار ہیں۔

ایاس جلدی سے ایک کمبل لائے اور اسے بچھا کر کہا۔ بیٹھئے رقیہ بیٹھ گئی اس کے پاس ہی صبیحہ اور مریم بھی بیٹھ گئیں۔ بیتلی نے مریم کی گود میں اس کے لڑکے کو دے دیا اور خود گھوڑوں کے باندھنے میں مصروف ہوا۔

خزیمہ نے صبیحہ کو دیکھا۔ وہ اس پری چہرہ کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ ایسی حسین دوشیزہ آج تک ان کی نظروں سے نہیں گذری تھی انہیں اس کا چہرہ چاند سے زیادہ تابناک معلوم ہو رہا تھا اس کی اداؤں میں شوخیاں رخساروں میں بجلیاں اور آنکھوں میں شباب کی مستیاں چھلک رہی تھیں!

وہ ٹکٹکی لگائے اس دوشیزہ کے حسن و شباب کو دیکھ رہے تھے۔ اتفاق سے صبیحہ کی نگاہ بھی ان کی نظروں سے چار ہو گئیں۔ اس نے شرما کر اپنی نظریں پھیر لیں۔ خزیمہ تڑپ گئے۔ گویا تیر نظر سے ان کا دل نخچیر ہو گیا تھا۔

صبیحہ کے گلے میں جواہرات کے ہار اور موتیوں کی مالا دیکھ کر ایاس نے حیرت بھرے لہجے میں دریافت کیا۔ یہ زیورات کہاں سے آئے صبیحہ۔

صبیحہ نے قدرے مسکرا کر جواب دیا یہ انہوں نے دیئے ہیں جنہیں آپ ٹھکرا کر چلے آئے ہیں۔

ایاس: کیا ایزبیل نے؟

صبیحہ نے بھولے پن سے کہا میں نام نہیں جانتی اس نے کہا تھا کہ تمہیں اس کے باپ نے قید کر لیا تھا اور اس نے تمہیں رہائی دلائی تھی۔

ایاس: تب وہ ایزبیل ہی تھی کہاں ملی تھی وہ تمہیں۔

صبیحہ: ایک درخت کے نیچے اس نے جواہرات کے ہار مجھے دیئے ہیں۔ اور آبدار موتیوں کا ہار تمہاری دلہن کے لئے۔

ایاس کچھ غمزدہ ہو گئے۔ رقیہ نے کہا بیٹا تم نے ایک معصوم بھولی اور باعصمت لڑکی کا دل توڑ دیا بے مروتی تم سے کیسے ہوئی۔ وہ کہتی تھی کہ تمہاری بہن بن کر تمہارے ساتھ رہنے پر تیار تھی لیکن تم نے ایک مرتبہ بھی اسے اپنے ساتھ چلنے کو نہ کہا۔ وہ رو رہی تھی بے چین تھی۔ ہمارے جانے سے پہلے شاید بے ہوش تھی اس کی کنیزیں اسے ہوش میں لائی تھیں۔

ایاس ایزبیل کی درد بھری کہانی سن سن کر بے حد درجہ غمزدہ ہوتے جاتے تھے اس وقت ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ وہ اپنی سنگدلی پر پچھتا رہے تھے۔ انہوں نے کہا امی جان تم انہیں اپنے ساتھ لیتی کیوں نہ آئیں۔

رقیہ: میں نے ہر چند کہا۔ لیکن وہ نہ آئی یہی کہتی رہی کہ انہیں میرا اپنے پاس رکھنا گوارا نہیں ہے۔ وہ بڑی غمزدہ تھی بیٹا۔

اس وقت ایاس اس سے زیادہ غمزدہ ہو رہے تھے۔ رقیہ نے کہا۔ دیکھو بیٹا اب افسوس کرنے یا غم کھانے سے کیا فائدہ۔ میرا خیال ہے کہ وہ بہت تھوڑے عرصہ تک زندہ رہے گی۔

ایاس بے چین ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا۔ میں اسے لاؤں گا۔

رقیہ نے روک کر کہا اب وہ تمہیں نہ ملے گی۔ وہ خود اپنے باپ کے پاس چلی گئی ہے ایاس میں موقع ہی جا کر اسے لاؤں گا امی جان۔

رقیہ: بیٹا پہلی غلطی تو تم نے یہ کی کہ اسے چھوڑ آئے اب دوسری غلطی اسے لانے کے لئے جانے کی کرتے ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس وقت عیسائیوں کا بچہ بچہ مسلمانوں کا دشمن ہے۔ بیٹھو اور سمجھو کہ خدا کو یہی منظور تھا۔

ایاس بیٹھ گئے۔ لیکن وہ نہایت غمزدہ تھے۔ مرۃ نے رقیہ سے پوچھا یہ عیسائی لڑکی کون ہے؟

رقیہ نے مریم کی داستان سنا دی۔ ساتھ ہی بیتلی کی مہربانیوں کا ذکر کر دیا۔ ان

لوگوں کو مریم سے ہمدردی اور مسیح سے محبت ہو گئی۔ انہوں نے ان دونوں کی خاطر داری شروع کر دی۔

اسی روز ظہر کی نماز پڑھ کر حضرت خالد نے خزیمہ کو بلا کر فتح کی خوشخبری پہنچانے کے لئے دربار رسول صلعم میں روانہ کر دیا۔ دوسرے روز یہ لشکر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

باب نمبر ۲۸

شاندار استقبال

جب سے سرور کائنات فخر موجودات' حبیب خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے موتہ کے جنگی واقعات اور زیدؓ' جعفرؓ اور عبداللہؓ کی شہادت کے حالات سنائے تھے۔ اس وقت سے مسلمانوں میں اضطراب اور اضطرار کی لہر دوڑ گئی تھی اور تمام مسلمانوں کی نگاہیں موتہ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ بہت سے مجاہدین صبح اور شام حرہ تک اس لئے چلے جاتے تھے کہ شاید ملک شام سے کوئی قاصد آ رہا ہو۔

صبح سے دوپہر تک اور شام سے دن چھپے تک انتظار کرتے اور واپس لوٹ آتے۔

حضرت جعفرؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ جو اس وقت صغیر سن تھے اور موت اور زندگی' لڑائی اور شہادت کو کچھ بھی نہ سمجھتے تھے۔ مدینہ کی گلیوں میں کہتے پھرتے کہ میرے باپ شہید ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبازو عطا کئے ہیں وہ اڑتے ہوئے میرے پاس آ رہے ہیں۔

لوگ ان کی بھولی باتیں سن کر چشم پرنم ہو جاتے تھے۔ شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ رکھتے اور انہیں پیار کرتے۔

اب وہ بھی لوگوں کے ساتھ حرہ کے رستہ پر جا بیٹھتے اور اپنے والد کے واپس آنے کا انتظار کرتے۔

وہ اس قدر کمسن بھولے اور سیدھے تھے کہ انہیں یہ معلوم ہونے پر بھی کہ ان کے والد شہید ہو گئے ان سے ملنے کی امید تھی۔

ان کی والدہ حضرت اسماء بھی انہیں نہ روکتی تھیں۔ چاہتی تھیں کہ جب تک وہ اس فریب خیال میں مبتلا رہ کر بہلے رہیں اچھا ہے۔

معصومیت، کمسنی اور نا سمجھی کا زمانہ کس قدر پر بہار و دلفریب ہوتا ہے کسی غم کسی پریشانی اور کسی فکر کا دل پر اثر ہی نہیں ہوتا ہے۔

مگر یہ تھوڑا زمانہ ہوا کا جھونکے کی طرح اڑ جاتا ہے کاش کچھ زیادہ لمبا ہوتا۔

غرض لوگ لشکر کی واپسی یا کسی قاصد کے آنے کا انتظار روزانہ کیا کرتے تھے آخر ایک روز ان کی امید بر آئی۔ اور حضرت خزیمہ فتح کی خوشخبری لے کے پہنچ گئے۔

جوں ہی لوگوں نے انہیں دیکھا اور ان سے فتح کا حال سنا خوش ہو کر اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ان کے ساتھ ہو لئے۔

ان نعروں کی آوازوں نے اہل مدینہ کو اطلاع کر دی کہ جنگ میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی ہے لوگ دوڑ دوڑ کر آتے اور بغیر کچھ دریافت کئے ہوئے اس مجمع میں مل کر نعرے لگانے لگتے۔

مسلمانوں کا یہ پرجوش گروہ قدم قدم بڑھتا جاتا تھا۔ وہ مسجد نبوی کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے پرشور نعروں سے تمام مدینہ گونج اٹھا تھا۔

حسن اتفاق سے اس وقت آنحضور صلعم مسجد ہی میں تشریف رکھتے تھے آپ کے پاس جلیلۃ القدر صحابہ بیٹھے تھے۔ حضورؐ نے نعروں کی آواز سن کر کہا! معلوم ہوتا ہے کوئی قاصد فتح کی خوشخبری لے کر آیا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا۔ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

تھوڑی ہی دیر میں خزیمہ اور بہت سے مسلمان مسجد میں داخل ہوئے حضورؐ کو دیکھتے ہی تمام لوگ اس طرح خاموش ہو گئے جیسے عظیم المرتبت اور باجاہ و جلال شہنشاہ کے حضور میں پہنچ گئے ہوں۔

خزیمہ نے بلند آواز سے اسلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ کہا۔ خود حضورؐ نے وعلیکم السلام و رحمتہ اللہ برکاتہ کہہ کر جواب دیا۔

خزیمہ نہایت ادب سے آنحضورؐ کے روبرو جا بیٹھے دوسرے مسلمان جو آئے تھے وہ بھی ادھر ادھر بڑے ادب و سلیقہ سے چپ چاپ بیٹھ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا خزیمہ کیا خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا۔

خزیمہ نے عرض کی میرے ماں باپ حضور پر فدا ہوں خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہوئی۔

آنحضور صلعم نے سجدہ شکر ادا کیا اور خزیمہ سے جنگ کی روئیداد دریافت کی۔

خزیمہ نے تمام حالات نہایت تفصیل سے بیان کئے جو اس طرح تھے جس طرح حضورؐ نے ارشاد فرمائے تھے۔

تمام حاضرین نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا۔

حضورؐ نے حکم دیا کہ تمام مسلمان سرفروشان اسلام کے استقبال کے لئے تیار ہو جائیں اسی روز سے استقبال کی تیاریاں ہونے لگیں مدینہ منورہ کے گھر گھر میں مرد عورتیں اور بچے اس عظیم الشان جنگ کا تذکرہ کرنے لگے۔

خزیمہ جب اپنی ہمشیرہ بدرۃ القمر سے ملے تو وہ بہت خوش ہوئی اس نے کھود کھود کر جنگ کی جزئیات تک دریافت کیں اس سے اس کا یہ مقصد تھا کہ ایاس کے متعلق زیادہ سے زیادہ حالات معلوم کرے لیکن اتفاق سے خزیمہ نے ایاس کا ذکر ہی نہ کیا۔

بدرۃ القمر کو تشویش ہوئی۔ اسے خوف ہوا کہ شاید ایاس شہید ہو گئے۔ اس خیال سے اسے بڑی تکلیف ہوئی۔ اس کا ننھا سا دل تڑپ اٹھا۔ وہ شرم کی وجہ سے ان کے متعلق اپنے بھائی سے دریافت نہ کر سکی۔

لیکن کچھ دیر کے بعد اس نے۔۔۔۔ اس طرح جیسے اسے دفعتہً کوئی بات یاد آ گئی ہو کہا ہاں آپ نے۔۔۔۔ ان کا تو کچھ حال سنایا نہیں جو ہمارے ہم بزرگوار کی شہادت کی خبر لائے تھے۔

خزیمہ مجھے کچھ دھیان ہی نہ رہا وہ نہایت جوش و خروش سے لڑے ہیں اور وہ ہمرکاب رہے ہم دونوں نے بے شمار کافروں و عیسائیوں کو قتل کیا۔ صفوں پر صفیں الٹ دیں۔ وہ نہایت بہادر بڑے نیک اور دیندار نوجوان ہیں۔

بدرۃ القمر۔ ان کی ہمشیرہ اور ان کے والدین ملے۔

خزیمہ۔ ہاں سب مل گئے۔ ان کی ہمشیرہ بڑی خوبصورت، بڑی نڈر، بڑی باحوصلہ اور بڑے مضبوط ارادے کی دلیر لڑکی ہے۔

بدرۃ الفجر: وہ بھی ان کے ساتھ آ رہی ہے

خزیمہ: ہاں تو اس لڑکی کو دیکھ کر بہت خوش ہو گی بدرہ۔

بدرۃ الفجر: میں اس لڑکی کو اپنے پاس رکھوں گی بھائی جان رہ جائے گی نا وہ

میرے پاس۔

خزیمہ: ضرور رہ جائے گی وہ بڑی باعزت بڑی بااخلاق اور بڑی بھولی لڑکی ہے۔

بدرۃ الفجر: کیا وہ عیسائی لڑکی بھی مل گئی تھی جس نے انہیں ایاس کی بیماری والی

بھی

خزیمہ: مل گئی جب ہم میدان جنگ سے چلنے لگے تو اس نے ایاس سے علیحدگی میں دیر تک گفتگو کی غالباً وہ انہیں اپنے پاس رکھنے یا ان کے ساتھ آنے کے لئے اصرار کر رہی تھی مگر انہوں نے نہ مانا......

بدرۃ الفجر: کیا بہت زیادہ حسین تھی؟

خزیمہ: یہ رومی عیسائی لڑکیاں گلفام ہوتی ہیں وہ بھی چاند کا ٹکڑا تھی۔ اب میں تھک گیا ہوں۔ بدرہ ادھر جاتیں پھر باتیں ہوں گی۔

بدرۃ الفجر خاموش ہو گئی۔ وہ کہہ گئی کہ ایاس لڑکی کو کیوں اپنے ساتھ نہیں لائے۔ وہ غور کرتے رہے آخر وہ دن بھی آ ہی گیا جب مسلمانوں نے سنا کہ حضرت خالد معہ لشکر کے حق میں آ گئے ہیں۔

اس سے اگلے روز مسلمان جوق در جوق حق کی طرف چل پڑے۔ حضرت عمر نے ساتھ ہو لئے عبداللہ بھی ماں کے پاس آ کر بولے۔ امی جان لشکر واپس آ رہا ہے میں استقبال کے لئے اور ابا سے ملنے جا رہا ہوں۔

حضرت اسماء کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے انہوں نے آہستہ سے کہا۔ معصوم بیٹا! تجھے کیا خبر کہ تو یتیم ہو گیا ہے۔ تیرے پیارے ابا شہید ہو چکے ہیں۔ بلند آواز سے بولی بیٹا تم نہ جاؤ۔

عبداللہ نہیں امی جان ابا مجھے دیکھ کر خوش ہوں گے اور لڑکے بھی تو جا رہے ہیں۔ اسماء کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عبداللہ نے دیکھ لیا بے چین ہو کر بولے امی جان تم رو رہی ہو۔ نہ روؤ۔ اچھا میں نہ جاؤں گا۔

اسماء نے آنسو پونچھ کر کہا۔ نہیں بیٹا میں رو کب رہی ہوں تم شوق سے جاؤ۔ عبداللہ خوش ہو کر چل پڑے۔

حضرت خالد نے صبح کی نماز پڑھتے ہی حق سے کوچ کر دیا تھا۔ سب سے آگے مال غنیمت سے لدے ہوئے اونٹوں اور گھوڑوں کی قطاریں تھیں ان کے پیچھے مجاہدین اسلام کے دستے تھے۔

یہ لوگ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ استقبال کرنے والے ملے انہوں نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا اس تمام لشکر نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا۔

مسلمان راستے کے دونوں سروں پر ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور لشکر ان کے بیچ میں سے گزرنے لگا۔ ہر ہر قدم پر استقبال کرنے والے مسلمانوں کے گروہ تھے جو نعرہ لگا کر ادھر ادھر کھڑا جاتے تھے۔

جب مدینہ منورہ ایک میل سے بھی کم رہ گیا تب آفتاب عالم فخر بنی آدم حضرت محمد صلعم معہ جلیلۃ القدر صحابیوں کے اونٹوں پر سوار آتے ہوئے نظر آئے۔

اس وقت سب سے آگے حضرت خالد رایت اسلام کو ہاتھوں میں لئے چل رہے تھے۔ ان کے داہنی طرف ایاس اور بائیں طرف ثابت تھے۔ ان تینوں کے پیچھے فوجی دستے تھے۔

حضورؐ کو دیکھتے ہی یہ سب گھوڑوں سے نیچے اتر آئے آنحضور صلعم بھی اونٹ سے نیچے اتر آئے صحابہؓ بھی جلدی سے کود پڑے۔

حضرت خالدؓ نے بڑھ کر سلام کیا حضور نے سلام کا جواب دے کر مسکراتے ہوئے فرمایا خالد تم نے خوب حق اسلام ادا کیا۔

خالد حضورؐ نے میری خدمت اسلامی کو سراہا مجھے میری سرفروشی کا صلہ مل گیا۔

آنحضور صلعمؐ خدا تم سے راضی ہو گیا خالد۔

خالد نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ یہ میری خوش نصیبی ہے۔

حضرت علیؓ کرم نے کہا۔ خالد مبارک ہو تمہیں دربار رسالت سے سیف اللہ کی تلوار کا خطاب عطا ہوا ہے۔

حضرت خالد بے حد خوش ہوئے انہوں نے کہا کس درجہ خوش نصیب ہوں

ہیں۔ اس وقت ان تمام مسلمانوں میں مسرت کی اور خوشی کی لہر دوڑ رہی تھی۔ دفعتہً آواز آئی میرے ابا کہاں ہیں؟

سب اس آواز کی طرف متوجہ ہو گئے۔ دیکھا تو عبداللہ بھیڑ کو چیرتے ہوئے آ رہے تھے۔ انہوں نے پکارا ابا..... ابا۔

ان کی آواز سن کر تمام مسلمانوں کے دل ہل گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے دوڑ کر انہیں گود میں اٹھا لیا اور بولے بیٹا آؤ.....

عبداللہ مجھے ابا کے پاس لے چلو۔

تمام مسلمانوں کے آنسو جاری ہو گئے اور جوش محبت اور فرط غم سے آنحضورؐ کے بھی آنسو نکل آئے۔ آپ نے فرمایا بیٹا ہمارے پاس آؤ۔

حضورؐ نے انہیں گود میں لے کر پیار کیا۔ اور فرمایا مسلمانو! یتیموں کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا کرو۔ خدا اس سے خوش ہوتا ہے اور اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

اب آپ سواری پر سوار ہوئے' حضرت عبداللہ کو اپنے ساتھ بٹھایا(1) اور واپس لوٹے۔

جب لشکر مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو عورتیں بھی ان کے استقبال کے لئے چادروں میں لپٹ لپٹ کر نکل آئیں۔

غرض اس فاتح لشکر کا نہایت پرتپاک خیر مقدم ہوا۔ اسی روز عصر کے وقت آنحضور صلعم نے مال غنیمت کا جائزہ لیا اور تمام مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

خزیمہ کی خواہش تھی کہ مرۃ' ایاس' رقیہ اور صبیحہ اس کے پاس ہی ٹھہریں لیکن مرۃ نے شکریہ ادا کر کے کہا کہ مدینہ منورہ میں خود ان کا اپنا مکان موجود ہے اس لئے وہ انہیں تکلیف دینا پسند نہیں کرتے بلکہ ان سے یہ کہا کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو ان کے مکان پر اٹھ آئیں۔

خزیمہ نے بدرۃ القمر سے ذکر کیا تو اس نے کہا۔ یہ بات مناسب نہیں ہے اور اس لئے یہ دونوں بھائی بہن اپنے انہیں عزیزوں کے یہاں مقیم رہے جن کے پاس وہ بدرۃ القمر کو چھوڑ گئے تھے۔

سیلج اور مریم دونوں مرۃ کے پاس ٹھہرے۔ سیلج زیادہ تر آنحضور صلعم کی خدمت میں صحابہ کرام کے ساتھ رہتا تھا۔ چند ہی دنوں کے بعد اس پر اسلامی رنگ چڑھ گیا۔ اور وہ مسلمان ہو گیا۔

اس نے اپنی حالت درست کر لی۔ انسانوں جیسی صورت بنا لی ہڈیاں جنہیں وہ ہر وقت گلے میں لٹکائے رکھتا تھا اور ہاتھوں میں لئے رہتا تھا پھینک دیں اب وہ مہذب انسان بن گیا تھا۔

مریم بھی مسلمان ہو گئی اور رقیہ کے کہنے سے اس نے سیلج کے ساتھ نکاح کر لیا۔ مال غنیمت میں سیلج کو بھی اتنا ہی حصہ ملا تھا۔ جتنا ہر مجاہد کے حصہ میں آیا تھا۔ اس نے تجارت شروع کر دی تھی اور جو کچھ کما کر لاتا۔ مریم کے ہاتھ پر رکھ دیتا۔

مریم کے ساتھ حبشی خواتین نہایت خلق و مروت سے پیش آتی تھیں اپنے ملک اور اپنی قوم میں وہ زندگی سے تنگ آ گئی تھی خود کشی کے ارادے کر رہی تھی۔ اگر اس کی گود میں بچہ نہ ہوتا۔ تو وہ اب تک اپنی جان کھو بیٹھی ہوتی۔

لیکن اس وقت دوسرے ملک اور دوسری قوم میں وہ نہایت مسرت و انبساط اور بڑی عزت و توقیر کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھی۔ وہ سیلج' مرۃ' ایاس' رقیہ اور صبیحہ سب کی مشکور تھی۔ بلکہ سب سے زیادہ خدا کی شکر گذار تھی۔ جس نے اسے ان لوگوں میں بھیج دیا تھا۔ جو بڑے مہذب بڑے بااخلاق اور بڑے ہمدرد نوع انسان تھے۔

خزیمہ کئی مرتبہ اپنی بھتیجی بدرۃ القمر کو صبیحہ کے پاس لائے تھے ان دونوں حور جمال لڑکیوں میں بڑی محبت ہو گئی تھی اس قدر کہ وہ ایک دوسری کے پاس سے جدا ہونا نہ چاہتی تھیں۔ بدرۃ القمر کو یہ افسوس تھا کہ اس نے مرۃ کے مکان پر رہنا کیوں نہ منظور کر لیا۔

ایک روز وہ عصر کے وقت صبیحہ کے پاس آئی اسے دیکھتے ہی صبیحہ کا چہرہ چمک اٹھا۔ دونوں مکان کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔

اس وقت صبیحہ نے جواہرات کے وہ ہار جو اسے ابرہل نے دیئے تھے۔ اور موتیوں کی وہ مالا جو اس نے ایاس کی دلہن کے لئے دی پہنی ہوئی تھی۔

بدرۃ القمر نے ان مصفا اور مجلا زیورات کو دیکھ کر پوچھا کیا یہ ہار مال غنیمت میں ملے تھے؟ صبیحہ نے جواب دیا نہیں یہ ایزبیل نے مجھے دیئے تھے۔

بدرۃ القمر: اور یہ مالا؟

صبیحہ: یہ بھی اسی نے دی تھی۔ مگر یہ مالا بھائی جان کی دلہن کے لئے دی ہے۔

یہ سن کر بدرۃ القمر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ایک بات کہوں بدرۃ القمر برا تو نہ مانو گی۔

بدرۃ القمر نے اس کے آتشناک چہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے خفیف تبسم کے ساتھ کہا میں اور تمہارے کہنے کا برا نہ مانوں گی۔

صبیحہ: تم بھائی جان کی دلہن بن جاؤ۔

بدرۃ القمر شرما گئی۔ اس کی نرگسی آنکھیں جھک گئیں۔ صبیحہ نے کہا۔ بولو بن جاؤ گی نا۔

بدرۃ القمر نے شرمیلی نگاہیں اٹھا کر کہا۔ مگر وہ ایزبیل کو اپنی دلہن بنانا چاہتے ہوں گے۔

صبیحہ: نہیں اگر وہ ایزبیل کو دلہن بنانا چاہتے تو اسے اپنے ساتھ نہ لے آتے اس بے چاری نے تو بھائی جان کی بڑی خوشامد کی۔ لیکن وہ اسے لائے ہی نہیں تم نے اسے دیکھا نہیں بدر۔ بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔

بدرۃ القمر: تم سے بھی زیادہ۔

صبیحہ: ہاں مجھ سے زیادہ مگر تم سے زیادہ نہیں۔

بدرۃ القمر مسکرانے لگی۔ صبیحہ نے کہا۔ کل امی جان کہہ رہی تھیں کہ بدرۃ القمر بڑی خوبصورت لڑکی ہے۔ اگر خزیمہ منظور کر لیں تو بھیا ایاس کے لئے پیغام دیں۔

بدرۃ القمر نے صبیحہ کے گداز سینہ میں ہلکی سی چٹکی لے کر کہا۔ تم بڑی شوخ ہو صبیحہ اچھل کر ہنسنے لگی۔ اس نے کہا۔ بھائی جان کہتے ہیں کہ تم بہت زیادہ شوخ ہو اور بے مروت بھی۔

بدرۃ القمر: بے مروت......

صبیحہ: جی ہاں۔ جب بھائی جان آتے ہیں تم کھسک جاتی ہو۔

اس وقت رقیہ نے صبیحہ کو آواز دی۔ وہ یہ کہہ کر ابھی آئی ہنستی ہوئی چلی گئی۔

بدرۃ القمر سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔ وہ کسی خیال میں ایسی غرق ہوئی کہ دنیا مافیہا کی خبر نہ رہی۔ ابھی وہ خیالی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی کہ کسی نے کہا۔ بدرۃ آج یہ کس طرف چاند نکل آیا۔

بدرۃ القمر نے مخمور نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو ایاس کھڑے اس کے رخ روشن کو ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہے تھے۔ اس نے شرمیلی نظروں سے انہیں دیکھ کر کہا۔ آپ کہاں سے آگئے۔

ایاس: کشش حسن کھینچ لائی۔

بدرۃ القمر: یہ آپ نے مجھے بدنام کرنا کیوں شروع کر دیا؟

ایاس: سمجھ گئے انہوں نے کہا میں نے......

بدرۃ القمر: جی اور کس نے؟

ایاس: مجھ سے ایسی گستاخی نہیں ہو سکتی۔

بدرۃ القمر: آپ نے صبیحہ سے کیا کہا تھا۔

ایاس: کچھ بھی نہیں۔

بدرۃ القمر: مگر وہ کہتی تھی کہ آپ نے اس سے کہا تھا میں بڑی شوخ ہوں۔

اب ایاس کی جان میں جان آئی۔ انہوں نے کہا۔ اوہ یہ بات اس میں کچھ شک بھی ہے بدرۃ القمر۔

بدرۃ القمر: میں شوخ ہوں اور آپ......

ایاس: نہایت بھولا......

بدرۃ القمر بے ساختہ ہنس پڑی۔ ایاس بھی مسکرانے لگے۔

بدرۃ القمر نے کہا۔ اس وقت تو آپ واقعی بڑے بھولے بنے کھڑے ہیں ایاس اور تمہاری چتون سے اب بھی شوخی اور شرارت برس رہی ہے۔

بدرۃ القمر کی پیشانی پر بل پڑ گئے اس نے کہا۔ پہلے شوخ کہا تھا۔ اب شریر کہا۔ اور کیا کہنا باقی ہے۔

ایاس نے سادگی سے کہا۔ اگر تمہارے بگڑ جانے کا خوف نہ ہوتا تو اور جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ بھی کہہ دیتا۔

بدرۃ القمر: اور بے مروت کہتے۔

ایاس: صرف بے مروت ہی نہیں۔ بلکہ سنگدل بے رحم ستمگر اور۔۔۔ لیکن خیر جانے دیجئے میں کہنا نہیں چاہتا۔

بدرۃ القمر بناوٹی غصہ سے دیکھ رہی تھی۔ سب کچھ کہنے پر بھی کچھ کہنا نہیں چاہتے لیکن آپ نے بے مروت کیسے سمجھا مجھے۔

ایاس اسی طرح کہ مجھے یہاں آئے کئی روز ہو گئے اس عرصہ میں کئی مرتبہ یہاں آئیں لیکن مجھ سے نہ بولیں۔ نہ میری طرف دیکھا بلکہ اگر میں متوجہ ہوا تو کترا گئیں آپ۔

بدرۃ القمر نے بگڑنے کی شان سے کہا۔ اچھا جب میں بے مروت ہوں تو۔۔۔

ایاس نے ملائمت سے کہا خفا نہ ہو بدرۃ القمر میری زندگی کا انحصار تمہاری نگاہ کرم پر ہے اور جب تم خفا ہو تو میں دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ دوں گا۔

بدرۃ القمر: اور سیدھے موتہ چلے جاؤ گے۔

ایاس: موتہ میں کیا رکھا ہے۔

بدرۃ القمر: وہاں ایزبل جو موجود ہے۔

ایاس: ایزبل سے میرا واسطہ کیا ہے۔

بدرۃ القمر: اور کہاں جاؤ گے۔

ایاس: جہاں قسمت لے جائے گی۔

بدرۃ القمر: اچھا اقرار کرو مجھے شوخ اور بے مروت نہ کہو گے۔

ایاس: تم خفا ہوتی ہو تو نہ کہوں گا۔

ایک آواز آئی کیوں نہ کہو گے یہی بات تو کہنی چاہئے۔ بھائی جان آپ ڈر گئے۔

دونوں نے گھوم کر دیکھا تو صبیحہ ہنستی ہوئی آ رہی تھی۔ بدرۃ القمر شرم سے پسینہ پسینہ ہو گئی۔ ایاس مسکرانے لگے۔ صبیحہ نے پاس آ کر کہا۔ ہاں قمر کیا تم شوخ

نہیں ہو' بے مروت نہیں ہو بولو واہ وا شرما کیوں گئیں۔

ایاس نے بدرۃ القمر سے کہا۔ اب جواب دو نا اسے۔

بدرۃ القمر نے شرمیلی مست نگاہیں اٹھا کر ایاس کو دیکھا اور کہا۔ یہ آپ کا ہی پڑھایا ہوا سبق دوہرا رہی ہیں۔ صبیحہ تم مجھ سے بات کرو قمر۔ مجھ سے امی جان نے ابھی بتایا ہے کہ تمہارے بھائی جان نے پیغام منظور کر لیا ہے۔ اب تم اسی پہلے دلہن بن کر ہمارے گھر آ جاؤ گی۔

بدرۃ القمر کی آنکھیں فرط حیا سے زمین میں گڑ گئیں۔ وہ پیر کے انگوٹھے سے زمین کریدنے لگیں ایاس کا چہرہ خوشی و مسرت سے چمکنے لگا۔

انہوں نے کہا۔ قمر سنا تم نے بدرۃ القمر کا سر جھکا ہوا تھا ایاس اسے کچھ دیر دیکھ کر واپس لوٹ گئے ان کے جانے کے بعد اس نے سر اٹھا کر صبیحہ کو دیکھا اور کہا شریر صبیحہ تم بڑی شوخ ہو۔

صبیحہ اب بھی ہنس رہی تھی اس نے کہا۔۔۔ اس میں شوخی کی کیا بات ہے میری آرزو تھی کہ تم دلہن بن کر ہمارے گھر آؤ خدا نے میری تمنا پوری کر دی۔

بدرۃ القمر: اور میری بھی تو ایک تمنا ہے۔

صبیحہ: یہی کہ تم دلہن بن کر بھائی جان پر حکومت کرو وہ ذرا بھولے اور سیدھے ہیں اگر میں ہوتی تو تمہیں ٹھیک کر دیتی۔

بدرۃ القمر: اس لئے کہ میں تمہیں اپنے بھائی جان کی دلہن بنانے کی فکر میں ہوں۔ اب صبیحہ کے شرمانے کی باری تھی اس کے سرخ و سفید چہرے پر بار حیا سے عرق آ گیا۔ اور لمبی لمبی پلکیں عرق آگیں آتشی رخساروں کو ہوا دینے لگیں۔

بدرۃ القمر نے اسے کھینچ کر اپنی آغوش میں لیتے ہوئے کہا۔۔۔ بس شرما گئیں۔ بولو۔۔۔ تمہیں میرے بھائی جان کی دلہن بننا منظور ہے۔ جواب دو۔۔۔

صبیحہ نے شرمیلی مسکراہٹ سے کہا۔۔۔ قمر تم بڑی شریر ہو۔

بدرۃ القمر:۔۔۔ لیکن تم سے زیادہ نہیں۔

اس وقت رقیہ آ گئی اور پر کیف گفتگو یہیں پر ختم ہو گئی۔

رات کا کھانا کھا کر بدرۃ القمر چلی گئی صبیحہ نے ٹھیک کہا تھا۔ عروہ نے ایاس کے

لئے خزیمہ کو پیغام دیا تھا اور انہوں نے منظور کر لیا تھا اگلے ہی روز سے شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

ہم ہندوستانیوں کی طرح عربوں میں نہ اس وقت شادیاں ہوتی تھیں نہ اب ہوتی ہیں ہم میں بہت سی ہندوؤں کی مشرکانہ رسمیں داخل ہو گئی ہیں اور یہ وبا بڑے گھروں میں زیادہ ہے۔

کنگنا باندھتے ہیں آرتی اتارتے ہیں بان لگاتے ہیں اور خدا جانے کیا کیا بے ہودہ رسمیں عمل میں لاتے ہیں یہ سب باتیں منع ہیں۔ ہندی مسلمانوں کو یہ باتیں چھوڑ کر اسلام کی سادہ باتوں پر عمل کرنا چاہئے۔

جمعہ کا روز عقد کے لئے مقرر ہوا تھا اس روز عصر اور مغرب کے درمیان نکاح ہو گیا مغرب پڑھ کر کھانا کھانے کے بعد رخصتی ہو گئی۔ عشاء کی نماز پڑھ کر ایاس حجلہ عروسی میں پہنچے دیکھا تو بدرۃ القمر حقیقت میں رشک مہ دو ہفتہ بنی شرمائی بیٹھی ہے۔ وہ اس گلفام کی طرف بڑھے اس نے نرم اور شیریں آواز میں کہا۔ بس وہیں ٹھہر جائیے۔ ایاس نے بڑھتے ہوئے کہا۔ معاف کرنا اس وقت سرکار حسن کی تعمیل ناممکن ہے۔

بدرۃ القمر: مگر میں شوخ او۔۔۔۔

ایاس: تمہیں تم زوج حیات ہو او۔۔۔۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر کھو گئے۔

ایاس کے عقد کے دو ہفتے کے بعد صبیحہ کا عقد خزیمہ سے ہو گیا۔

یہ وہ سب سے پہلی عیسائیوں اور مسلمانوں کی مشہور جنگ تھی جس کی بنیاد خود عیسائیوں نے ڈالی۔۔۔۔ اور یہی جنگ ان تمام جنگوں کا پیش خیمہ تھی جو اس کے بعد ہوئیں۔۔۔۔

عیسائی اپنی اس وحشیانہ حرکت کو چھپانے کے لئے مسلمانوں پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے ملک و دولت کے لالچ سے عیسائی ممالک پر حملہ کیا اور چونکہ مسلمان تاریخ سے ناواقف ہیں اس لئے وہ جواب دینے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔

اگر وحشی عیسائی اسلامی قاصد کو شہید نہ کرتے تو ممکن تھا مسلمانوں سے ان کی جنگ نہ ہوتی لیکن انہوں نے خود مسلمانوں کو چھیڑ کر دعوت جنگ دی۔ اور مسلمانوں

نے اسے قبول کر کے ان کی عظیم الشان سلطنت کے ٹکڑے اڑا دیئے۔

(1) از تاریخ ابن خلدون

ختم شد

☆.....○.....☆

ہماری مطبوعات ایک نظر میں

جدید الطبع — **فہرست کتب** — بماہ فروری [illegible]

کتاب	قیمت
نقش سلیمانی (اردو)	35/-
تعبیر نامہ خواب	20/-
اعمال قرآنی	15/-
میری نماز	10/-
مسنون دعائیں	6/-
چھ باتیں	8/-
عورتوں کی نماز	7/-
اقوال زریں	7/-
عملیات عجیب	7/-
ناف کا لال	10/-
عملیات محبت	10/-
جنگ نامہ حضرت علیؓ	7/-
جنت کا راستہ	10/-
سلام نعت ورسول	7/-
اسم اعظم	7/-
گنجینۂ عملیات	12/-
مخصوص مسائل	5/-
میاں بیوی کے حقوق	5/-
روحانی علاج	12/-
شہد سے علاج	12/-
اسلام اور بیماری کا شرعی علاج	12/-
نقش منظم	7/-
حل المشکلات	10/-
مکاشفۃ القلوب	55/-
اندر جال (اردو)	15/-
چین بنگال کا جادو	7/-
ہمدرد عاشقاں	15/-
اصلاح الرسوم	15/-
موت کی یاد	6/-
سنی بہشتی زیور	45/-
شمع شبستان رضا	45/-
طب روحانی	18/-
طریقہ فاتحہ	8/-
فالنامہ خواب نامہ	15/-
قیامت کب آئیگی	12/-
رسول اللہ کی دعائیں	12/-
والدین کے حقوق	5/-
اسلام کیا ہے؟	15/-
طب نبوی	12/-
شمائل ترمذی شریف	30/-
جاء الحق	55/-
حصن حصین	22/-
قانون شریعت	75/-
جنتی زیور	60/-
تحفۂ خواتین	45/-
ہماری ہندی مطبوعات	
نقش سلیمانی — ہندی	18/-
سیف کامل — "	15/-
آسیب کامل — ہندی	8/-
اعمال قرآنی — "	15/-
موت کی یاد — "	8/-
بہشتی زیور — "	65/-
قصص الانبیاء — "	30/-
مرنے کے بعد کیا ہوگا — "	30/-
سولہ سورہ کلاں — "	25/-
میلاد اکبر — "	12/-
میری نماز — "	10/-
آئینہ نماز — "	10/-
تحفۂ درود وسلام — "	8/-
تاریخ اسلام — "	45/-
میاں بیوی کے حقوق — "	5/-
آسان نماز — "	7/-
فضائل اعمال — "	75/-
بخاری شریف — "	45/-
مسلمان بیوی — "	10/-
مسلمان خاوند — "	10/-
مسنون دعائیں — "	8/-
چھ باتیں — "	5/-
سورہ یٰسین شریف، گنج العرش — "	2/-
ترکیب نماز — "	5/-
پارہ عم — "	5/-
قیامت کب آئیگی — "	12/-
رسول اللہ کی دعائیں — "	12/-

نسیم بک ڈپو ۲۲۵ مٹیا محل جامع مسجد۔ دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶

ہماری مطبوعات ایک نظر میں

فہرست کتب

کتاب	قیمت
نقش سلیمانی (اردو)	30/-
تعبیر نامہ خواب	20/-
اعمال قرآنی	15/-
میری نماز	8/-
مسنون دعائیں	5/-
چھ باتیں	5/-
عورتوں کی نماز	7/-
اقوال زریں	7/-
عملیات عجیب	7/-
ناف کا لال	10/-
عملیات محبت	10/-
جنگ نامہ حضرت علی	7/-
جنت کا راستہ	10/-
سلام نعت ورسول	7/-
اسم اعظم	7/-
گنجینۂ عملیات	12/-
مخصوص مسائل	5/-
میاں بیوی کے حقوق	5/-
روحانی علاج	12/-
شہد سے علاج	12/-
اسلام اور بیماری کا	12/-
طریقہ علاج	
نقش منظم	7/-
حل المشکلات	10/-
اندر جال (اردو)	15/-
چین بنگال کا جادو	7/-
ہمدرد عاشقاں	15/-
اصلاح الرسوم	15/-
موت کی یاد	6/-
سنی بہشتی زیور	45/-
شمع شبستان رضا	45/-
طب روحانی	18/-
قیامت کب آئے گی	12/-
رسول اللہ کی دعائیں	12/-
والدین کے حقوق	5/-
اسلام کیا ہے	15/-
طب نبوی	12/-
شمائل ترمذی شریف	30/-
جاء الحق	55/-
حصن حصین	22/-
قانون شریعت	75/-
جنتی زیور	60/-
تحفۂ خواتین	40/-
ہماری ہندی کتب	
سیف کامل — "	15/-
آسیب کامل — "	8/-
اعمال قرآنی — "	15/-
موت کی یاد (ہندی)	8/-
بہشتی زیور — "	65/-
قصص الانبیاء — "	30/-
مرنے کے بعد کیا ہوگا — "	30/-
سولہ سورہ کلاں — "	25/-
میلاد اکبر — "	10/-
میری نماز — "	10/-
آئینہ نماز — "	10/-
تحفۂ درود وسلام — "	8/-
تاریخ اسلام — "	45/-
میاں بیوی کے حقوق — "	5/-
آسان نماز — "	7/-
فضائل اعمال — "	75/-
بخاری شریف — "	45/-
مسلمان بیوی — "	10/-
مسلمان خاوند — "	10/-
مسنون دعائیں — "	6/-
چھ باتیں — "	5/-
سورہ یٰسین — "	2/-
گنج العرش — "	2/-
ترکیب نماز — "	4/-
پارہ عم — "	5/-
قیامت کب آئے گی — "	12/-
رسول اللہ کی دعائیں — "	12/-

شاهد بک ڈپو

اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶